سِلسلۂ مطبوعات انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) نمبر ۱۳۷

سفرنامہ

(حکیم) ناصِر خسرو

مُترجمہ

مولوی محمد عبدالرّزاق کانپوری

شایع کردہ

انجمن ترقیٔ اُردو (ہند)، دہلی

سنہ ۱۹۴۱ع

دلّی پرنٹنگ ورکس دہلی

قیمت (۲؍)

سلسلہ مطبوعات انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) نمبر ۱۳۷

سفرنامہ

(حکیم) ناصر خسرو

مترجمہ

مولوی محمد عبدالرزاق، کانپوری

شایع کردہ

انجمن ترقیٔ اُردو (ہند)، دہلی

سنہ ۱۹۴۱ء

فہرست مضامین

مقدمہ

متن

حواشی

ل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بنامِ آنکہ دارائے جہانست	خداوندِ تن و عقل و روانست
بنامِ کردگارِ فردِ داور	کہ ہست از وہم و فکر و عقل برتر

(ناصر خسرو)

مقدمہ

ترجمۂ سفرنامۂ حکیم ناصر خسرو علوی بلخی

موسومہ

"المسالک"

۱۔ تمہید | سنہ ۱۳۱۶ھ (۱۸۹۸ء) میں دہلی جانے کا اتفاق ہوا۔ زمانۂ طالب علمی سے شمس العلما خان بہادر ذکاء اللہ دہلوی سے شرف نیاز حاصل تھا۔ لہٰذا سلام و مزاج پرسی کے لیے مولانا کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔

اثنائے گفتگو میں عربوں کی سیر و سیاحت کا تذکرہ شروع ہو گیا اس کے بعد سیاحانِ عجم کی باری آئی تو شمس العلماء نے سفرنامۂ فارسی حکیم ناصر خسرو کا ذکر کیا اور یہ بھی ارشاد ہوا کہ "خواجہ الطاف حسین حالی نے چند سال ہوئے کہ یہ سفرنامہ مع مقدمہ شایع کیا ہے تم اس کو ضرور پڑھو"

مولانا سے رخصت ہوکر دریبہ (دہلی کا مشہور بازار) کی سیر کی اور مشہور کتاب خانوں کو دیکھا تو حُسنِ اتفاق سے سفر نامۂ مذکور جو سنہ ۱۳۰۰ھ (۱۸۸۲ء) میں شایع ہوا تھا مل گیا، یہ نادر الوجود سفر نامہ نواب **ضیاء الدین احمد خاں** بہادر، رئیس لوہارو کے قلمی نسخے کی نقل تھا۔ میں نے یہ سیاحت نامہ دَورانِ سفر (از دہلی اسٹیشن تا کانپور) میں پڑھا اور پڑھ کر بے انتہا مسرت ہوئی کیونکہ نہ صرف ادبی حیثیت بلکہ وقایع سیاحت اور عجایبات عالم کے لحاظ سے بھی نہایت جامع اور دل چسپ تھا۔ اس بنا پر تنقیدی نظر سے دُو مرتبہ اور مطالعہ کیا۔ جب مضامین اور طرز انشا پر عبور ہو گیا تو ندرت کے لحاظ سے ترجمے کا خیال پیدا ہوا اور اس ضرورت سے خواجہ بزرگ حالی کو جنوری سنہ ۱۳۱۸ھ (۱۹۰۰ء) میں ایک عریضہ لکھا۔ خواجہ صاحب نے بکمال شفقت حسب ذیل جواب عنایت فرمایا جو بجنسہ (مع عکس) نقل کیا جاتا ہے۔

> عنایت نامہ پہنچا **ناصر خسرو** کا سفر نامہ یا اس کا ترجمہ چھاپنے کی اجازت یا ممانعت کرنے کا مجھے کچھ حق نہیں، آپ ضرور اس کا ترجمہ چھاپیے، مگر اس میں **نوٹوں** کی ضرورت ہوگی۔ امید ہے کہ آپ اس فرض کو بخوبی انجام دیں گے۔
>
> میں نے جو اس کے اوّل میں ناصر خسرو کا حال فارسی میں لکھا ہے اس میں سخت محنت[1] اور تلاش مجھ کو کرنی پڑی ہے۔ میں بہت خوشی سے اجازت دیتا ہوں کہ آپ کے نزدیک اگر وہ تحقیقات صحیح ہو تو اس کا ترجمہ بھی سفر نامے کے اوّل میں چھاپ دیجیے۔ ۱۳ فروری سنہ ۱۹۰۰ء
>
> خاکسار حالی از پانی پت

---

[1] بجز سفر نامے کے ناصر خسرو کی اور کوئی تصنیف خواجہ صاحب کو نہیں ملی اس وجہ سے تحریر سوانح حیات میں مشکلات

محترم خواجہ کی تحریر سے واضح ہوا کہ بغیر حواشی (نوٹ) کے اس سفر نامے کی اشاعت بے کار ہے اور یہ خیال صحیح تھا کیونکہ ناصر خسرو آغاز پانچویں صدی ہجری میں سیاحت کو نکلا تھا۔ لہٰذا دور حاضر تک جغرافی اور تاریخی حیثیت سے امصار و دیار اور حکومتوں میں عظیم الشان فرق آگیا تھا۔ علاوہ بریں ناصر ایک مشہور حکیم اور عدیم النظیر فلسفی شاعر بھی تھا۔ لہٰذا اس کے سوانح حیات کے سفر نامے میں شامل ہونے کی بڑی ضرورت تھی بلا شبہ یہ دونوں کام سخت مشکل تھے لیکن خواجہ کی حوصلہ افزائی سے اِن مشکلات کو میں نے سہل سمجھا اور توَکَّلتُ عَلیَ اللہ ترجمہ شروع کر دیا۔

اس زمانے میں اشاعت البرامکہ کے بعد خواجہ حسن نظام الملک طوسی کی سیرت زیر تالیف تھی لہٰذا ترجمے کے لئے ہفتے میں ایک دن مقرر کیا گیا اور دو سال میں ترجمہ ختم ہوگیا۔

اس مرحلے کے طے ہونے پر حاشیہ نگاری کے لئے امصار و بلاد آثار قدیمہ، سمندر، دریا اور مشاہیر رجال کی فہرست مرتب کی گئی ڈھائی سو نوٹوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہ تعداد ہمت شکن نہ تھی لیکن اس کی تکمیل دشوار تھی۔ کیونکہ جن کتابوں سے اخذ و نقل کا کام لینا تھا وہ ہندستان میں نایاب تھیں اور ناصر کی تصنیفات کی اشاعت کا برلن (جرمن) میں اہتمام ہو رہا تھا لہٰذا کچھ عرصے تک علیگڑھ کالج کی لٹن لائبریری سے استفادہ کیا گیا لیکن پھر بھی نوٹوں کی تکمیل نہ ہو سکی تب ایک یوروپین

لہ میری حالت سے اندازہ فرمائے کہ جب ترجمہ شروع کیا تھا اس وقت دولت عثمانیہ میں سلطان عبد الحمید خان ایران میں شاہ ناصر الدین قاچار افغانستان میں ضیاء الملت امیر عبد الرحمٰن خان حکمران تھے اور آج یہ سب حکومتیں بدل چکی ہیں۔

پروفیسر کالج کے مشورے سے لیڈن (ہولانڈ) کی مشہور مشرقی پریس برل سے عربوں کے نایاب سفرنامے، جغرافئے اور بعض نادر تاریخیں بہ قیمت چار سو روپیہ خرید کی گئیں اور ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء میں یہ ذخیرہ یورپ سے آگیا۔ اور نوٹ نگاری کا کام شروع ہوا۔ عربی تصانیف کے علاوہ انسائیکلوپیڈیا برطانیہ کا اور اسلام اور دایرۃ المعارف پطرس بستانی سے بھی انتخاب کیا گیا اور مطبوعات (متعلقہ سیرت ناصر) مصر، بیروت اور جرمن کی خریداری مسلسل ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۴ء تک جاری رہی جس کی مجموعی قیمت تین سو انہتر روپے چودہ آنہ چھ پائی تھی۔

۶ ر دسمبر ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء سے خاکسار ریاست بھوپال میں تحصیلدار مقرر ہو چکا تھا۔ لہذا کام کی رفتار بہت سست ہو گئی تھی اور بجائے علمی مشاغل کے کاغذات دیہی سامنے رہتے تھے تاہم تعطیلات اور فرصت کے گھنٹوں میں سفرنامے کی تکمیل ہوتی رہی اور خدا خدا کرکے وہ دن آیا کہ (ترجمۂ سفرنامہ مع حواشی) طباعت کے لئے مولوی ڈاکٹر عبدالحق صاحب سکریٹری "انجمن ترقی اردو ہند" کے سپرد کر دیا گیا۔ میرا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ۱۹۰۴ء / ۱۳۲۲ھ سے ۱۹۳۹ء / ۱۳۵۹ھ تک تکمیل سفرنامہ میں مصروف رہا ہوں لیکن یہ کہنے کا استحقاق ضرور ہے کہ

"برخے از عمر گرانمایہ براو کردم صرف"

کتب ماخذ کی فہرست نہایت طویل ہے۔ لہذا وہ انڈکس (مکمل فہرست) کے ساتھ شامل رہے گی۔ اب حکیم ناصر خسرو کی ابتدائی سوانح عمری ملاحظہ فرمایئے۔

۲۔ سیرت حکیم ناصر خسرو علوی بلخی

۱۔ نام و نسب تذکرۂ مجمع الفصحا، امیر الشعرا رضا علی خاں متخلص بہ ہدایت میں ناصر خسرو کا نسب نامہ حسب ذیل ہے

ناصر بن خسرو بن حارث بن عیسٰی بن حسن بن محمد بن موسٰی بن علی بن امام موسٰی الرضا علیہ السلام۔

ایک رسالہ[1] جو ناصر کے نام سے مشہور ہے، اس میں ناصر سے محمد تک صرف پانچ پشتیں درج ہیں بقیہ نام نہیں ہیں لیکن جملہ تذکرہ نگار متفق ہیں کہ وہ امام موسٰی الرضا کی اولاد میں ہے اور ناصر کا بھی یہی دعویٰ ہے لیکن

---

[1] یہ رسالہ دیوان ناصر خسرو مطبوعۂ بمبئی میں شامل ہے۔

[2] یہ رسالہ ناصر کا مصنفہ ہے یا نہیں؟ اس میں مورخین کا اختلاف ہے۔ جو گروہ ناصر کو ملحد و کافر مانتا ہے وہ اس رسالے کو فرضی سمجھتا ہے۔ اور جو طبقہ ناصر کو حکیم اور جامع علوم و فنون سمجھتا ہے۔ وہ اس رسالے کو اس کا مصنفہ جانتا ہے دوسرا رسالہ جو تسخیر کواکب میں ہے اس کی بھی یہی حالت ہے میری تحقیقات کے مطابق پہلا رسالہ جو دیوان مطبوعۂ تبریز و بمبئی کے آخر میں ہے، وہ ناصر خسرو کا ہے۔ لیکن اس کی عبارت از اول تا آخر تبدیل کر دی گئی ہے جس میں ایک سطر بھی ناصر کی قلمی نہیں ہے، کیونکہ نثر میں جو کتابیں ناصر کی طبع ہو چکی ہیں ان کا طرز انشا اس رسالے سے جداگانہ ہے۔ البتہ حالات ناصر کے ہیں جس کی تصدیق دیگر ذرائع سے ہوتی ہے۔ لیکن حالات میں بھی ترمیم کی گئی ہے خصوصاً واقعات موت اور یمگان کے طلسمی حالات اور یہ اضافہ اس لیے کیا گیا کہ اس عہد میں درویشوں کے حالات میں کرامات وغیرہ کا تذکرہ ضروری تھا۔

جو رسالہ تسخیر کواکب اور نیرنجات میں ہے وہ محض اس لیے فرضی قرار

بعض اصحابؒ کا خیال ہے کہ یہ انتساب علویت محض فخریہ ہے۔ وہ خاندان امام کا ایک معمولی خادم اور معتقد ہے۔

لیکن ناصر کی دیانت سے یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنا نسب نامہ فرضی لکھے اور کوئی بھی مسلمان یہ جرأت نہیں کر سکتا ہے کہ خاندان رسالت سے اپنا شجرہ ملائے۔ اشعار ذیل ملاحظہ ہوں جس سے یہ بحث خود ہی طے ہو جائے گی۔

ایمن شرف و فخر آل خویش تبارم	گر دیگرے را شرف بآل و تبار است[ل]
۲۔ گر تو بہ تبار فخر داری	من مفخر گوہر تبارم
۳۔ گر ترا پشت بہ سلطان خراسان است	ہیچ غم نیست ز سلطانِ خراسانم[سے]

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵) دیا گیا ہے کہ تسخیر کواکب اور طلسمات کا علم اب فنا ہو چکا ہے، لیکن یہ رائے محض غلط ہے کیونکہ علوم کے فنا ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ اس علم و فن کی کتابیں بھی غلط ہیں ناصر کے زمانے تک مختلف ممالک میں طلسمات موجود تھے۔ جن کا تذکرہ سفر نامے میں ہے اور ناصر نے تسخیر و نیرنجات کا علم بابل میں حاصل کیا تھا۔ جس کے اطراف و جوانب میں اس علم کے جاننے والے اسوقت تک موجود تھے۔ محققین کا خیال ہے کہ اس رسالے کی زبان میں بھی تبدیلی کی گئی ہے اور مضامین میں بھی ذوبجیب تصرف کیا گیا ہے۔ شمس العلماء آزاد تذکرۂ نگارستان فارس میں لکھتے ہیں کہ "ناصر کا پہلا رسالہ (قلمی) مجھکو بدخشاں میں ملا تھا۔ چنانچہ انھوں نے ناصر کے کل حالات اسی رسالے سے نقل کیے ہیں لیکن جس کو وہ صحیح سمجھتے ہیں یہ حالات اکثر تصرف آمیز ہیں۔

ل دیباچہ سفر نامہ مطبوعہ برلن ۱۳۴۱ھ مرتبہ غنی زادہ شاگرد رشید مسٹر براؤن انگلشی۔

سے۔ از دیوان ناصر مطبوعہ طہران صفحہ ۳۶۔ ۲۰۸۔ ۲۰۴۔ ۸۵۔ ۲۱۱۔

سے۔ ایران میں ہنوز امام، موسیٰ الرضا علیہ السلام کو شاہ خراسان کے خطاب سے یاد کرتے ہیں۔

اشعار مندرجۂ بالا میں صرف امام علیہ السلام کا کنایتًا تذکرہ ہی۔

اب یہ شعر ملاحظہ ہو۔

۴۔ شاخ پُر بارم از تخم نبی زہرا — پیشِ چشم تو بید و چنار آید

علاوہ بریں ناصر نے ایک دوسرے شعر میں عجمی النسل ہونے سے انکار کیا ہی۔

۵۔ من از پاک فرزند آزادگانم — نگفتم کہ شاپور بن اردشیرم

۲۔ کنیت آغاز سفر نامہ میں ناصر نے اپنی کنیت ابو معین الدین تحریر کی ہی اور اشعار میں بو معین اور ابو معین بھی آیا ہی۔

پند خوب و شعر حکمت را بدار — یادگار از بومعین ای مستعین

ناصر کا ایک بیٹا تھا، جس کا نام معین الدین تھا اور ملک شاہ سلجوقی (۴۶۵ھ تا ۴۸۷ھ) کے عہد میں یہ دفتر انشا نیشاپور میں ملازم تھا اور اس کا چچا خواجہ ابو الفتح عبد الجلیل (جس کا سفر نامے میں ذکر ہی)، دفتر وزارت مرو شاہ جان میں کسی معزز عہدے پر ممتاز تھا۔ آخر عمر میں ناصر تجرد کا قایل تھا۔ اور عورتوں کے ہجو میں اکثر اشعار لکھے ہیں چنانچہ لکھتا ہی ؂[۵]

زن جادو است جہاں من نخرم زرقش — زن بود آنکہ مرا و را بہ فریبد زن

زرق آں زن را بابیژن نشنودی (۲۱۸) — کہ چہ آورد بآخر سرِ بیژن

(شاہ نامہ ملاحظہ ہو)

پھر چند شعر کے بعد لکھتا ہی۔

مر مرا پرس ازیں زن کہ مرا با او — شصت یا بیش گزشتہ است دی و بہمن

(شہورِ ایران)

کہ اگر عورتوں کا حال پوچھتے ہو تو مجھ سے سنو۔ کیونکہ ۶۰ سال یا

---

[۵] دیوان صفحہ ۲۳۶۔

اس سے کچھ زیادہ مدت گزر چکی ہی کہ میرا اور عورت (بی بی) کا ساتھ ہی۔ اس وقت ناصر یمکان میں گوشہ گیر تھا۔ اور یہ بی بی اس کے ساتھ حق رفاقت ادا کر رہی تھی۔ مگر جناب ناصر غالب دہلوی کے ہم خیال معلوم ہوتے ہیں کہ "نہ پھندا ہی ٹوٹتا ہی نہ دم نکلتا ہی" بجائے قدر دانی کے جس پیرایے میں اپنی رفیق حیات کا ذکر کیا ہی وہ الفاظ سے ظاہر ہی۔

۳۔ القاب تذکروں میں ناصر کے مختلف القاب ہیں۔ دولت شاہ ناصر خسرو لکھتا ہی اور درویشانہ زندگی کے خیال سے بعض نے شاہ اور سلطان بھی لکھا ہی۔ یہ پچھلا خطاب صرف آثار البلاد[۱] قزوینی میں ہی۔ اور بصراحت لکھا ہی۔ کہ ناصر بلخ کا سلطان تھا اور تذکرۂ مجمع الفصحاء میں ناصر کا لقب حجت ہی جس پر جداگانہ بحث کی گئی ہی۔

۴۔ وطن ناصر کے بزرگوں کا وطن کہاں تھا؟ اس میں بہت اختلاف ہی۔ حاجی لطف علی بیگ، صاحب آتش کدہ آذر نے ناصر کو شعرائے اصفہان میں شمار کیا ہی، کیونکہ اس تذکرے کی ترتیب شعراء کے محل ولادت اور مستقر پر کی گئی ہی دولت شاہ کا بھی یہی قول ہی کہ "اصل او از اصفہان است"، خواجہ حالی[۲] مقدمۂ سفرنامہ میں لکھتے ہیں۔

تذکرہ نویساں، اصل حکیم را، از اصفہان معلوم داشتہ اند، اما ہیچ دلیل کہ مفید خبرم باشد ذکر نہ کردہ بل بملاحظات

---

[۱] آثار البلاد و تذکرہ ناصر مطبوعہ یورپ۔ [۲] مقدمہ سفرنامہ صفحہ ۳ مطبوعہ دہلی ۱۸۸۲ء

چندمی توان گفت کہ او را اباً عن جدّ باصفہان و دیگر بلاد از
عراق عجم و پارس ہیچ تعلقے نہ بودہ و اسلاف و بزرگان او از
عہد مامون الرشید ابن رشید یا بہ عبارت دیگر از زمان
امام علی ابن موسیٰ الرضا کہ جد ہشتم ناصر خسرو بودہ ہمیں
درصفحات خراسان سکنی داشتہ''

خواجہ صاحب کی تحقیقات صحیح ہے۔ جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ
جب ناصر حج کے بعد داخل بلخ ہوا ہے تو وہ بصرہ اور اصفہان کے راستے
سے آیا تھا اور صرف ۲۰ یوم اصفہان میں قیام کیا تھا۔ اور اشارتاً و
کنایتاً بھی ذکر نہیں کیا ہے کہ اصفہان میرے بزرگوں کا وطن تھا۔ لہذا
یہ روایت قابل تسلیم نہیں ہے۔

اصفہان کے بعد بیان کیا جاتا ہے کہ ناصر کا وطن بلخ تھا یہ قرین
صحت ہے کیونکہ بلخ کیانیوں کے زمانۂ حکومت میں خراسان کا زمانۂ دراز
تک دارالحکومت رہا ہے۔ اور ناصر کے زمانے تک صوبۂ خراسان میں بلخ
ایک آباد شہر تھا اور ناصر کے بلخی ہونے پر اس کا یہ شعر سنداً کافی ہے۔

اے باد عصر گر گزری بر دیار بلخ — بگذر بخانۂ من و آنجا بجوئی حال

شعر میں اگرچہ دیار بلخ ہے مگر دیوان کے متعدد اشعار میں وہ خراسان
کے ساتھ بلخ کو بھی عالم غربت میں بار بار یاد کرتا ہے۔ لہذا بلخ سے بلدہ
بلخ ہی مقصود ہے اور دوسرے مصرع میں "خانۂ من" ایسا لفظ واقع ہوا ہے
جس کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی ہے۔ لہذا ناصر بلخ میں پیدا ہوا۔ اور یہی
شہر اس کے بزرگوں کا وطن تھا۔ اصفہان و بلخ کے بعد ایک تیسرا مقام
قبادیان ہے۔ جس کو علمائے یورپ ناصر کا وطن قرار دیتے ہیں اور

اُن کا استدلال سفرنامے کی اس عبارت[1] پر ہے

"چنین گوید ابومعین الدین ناصر خسرو القبادیانی المروزی تاب اللہ علیہ"

لیکن قبادیان یا مَرو کے بعد متوطن یا مسقط الرّاس کے الفاظ موجود نہیں ہیں جس کی بنا پر یہ دعویٰ ہو سکے کہ قبادیان ناصر کا مستقل وطن تھا

واقعہ یہ ہے کہ سلجوقیوں کی حکومت کا آغاز ہوا تو خراسان کے باشندے بلخ وغیرہ سے سمٹ کر دارالسلطنۃ مرو (کلان) کے اطراف میں آباد ہونا شروع ہوئے اور ناصر کا خاندان بھی اسی زمانے سے قبادیان میں آباد ہوا ہوگا کیونکہ ناصر کی ابتدائی ملازمت بھی طغرل بک سلجوقی[2] کے عہد سے شروع ہوتی ہے، جس کا مرکز حکومت مرو (شاہ جان) تھا اب صرف یہ امر تحقیق طلب ہے کہ قبادیان کہاں تھا اور مَرو سے اس کو کیا نسبت تھی؟

قبادیان کی تحقیقات

ناصر نے اپنے دیوان میں کسی جگہ قبادیان کا نام نہیں لیا ہے بلکہ متعدد اشعار میں خراسان، بلخ اور یمکان (مضافات بدخشان) کو یاد کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ قبادیان اس کا وطن نہ تھا اور یہاں اس کے بزرگوں کا قیام محض خارجی اسباب سے تھا۔

اب وہ اشعار نقل کیے جاتے ہیں جس پر میرا استدلال ہے اس کے

---

[1] سفرنامہ مطبوعۂ برلن صفحہ ۲

[2] دقاق ایک تاتاری سردار تھا۔ جس کا بیٹا سلجوق تھا اور اسی نام کی نسبت سے حکومت سلجوقیہ کہلائی سلجوق مذکور کا بیٹا میکائیل تھا، جس کے دو نامور بیٹے طغرل بک اور جغری بک تھے، جو بانیٔ حکومت سلجوقیہ ہوئے اور محمود غزنوی کی رحلت (۴۲۱ھ / ۱۰۳۰ء) پر صوبۂ خراسان پر قابض ہو گیے۔ ناصر کے عالم شباب میں جغری بک خراسان کا گورنر تھا جس کا دارالحکومت

بعد قبادیان پر بحث کی جائے گی۔ اول[1] اشعار ذیل ملاحظہ ہوں۔

گشتن این گنبد نیلوفری | گر نہ ہمی خواہد گشت اسپری
گرچہ مرا اصل خراسانی است | از پس پیری و مہی و سری
دوستی عترت و خانہ رسول | کرد مرا یمگی و ماژندری

اشعار مندرجۂ بالا سے واضح ہوا کہ ناصر خراسانی الاصل ہے اور خراسان عراق عجم کا ایک بڑا صوبہ ہے۔ جس کا مشہور شہر بلخ ہے۔ اور وہی ناصر کا وطن ہے۔ سفر نامہ اور دیوان ناصر کی ورق گردانی سے یہ ثابت ہوا کہ واپسی حج کے بعد وہ پھر بلخ میں سکونت پزیر ہوا تھا۔

لیکن جب اس کے عقاید کی شہرت ہوئی[2] تو سپاہ ابو حنیفہ (علمائے احناف) کے خوف سے بلخ چھوڑکر بدخشاں چلا گیا۔ اور ایک پہاڑی موضع میں جس کا نام یمکان تھا گوشہ نشین ہو گیا۔ سنداً اشعار ذیل ملاحظہ[3] ہوں۔

سلام کن زمن اے باد مر خراساں را | مر اہل فضل و خرد را نہ عام و ناداں را
خاکِ خراساں کہ بود جائے ادب | معدن دیواں کس اکنوں شد
حکمت را خانہ بود بلخ وکنوں! | خانۂ دیراں زبخت واژوں شد

صوبۂ خراسان کا مشہور شہر مرو بھی ہے اور چونکہ مرو کے نام سے اس وقت دو آبادیاں تھیں۔ لہٰذا فرق امتیاز کے لیے جو دارالسلطنۃ تھا اس کا نام مرو شاہ جان ہے۔ جس کو ناصر خسرو ہر جگہ صرف مرو لکھتا ہے یہ مرو کلاں کہلاتا تھا اور چھوٹا مرو جغرافیوں میں مروالرود کے نام[4]

---

[1] دیوان ناصر صفحہ ۲۹۱۔ [2] از بیم سپاہ بوحنیفہ بیچارہ و ماندہ در حصارم" دیوان صفحہ ۱۹۶ [3] دیوان صفحہ ۷، ۲۔ [4] تفصیل نوٹ میں ملاحظہ کیجیے۔

سے مشہور ہی۔ ناظرین کو یہ فرق یاد رکھنا چاہیے۔ اب **قبادیان کی تشریح** کی جاتی ہی۔ نامور پروفیسر ایڈورڈ براؤن کی یہ تحقیقات ہی کہ قبادیان دریائے ترمذ اور نہرِ جیحون کے متصل ایک شہر تھا اور یہاں چھاؤنی بھی تھی۔ اور ناصر کی ولادت بھی قبادیان کی ہی۔[1]"

عہدِ سلاجقہ میں قبادیان کا فوجی چھاؤنی ہونا قرین قیاس ہی اور یہ بھی صحیح ہی کہ قبادیان ترمذ اور نہرِ جیحوں کے متصل آباد تھا (ملاحظہ ہو نقشہ صوبۂ خراسان) اور مرو شاہ جان سے قبادیان کا زیادہ فاصلہ تھا۔ عرصہ ہوا کہ قبادیان فنا ہوچکا ہی اور چونکہ یہ قصبہ یا موضع دار السلطنۃ مرو کے مضافات میں تھا، بدیں وجہ ناصر نے "قبادیانی المروزی" لکھا ہی ورنہ حقیقت میں قبادیان اس کا وطن نہیں ہی بلکہ ایک ہنگامی مستقر تھا اور انسائیکلوپیڈیا میں قبادیان کو متصل بلخ لکھا ہی۔

۵۔ ولادت

ناصر کے سنہ ولادت میں بھی بے انتہا اختلاف ہی اور ہر تذکرہ نگار و مورخ نے مختلف سنین لکھے ہیں لیکن دیوان ناصر[2] میں حسب ذیل قصیدے کے تحت میں سنہ ولادت کی تشریح موجود ہی۔

اے خواندہ بسے علم و جہاں گشتہ سراسر	تو بر زمی و از برت این چرخ[3] مدور
بگذشت ز ہجرت پس[4] سہ صد نود و چار	بنہاد مرا مادر بر مرکز اغبر

۳۹۴ھ
۱۰۰۳ء

---

[1] تاریخ ادبیات ایران جلد ۲ حالات ناصر خسرو۔ [2] دیوان صفحہ ۱۳۳
[3] دیوان صفحہ ۱۳۴۔ [4] ناصر خسرو کی ولادت ماہ ذی قعدہ ۳۹۴ھ میں

چنانچہ مستشرقین یورپ نے اس سند پر ناصر خسرو کا سنہ ولادت سنہ ۳۹۴ھ / ۱۰۰۴ء صحیح قرار دیا ہے۔ لہٰذا تذکروں کی روایت پر تنقید فضول ہے اور مزید اطمینان کے لیے اب ہم دوسرے طریقے سے سنہ ولادت کی تحقیق کرتے ہیں۔

ناصر ۶ رجمادی الثانی سنہ ۴۳۷ھ / ۱۰۴۵ء میں جب بعزم سفر مکہ معظمہ روانہ ہوا ہے۔ تو چند روز قبل اس نے ایک خواب دیکھا تھا جو حج کا باعث ہوا چنانچہ جب صبح کو اٹھا ہے تو رات کا سماں پیش نظر تھا۔ اس واقعے کے بعد یہ جملہ لکھا ہے۔

"باخود گفتم کہ از خواب دوشین بیدار شدم باید کہ از خواب چہل[۴۲] سالہ نیز بیدار گردم"

اور قصیدۂ مذکور میں سنہ ولادت کے بعد یہ شعر بھی موجود ہے۔

پیمودہ شد از گنبد بر من چہل و دو[۴۲] — جویائے خرد گشت مرا نفس سخنور

ان اسناد کے مطابق ناصر خسرو کا سنہ ولادت بحساب ماہ و سنہ قمری صحیح ہے اور روانگی سفر کے وقت اس کی عمر ۴۲ سال کی تھی لہٰذا اب مزید تحقیقات کی ضرورت باقی نہیں ہے۔

۶۔ عہد طفولیت و تعلیم و تربیت

اس وقت میرے سامنے ناصر کے عام حالات میں تین تذکرے یعنی آتش کدۂ آذر، دولت شاہ سمرقندی اور مجمع الفصحا، موجود ہیں اور وہ رسالہ بھی پیش نظر ہے، جو ناصر کے نام سے موسوم ہے۔

ان چاروں کتابوں میں بادنیٰ تغیر الفاظ حالات میں کچھ فرق نہیں ہے۔ لہٰذا یہ ابتدائی حالات انھیں تذکروں سے ماخوذ ہیں البتہ

بقدر امکان یہ کوشش کی جائے گی کہ ناصر ہی کی تصنیفات سے واقعات مندرجہ کی تنقید کی جائے کیونکہ اس کے علاوہ مزید صحت کا کوئی اور ذریعہ بھی نہیں ہے۔

انسان کی ولادت کے بعد فطرت جس ترتیب سے انسان کو پرورش کرتی ہے۔ ناصر کے الفاظ میں اس کی تشریح یہ ہے۔ ؎

۱۔ بگزشت ز ہجرت پس سہ صد نود و چار	بنہاد مرا مادر بر مرکز اغبر
۲۔ بالندۂ بے دانش ، مانند نباتے	کز خاک سیہ زاید و ز آب مقطر
۳۔ از حال نباتی برسیدم بستوری	یک چند ہمی بودم چوں مرغک بے پر
۴۔ در حال چہارم اثر مردمی آمد	چوں ناطقہ رہ یافت دریں جسم مکدر

مدارج اربعہ کے بعد جب نفس ناطقہ میں ادراک کا مادہ پیدا ہو گیا تو چھٹے سال میں ناصر کی مکتب نشینی ہوئی اور نو سال کی عمر میں حافظ قرآن ہو گیا اور پانچ سال کی محنت میں علم لغت، صرف و نحو، عروض و قافیہ اور حساب و سیاق حاصل کیا۔

تحصیل مبادیات کے بعد تین سال میں نجوم، ہیئت، رمل، اقلیدس، اور مجسطی کی تکمیل ہوئی۔ جب عمر کی سترہ منزلیں طے ہو گئیں تو علم ادب، فقہ، تفسیر اور حدیث کا درس شروع ہوا۔ اور اسی سلسلے میں امام محمد شیبانی کی کتاب جامع کبیر اور سیر کبیر بھی ختم ہوئی اور قرآن کی تکمیل کے لیے تقریباً تین سو تفسیریں پڑھیں ان میں کچھ تو داخل نصاب تھیں اور بقیہ کا بطور خود مطالعہ کیا۔ تفسیر اور علوم القرآن کے بعد

فلسفۂ یونان کو پڑھا چنانچہ پندرہ سال میں اس نصاب کی تکمیل ہوئی اور عالم شباب تک بلخ میں رہا۔ عربی کے علاوہ وہ ترکی، یونانی، عبرانی اور (ہندوستانی (سندھی) زبان بھی جانتا تھا اور فارسی مادری زبان تھی اور عبرانی کی تصدیق سفرنامے سے ہوتی ہے۔

حالات طبریہ میں لکھتا ہے کہ "در آنجا جانب غربی کوہیست برآں کوہ پارۂ سنگ خارا است و بخط عبری بر آنجا نوشتہ اند کہ بوقت آن کتابت ثریا بسر حمل بود"[1]

جب ناصر کی عمر ۴۲ سال ہوگئی اس وقت توراۃ، زبور اور انجیل کو یہودی علماء سے پڑھا، اس کے بعد بطور خود ہر سہ کتب کو کامل چھ سال تک محققانہ اور مناظرانہ حیثیت سے دیکھا۔ اس کے بعد منطق الٰہی و طبعی (مصنفۂ حکیم جاماسپ) طب اور ریاضیات کو ختم کیا اور سب سے آخر میں تصوف روحانیات علم تسخیر اور طلسمات کو حاصل کیا جس کے ماہر بابل میں موجود تھے اور تقریباً چوالیس[2] سال کی عمر میں ناصر خسرو ایک عدیم النظیر حکیم، فلسفی عالم مناظر اور شاعر بن گیا اور یہ جملہ علوم بلخ و بخارا عراق اور اضلاع خراسان میں حاصل کیے جس کی تردید نہیں ہو سکتی ہے۔ جہاں ہر علم و فن کے باکمال علماء و حکماء موجود تھے اور علمائے یہود[1] و نصاریٰ نے ناصر سے اپنی مذہبی کتابیں پڑھی تھیں۔ ناصر نے خود جن علوم و فنون کے ماہر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ سنداً اشعار ذیل ملاحظہ فرمایئے جو دیوان مطبوعہ طہران[2] سے انتخاب کیے گیے ہیں۔

---

[1] از مقدمہ سفرنامہ خواجہ حالی۔

[2] دیوان مطبوعہ طہران صفحات ۲۲۲-۲۶-۱۳-۱۴۸-۶۶-۲۳۷-۵-

۱۔حفظ قرآن ÷ چرا خوانم چو فرقاں کردم از بر۔بجائے ختم فرقاں مدح دہقاں

۲۔ادبیات وحساب۔

ورتراازمن براین دعوی گوا باید گوا ہست | مر مرا ہم شعر و ہم علم حساب و ہم ادب

۳۔علوم القرآن وخطبات۔

مونس جان و دل من چیست تسبیح و قرآن | خاک پائے خاطر من چیست ؟ اشعار و خطب

۴۔علم ہندسہ۔

جہاں را دیدہ و آزمودی! | شنیدی گفتۂ تازی و دہقاں

بعلم ہندسہ سر بر کشیدی | بسند و ہند و اطراف خراساں

۵۔فارسی عربی شاعری۔

بخواں ہر دو دیوان من تا ببینی | یکے گشتہ باعنصری، بحتری را

نظام سخن از خداوند گیہاں | دل عنصری داد و طبع جریرم

اشعار بہ پارسی و تازی! | برخوان و بدار یادگارم

شعر من بر علم من برہان بس است | جان فزائے صاف چوں آب زلال

۶۔فنون حکمت۔

کسے کو با من اندر علم و حکمت ہمسری جوید | ہمی خواہد کہ گل بر آفتاب روشن اندآید

۷۔معقولات۔ معقولات وفلسفہ[۱] میں ناصر خسرو بلاشبہ دوسرا ابوعلی سیناہے۔

زتصنیفات من زاد المسافر | کہ معقولات را اصل است قانوں

اگر بر خاک افلاطون بخوانند | ثنا خواند مرا خاک فلاطوں

---

[۱] فلاسفہ یونان میں ناصر، سقراط،[۲] افلاطون اور ارسطو کے فلسفے کا بہت شایق تھا اور ان حکما کی تصانیف زیر مطالعہ رہا کرتی تھیں۔کیونکہ وہ یونانی زبان سے واقف تھا۔

[۲] تصنیفات کے ذیل میں فلسفے پر ریویو کیا جائیگا۔

٨ - اقلیدس

ور[١] اقلیدس بپنجم شکل ماموں! — دگر دیدی مرا عاجز بگشتے

فضل و کمال پر فخریہ اشعار لکھنا شعرائے عجم کا خاصہ ہے لیکن ناصر نے جو کچھ لکھا ہے بلا مبالغہ وہ ایک واقعہ ہے اور جامعیت علوم و فنون میں ناصر کا یہ مرتبہ ہے کہ اس کی مسند فلکِ اول پر بچھائی جائے جیسا کہ وہ خود بلند آہنگی سے دعویٰ کرتا ہے۔

گر بر قیاس فضل بگشتے مدار دہر — جز بر مقر ماہ نبودے مقر مرا

(دیوان صفحہ ۵)

دینیات خصوصاً تفسیر القرآن میں ناصر نے جو موشگافیاں کی ہیں[٢] اس پر ایک جداگانہ مقالہ لکھا گیا ہے۔ ۳۲ سال تک تکمیل علوم میں مصروف رہا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا باپ خسرو دولتمند ہوگا جس کے زیر سایہ ناصر اطمینان سے درس میں مشغول رہا لیکن کسی مورخ نے مفصل نہیں لکھا ہے۔ لیکن وہ خود لکھتا ہے کہ "میں جس گھوڑے پر سوار ہوتا تھا، اس کی چال سے ہرن شرمندہ تھا! اور زین کا نمدہ ایسا رنگین تھا، جس کے سامنے طاؤس کے نقش و نگار بھی کچھ حقیقت نہ رکھتے تھے۔

آہو خجل ز مرکب[٣] رہوارم — طاؤس ششت پیش نمد زینم

یقینی یہ دولتمندی کا اثر تھا اور شراب نوشی بھی لوازمہ امارت تھی اور واقعہ یہ ہے۔ کہ دورِ طفلی کی طرح جوانی کا وہ حصہ جو ملازمت میں گزرا، سراپا عیش وطرب تھا اور عالم شباب ہی میں سلاطینِ غزنویہ کے درباروں کو بھی دیکھا

---

[١] اقلیدس کے مقالہ اول میں جو پانچویں شکل ہے اس کا نام ماموئی ہے۔ کیونکہ خلیفہ مامون الرشید عباسی کو یہ شکل اس قدر پسند تھی کہ پیالوں پر منقش کرائی تھی (از شرح تحریر)

[٢] ملاحظہ ہو ریویو کتاب وجہ دین۔ [٣] دیوان صفحہ ۱۹۱

ہوگا سفرنامے[1] میں لکھتا ہے کہ۔

"من بارگاہِ ملوک و سلاطین عجم دیدہ بودم چوں سلطان محمود
دلپسرش مسعود ایشاں بادشاہانِ بزرگ بودند بانعمت وتجمل
بسیار، اکنوں می خواہم کہ مجلس امیر المومنین (مستنصر باللہ فاطمی)
راہم ببینم"

غزنویہ کے بعد سلجوقی دربار دیکھے چنانچہ جغری بیگ سلجوقی ناصر کی بڑی عزت کرتا تھا۔ سلاطین کے علاوہ امرا، وزرا بھی ناصر کا احترام کرتے تھے اور یہ عزت فضل وکمال کی بنا پر تھی، اب سنداً اشعار ذیل ملاحظہ فرمایئے

عزّو نازو ایمنی دنیا بسے دیدم کنوں
رنج و بیم و سختی اندر دیں بہ بینم یک بُدب

یک چند بیش گاہ ہمی دیدی | در مجلس ملوک (اندک) سلاطینم
ہماں ناصرم من کہ خالی نہ بود | ز من مجلس میر و صدر و وزیر
بسے دیدم اعزّ از واجلا لہا | ز خواجہ جلیل و وزیر اجل

لیکن ناصر نے اپنی زندگی میں جو سب سے بڑا شاہانہ دربار دیکھا وہ قاہرہ میں امیر المومنیں مستنصر باللہ فاطمی کا دربار تھا اور بعد میں ناصر کو خلیفہ کی بیعت کا بھی شرف حاصل ہوا جس کی تفصیل انشاء اللہ آیندہ ہوگی

۵۔ عاشقانہ زندگی

طالب علمانہ زندگی کے بعد ناصر بمقتضائے عالم شباب حُسن وعشق کے جال میں بھی گرفتار ہو گیا تھا چنانچہ اپنی زندگی کے اس واقعے کا خود ہی اظہار کرتا ہے۔

---

[1] سفرنامہ حالات دعوت مستنصر باللہ مطبوعہ دہلی صفحہ ۸۸۔

گاہے ز درد عشق پس خوب چہر گاں — گاہے زحرص مال پس کیمیا شدم
نے باک داشتم کہ ہمی عمر شد بباد — نے شرم داشتم کہ ہمی زی خطا شدم
وقت خزاں ببادِ رزاں شد دلم فراخ — وقت بہار شاد لب سبزہ گیا شدم

(دیوان صفحہ ۱۹۲)

۶۔ کیمیا کا شوق ناصر خود ایک بڑا طبیب اور حکیم تھا لیکن پھر بھی دولت کے لالچ سے کیمیا کی تلاش کرنا فطرت انسانی کے خلاف نہیں ہے اور یہ اس کی ایمانداری ہے کہ اس نے اپنی زندگی کے کسی راز کو مخفی نہیں رکھا۔

۷۔ ناصر خسرو کی شاہی ملازمت کسی تذکرے میں ناصر کی ملازمت کے حالات درج نہیں ہیں لیکن آغاز سفر نامہ میں چند سطریں بطور تمہید ہیں اُن سے معلوم ہوا کہ طالب علمی کے ختم ہونے کے بعد ہی وہ مرو کے دارالانشاء میں بعہدہ مستوفی الملک مقرر[1] ہو گیا تھا۔ اس عہد میں مرو چغری بک داؤد سلجوقی گورنر خراسان کا دارالحکومت تھا۔ سفر نامے کی یہ عبارت ملاحظہ ہو[2]۔

"من مردے دبیر پیشہ بودم و از جملہ متصرفان در اموال و اعمال سلطانی و بکارہائے دیوانی رمال، مشغول بودم و مدتے دراں شغل مباشرت نمودہ درمیان افران شہرتے یافتہ بودم۔"

گورنمنٹ ہند اور ریاستوں میں آپ نے دیکھا ہو گا کہ اکاؤنٹنٹ جنرل مہتم

---

[1] انسائیکلوپیڈیا میں فنانشیل یا ریونیو سکریٹری لکھا ہے۔ [2] سفر نامہ مطبوعہ برلن صفحہ ۲

محاسبی، کے اختیارات کس قدر وسیع ہوتے ہیں اور ملک محروسہ کے محاصل ومخارج وتقسیم مشاہرات کا وہی نگراں ہوتا ہے۔ بدیں وجہ ہر شعبے کے عمال اس کا احترام کرتے ہیں اور ناصر جو اپنے ہمعصروں میں ممتاز اور مشہور تھا اس کا بھی یہی باعث تھا۔

اِس عبارت کے بعد ناصر لکھتا ہے کہ وہ مرو سے جوزجانان گیا اور سیاق عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدمت محاسبی سے وہ تعلقہ دار (ناظم) ہوکر جوزجانان گیا تھا اور ایک ماہ تک وہاں مقیم رہا چنانچہ اسی زمانے میں اس نے ایک خواب دیکھا۔ جس کا یہ مضمون تھا۔

شراب پیوستہ خوردمے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم می فرمایند
قولوالحق وَلو علیٰ اَنفُسِکُم "شبے درخواب دیدم کہ یکے میگفت
چند خواہی خوردازیں شراب کہ خرد از مردم زایل کند اگر بہوش
باشی بہتر۔ من جواب گفتم حکمارجزایں چیزے نتوانستند ساخت کہ
اندوہ دنیا کم کند جواب داد کہ دربیخودی وبیہوشی راحتے نباشد حکیم
نتواں گفت کسے را کہ مردم را بہ بے ہوشی رہنموں باشد بلکہ
چیزے باید طلبید کہ خرد وہوش را بیافزاید گفتم کہ من ایں را
ازکجا آرم گفت "جوینده یابنده باشد،" ویس سوئے قبلہ اشارت
کرد و دیگر سخن نگفت،،

یہی وہ مبارک خواب تھا جس نے ناصر کی چہل[۲] سالہ زندگی میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا۔ وہ دنیا سے بھی بیزار ہوگیا اور فرشتہ غیب کی ہدایت پر شراب نوشی بھی ترک کر دی اور حج کا مصمم ارادہ کرلیا

اور اسی وقت سے اس کے خیالات حکیمانہ ہو گئے اور چونکہ وہ جوزجانان کا حاکم مال تھا لہذا دفتر گورنری میں حاضر ہو کر خدمت متعلقہ سے[1] استعفا دیدیا اور تحت ضابطہ جمع خرچ بھی سمجھا دیا۔ چنانچہ خود لکھتا ہے[2]۔

پس بہ سر ور رفتم واز آن شغل کہ بعہدۂ من بود معاف خواستم و گفتم کہ مرا عزم سفر قبلہ است پس حسابے کہ بود جواب گفتم۔"

ناصر کے بچپن اور جوانی کی یہ مختصر داستان ہے جو پیش کردی گئی لیکن اس کے قلمی اور مطبوعہ تصنیفات پڑھنے سے واضح ہوا کہ ناصر کی زندگی (ج کے زمانے سے) تین حصوں پر تقسیم ہو سکتی ہے۔

(الف) ناصر ایک کامیاب اور دوسرا عجمی سیّاح تھا جس نے ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد الفارسی الاصطخری کے بعد عرب اور ہندستان وغیرہ کی سیاحت کی اور نئے اسلوب سے سیاحت نامہ لکھا۔

(ب) ناصر خسرو اپنے زمانے کا ایک بہترین فلسفی شاعر تھا۔

(ج) ناصر خسرو خلفائے فاطمین مصر کا ایک داعی الدعاۃ (نائب امام یا حجّت تھا) جس کو صوبۂ خراسان میں مذہب فاطمیہ کی تبلیغ سپرد کی گئی تھی چنانچہ اس تقسیم کے مطابق اب میں ناصر کے تفصیلی حالات لکھتا ہوں اور ان مضامین کا ماخذ حتی الوسع۔ اس کی تصنیفات ہی ہونگی

---

[1] فلاسفۂ اسلام میں سب سے اول حکیم ابو علی سینا نے شاہان آل بویہ کی وزارت اختیار کی اور دنیاوی حیثیت سے بڑا اقتدار حاصل کیا چنانچہ ناصر نے بھی ابو علی کی تقلید میں ملازمت اختیار کی اور یہی وجہ ہے وہ خدمت دفتر انشا (دبیری) کی مدح میں لکھتا ہے۔

این دبیری رساندت بہ نعیم	این دبیری رہاندت ز سعیر
زین دبیری مباش غافل ہیچ	پند پیرانہ از پدر بہ پذیر

(از روضۃ الصفا تذکرۂ ناصر و دیوان صفحہ ۱۲۳)

[2] سفرنامہ مطبوعۂ برلن صفحہ ۴۔

جو بلحاظ صحت ایک بہترین طریقۂ استدلال ہے۔ اور اگر تذکروں پر اکتفا کیا جاتا تو ناصر کی سوانح عمری غیر مکمل رہ جاتی چنانچہ خواجہ حالی کا یہ ارشاد بالکل صحیح ہے کہ :-

"مورخان و تذکرہ نگاراں در شرحِ احوالش راہِ تحقیق ناسپردہ و سرہ از ناسرہ باز ندانستہ پردہ ہائے تو بر تو بر چہرۂ مقصود فروہشتہ اند۔ و اگر ایں سفرنامہ و پارۂ از دیوانِ اشعارش بدست نیفتادے، چارہ نبود از انکہ ما نیز بدنبال ایشاں رویم و راہ از بیراہہ باز نشناسیم"

٣۔ ناصرِ خسرو سیّاح

١۔ سیّاحانِ عجم و عرب

قرآن حکیم میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ "سِیرُوا فی الارض" اور مُحدثین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت (از مکہ تا یثرب) کو بھی اسی حکم کے تحت میں سیاحت سے تعبیر کیا ہے۔ لہٰذا اقصائے عالم کی سیر، قوموں کی حالات کو غور و فکر سے دیکھنا اور مناظر قدرت سے نظر کو سیراب کرنا، یہ ایک اسلامی فرض ہے۔

برگِ درختانِ سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

چینی مسلمانوں میں دوسری صدی ہجری سے سیاحت کا آغاز ہو چکا[1] تھا اور ممالک عجم میں سب سے پہلے ابو اسحٰق اصطخری (٣٤٠ھ / ٩٥١ء) میں سفر کو نکلا تھا۔ اور عربوں میں اصطخری سے نو سال قبل ابو القاسم ابن حوقل (٣٣١ھ / ٩٤١ء) میں اور اس کے بعد ابو البنار بشاری مقدسی (٣٧٥ھ / ٩٨٥ء) میں عرب و عجم کی سیاحت کو روانہ ہو چکے تھے اور یہ سلسلہ صدیوں تک جاری رہا چنانچہ زمانۂ مابعد کے سیاحوں میں ابن جبیر متوفی (٦١٤ھ / ١٢١٧ء) اور ابن بطوطہ متوفی (٧٧٩ھ / ١٣٧٧ء) کے سفر نامے آج تک ذوق و شوق سے پڑھے جاتے ہیں اور یہی قدیم سیاحت نامے ہیں

---

[1] صوفیائے کرام میں ابراہیم بن ادہم جنید بغدادی، سری سقطی، بشر حافی، محی الدین اعرابی ذوالنون مصری اور تابعین میں حضرت اویس قرنی ائمہ میں امام بخاری اور امام غزالی نے سیاحت کی تھی۔

جو سیاحان یورپ کے لیے شمع ہدایت بنے اور جغرافیۂ عالم کی تکمیل کا باعث ہوئے۔ اور یونانیوں کی جغرافی غلطیوں کی اصلاح کا آغاز ہوا۔ چوتھی صدی ہجری کے ۳۶ سال بعد حکیم ناصر خسرو یوم پنجشنبہ ۶ رجمادی الآخر ۴۳۷ھ (۱۹ر دسمبر ۱۰۴۵ء میں) مرو (شاہ جان) سے سیاحت کے لیے روانہ ہوا اور ۷ سال کے بعد ۲۲۲۰ فرسنگ (۶۶۶۰ میل) کی مسافت طے کر کے بتاریخ ۲۶ رجمادی الآخر ۴۴۴ھ جمعہ (۲۳ ر اکتوبر ۱۰۵۲ء) کو اپنے عزیز وطن بلخ میں داخل ہو کر سجدۂ شکر ادا کیا کہ مہلکات سے محفوظ رہ کر زندہ سلامت اپنے گھر پہنچ گیا۔

فارسی زبان کے سفر ناموں میں صرف ناصر خسرو کا سفر نامہ (بلحاظ قدامت و خصوصیات) یادگار ہے۔

دیوان ناصر کے مطالعے سے ظاہر ہے کہ عالم شباب ہی سے اس کے خیالات میں تبدیلی ہو چلی تھی چنانچہ ۳۰ سال کی عمر میں جب وہ طالب علم تھا اپنے نفس کو بیداری کی ہدایت کرتا ہے[1]

سال سی خفتی کنوں بیدار شو!
گر نہ خفتی خواب اصحاب الرقیم۔
(اصحاب کہف)

اور چالیس سال کی عمر تک وہ انھیں خیالات میں ڈوبا رہا۔

---

[1] یہ سیاحت بلخ سے مصر، اور مصر سے مکۂ معظمہ اور بصرہ سے فارس ہوتے ہوئے واپسی بلخ کی ہے جو شارع عام سے حساب کی گئی ہے اور پگڈنڈی راستوں سے جو مشاہد مقدس کو گیا ہے۔ وہ مسافت اس میں شامل نہیں ہے۔

بیدار[۱] شو از خواب خوش ای خفتۂ چہل سال
بنگر کہ ز یارانت نماند ند کس ایدر
(ایں جا)

پھر دو سال کے بعد بصراحت کہتا ہو کہ۔

پیمودہ[۲] شد از گنبد بر من چہل و دو
جویائے خرد گشت مرا نفس سخنور
(نفس ناطقہ)

اور اخیر میں جب ضبط کی طاقت نہ رہی تو ۴۳ سال کی عمر میں حج اور زیارت مقامات مقدسہ کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

سفرنامے میں صراحت ہو کہ ترکِ ملازمت کے بعد جس قدر سرمایہ تھا وہ مرو میں چھوڑ کر اور بقدر ضرورت ہمراہ لیکر روانہ ہو گیا تھا۔

اِس سفر میں ناصر کا چھوٹا بھائی خواجہ ابوسعید اور ایک ہندستانی غلام[۳] ہمراہ تھا اور گھر سے نکلتے وقت ناصر کی زبان پر یہ شعر تھا۔

برخاستم از جائے و سفر پیش گرفتم
نے خانم یاد آمد و نے گلشن و منظر[۴]
(خانہ ام) (پارک)

۱-۲-۳ ملاحظہ ہوں صفحات دیوان۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔

۴ ۔ اس عہد میں ہندوستانی غلاموں کی ممالک ایران میں کثرت تھی یمین الملت محمود غزنوی ہندوستان سے جو مال غنیمت لے گیا تھا اس میں غلام اس افراط سے تھے کہ ایک کمسن غلام ۴ سے ۵ تک نیلام ہوتا تھا۔

۵ مرو میں ناصر کا ایک مکان اور باغ بھی تھا جس کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا گیا ہو۔
(انسائیکلوپیڈیا برطانیکا)

اس تمہید کے بعد اب گوشوارہ سیر و سیاحت کا لکھا جاتا ہے جس سے دیار و امصا میں نقل و حرکت کا اندازہ ہو گا۔

۴۔ طریق المدارج

یعنی

منازل سفر ناصرِ خسرو

١۔ پہلا سال ۴۳۷ھ	پنجشنبہ ۶ رجمادی الآخر ۴۳۷ھ ہجری (۱۹ دسمبر ۱۰۴۵ء) میں ناصر خسرو مرو سے روانہ ہو کر اضلاع خراسان سے گزرتا ہوا اخیر ذی الحجہ ۴۳۷ھ میں داخل قزوین ہوا۔ یہ سیاحت چھ مہینے اور چوبیس یوم کی تھی۔
۲۔ دوسرا سال ۴۳۸ھ	۱۲ محرم (جولائی ۱۰۴۶ء) کو قزوین سے روانہ ہو کر براہ طبرستان و دیلم۔ تبریز (حدود آذر بائجان و آرمینیا) ارزن میافارقین آمد، حران، قرویی، سروج ہوتا ہوا فرات عبور کر کے منبج میں داخل ہوا۔ یہ شام کا پہلا شہر تھا۔ بعد ازاں منبج سے حلب، طرابلس، سرمین معرۃ النعمان حماۃ، حمص، طرابرزن، جبیل کی سیر کرتا ہوا بحر الروم کے راستے سے بیروت، صور، صیدا، اور عکہ کی زیارت سے فارغ ہو کر براہِ حیفا اور رملہ بتاریخ ۵ رمضان المبارک ۴۳۸ھ (۲۷ مارچ

	۱۰۴۷ء) بیت المقدس (فلسطین) پہنچ گیا۔ یہ مسافت ۷ ماہ اور ۲۲ یوم میں طے ہوئی۔ اور زمانۂ قیام میں جملہ مقامات مقدسہ کو دیکھ کر عمارات کے تفصیلی حالات درج روزنامچہ کیے ۱۵ ذیقعد کو براہ ارغ و وادی ابقری بیت المقدس سے حج کو روانہ ہوا اور ۸ ذی الحجہ کو مکۂ معظمہ میں داخل ہو گیا۔ اور دوشنبہ کو حج سے فارغ ہو کر ۱۳ ذی الحجہ ۴۳۸ھ کو براہ شام بیت المقدس واپس گیا۔ ناصر کا یہ پہلا حج تھا۔
۳۔ تیسرا سال ۴۳۹ھ	۵ محرم ۴۳۹ھ (جون ۱۰۴۷ء) کو ناصر خسرو بیت المقدس میں داخل ہوا اور دو ماہ کے قیام کے بعد براہ رملہ و عسقلان بندرگاہ صالحیہ (مصر) سے جزیرۂ تنیس عبور کر کے یکشنبہ ۷ صفر ۴۳۹ھ کو قاہرہ پہنچ گیا۔ اور نو ماہ قیام کر کے تفصیل سے قاہرہ کے حالات لکھے بعد ازاں غرۂ ذی قعدہ کو براہ بحر قلزم، بندرگاہ جار سے مدینۂ منورہ گیا اور مدینے سے روانہ ہو کر یکشنبہ ۶ ذی الحجہ ۴۳۹ھ کو مکۂ معظمہ آیا۔ یہ دوسرا حج تھا، اور حج کے بعد پھر قاہرہ واپس گیا۔
۴۔ ۵۔ چوتھا اور پانچواں سال ۴۴۰ھ۔ ۴۴۱ھ	قاہرہ میں تقریباً دو سال قیام کیا، کیونکہ اس سیاحت کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ امیر المومنین مستنصر باللہ فاطمی سے مذہبی مسایل حل کیے جائیں۔ چنانچہ ناصر اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ اس کے بعد بہ نیت حج سوم براہ بحر قلزم غرۂ ذی قعدہ ۴۴۱ھ کو قاہرہ سے روانہ ہو کر مدینۂ منورہ میں داخل ہوا اور زیارت روضۂ نبوی سے مشرف ہو کر ۸ ذی الحجہ ۴۴۱ھ

	کو مکۂ معظمہ پہنچ گیا، یہ تیسرا حج تھا۔ حج سے فارغ ہو کر سامان لینے کے لیے پھر قاہرہ چلا گیا اور قاہرہ سے بروز سہ شنبہ ۱۴ ذی الحجہ سنہ ۴۴۱ھ براہ مصر صعید وطن کو روانہ ہوا۔
۶۔ چھٹا سال سنہ ۴۴۲ھ	مصر کے علاقے سے بذریعۂ کشتی، اسیوط، قوص، اخمیم۔ اور اسوان ہوتا ہوا صحرائی علاقہ طے کر کے ۸ ربیع الاول سنہ ۴۴۲ھ کو ناصر عیذاب میں پہنچ گیا۔ اور اس مقام سے براہ جدہ یکشنبہ سلخ جمادی الآخر سنہ ۴۴۲ھ / ۱۰۵۰ء کو مکۂ معظمہ آگیا اور ۱۹ ذی الحجہ تک مقیم رہ کر مکۂ معظمہ کے مفصل حالات درج روزنامچہ کیے ناصر کا یہ اخیر چوتھا حج تھا۔
۷۔ ساتواں سال سنہ ۴۴۳ھ	یوم جمعہ ۱۹ ذی الحجہ سنہ ۴۴۲ھ / ۱۰۵۰ء کو مکۂ معظمہ سے براہِ طائف لحسا کا سفر شروع ہوا۔ راستے میں عربوں کے قدیم کھنڈرات اور قلعے دیکھتا ہوا فلج میں پہنچا اور یہاں مجبوراً چار مہینے مقیم رہا بعد ازاں فلج سے یمامہ ہو کر لحسا آیا اور لحسا سے روانہ ہو کر ۲۰ شعبان سنہ ۴۴۳ھ کو داخل بصرہ ہوا اور ۱۵ شوال کو بصرہ سے چل کر براہِ مہروبان، ارغان، لوردغان، خان لنجان ہوتا ہوا ۸ صفر سنہ ۴۴۴ھ / ۱۰۵۲ء کو اصفہان آیا اور ۲۰ یوم قیام کر کے براہِ صحرائی طبس، زوزن، رقہ، تون، نائن، سرخس، مرو الرود، اور فاریاب کی سیر کر کے یوم شنبہ ۲۶ جمادی الآخر سنہ ۴۴۴ھ (۲۳ اکتوبر سنہ ۱۰۵۲ء) کو داخل بلخ ہوا۔ اور سفر ختم ہو گیا۔

۶ شکر کہ جنازہ بمنزل رسید

اس سفر کے حدود حسب ذیل تھے :-

۱۔ نواحیٔ شمال و مشرق

۲۔ مغرب

۳۔ جنوب و مغرب

۲۔ سیاحت پر مختصر تبصرہ

چھ سال قمری میں ۱۹ یوم باقی تھے کہ ناصر اپنے وطن بلخ میں پہنچ گیا۔ اور دیوان کے ایک شعر سے بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔

شش سال ببودم بر میمون و مبارک

شش سال نشستم بدر کعبہ مجاور!

(صفحہ ۱۳۸)

اس میعاد کے اندر دو سال تک قاہرہ میں قیام رہا اور بیت المقدس اور قاہرہ کے قیام کے زمانے میں چار حج کیے اور آخری حج کے بعد وطن کو روانہ ہوا، لیکن شعر مندرجہ سے یہ پایا جاتا ہے کہ چھ سال تک مستنصر باللہ کے حضور میں رہا اور چھ سال تک مسلسل حج کیے لیکن یہ مفہوم، سفر نامے کے خلاف ہے جس میں ایک ایک دن کی تفصیل موجود ہے۔ اور شعر میں تحریف ہو گئی ہے۔

الف۔ سیاحت ماژندران و بلغاریہ

بلخ پہنچ کر ناصر عقاید اسماعیلیہ یا فاطمیہ کی اشاعت کے لیے ماژندران بھی گیا تھا لیکن ممالک مغرب کا سفر ختم ہو چکا تھا، بدیں وجہ اس سیاحت کا تذکرہ سفر نامے میں نہیں ہے۔ لیکن دیوان میں یہ اشعار موجود ہیں۔

چوں من غریب و زار بماژندراں درون   برگیر دل ز بلخ و بنہ پاز بہر دیں

دوستیٔ عترت و خانہ رسول
کرد مرا یمگی و ماژندری

یہ علاقہ پہاڑی اور غیر متمدن تھا، تاہم اس صوبے میں بھی ناصرِ تبلیغ مذہب فاطمیہ میں کامیاب نہ ہو سکا اور علمائے احناف کے خوف سے جا بجا چھپتا رہا اور اخیر میں ماژندران سے فرار ہو کر بلغار (یہ تاتار کے حد شمالی میں قدیم شہر ہے) پہنچا۔ اس سفر کی تصدیق اشعار ذیل سے ہوتی ہے۔[۵۱]

ہمہ جَورِ من از بلغاریانست ۔۔۔ کہ با دائم ہمی باید کشیدن ۔
گنہ بلغاریاں را نیز ہم نیست ""
بگویم گر تو بتوانی شنیدن ""
خدایا! ایں بلا و فتنہ از تست ""
ولیکن کس نہ مے آرد چخیدن (جنگ کرنا) ""
ہمیں آرند ترکاں را ز بلغار ۔۔۔ زبہر پردۂ مردم دریدن

مستشرقین یورپ نے سیاحت ماژندراں کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ البتہ شمس الدین جامی وغیرہ نے قاموس الاعلام ترکی میں اس سفر کا ذکر کیا ہے۔

ب۔ سیاحت ہندستان

سفرنامے کے خاتمے پر ناصر نے یہ وعدہ کیا تھا کہ ممالک مشرق کے حالات جدا گانہ لکھوں گا، لیکن سفرنامے کا یہ حصہ مفقود ہے۔ البتہ ضمناً اس قدر معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ ملتان سے لاہور تک آیا تھا اور پھر واپس چلا گیا۔ سفرنامے کی عبارت حسب[۵۲] ذیل ہے۔

---

۵۱ تذکرۂ نگارستان فارس آزاد دہلوی صفحہ ۳۰۔

۵۲ سفرنامہ مطبوعۂ برلن صفحہ ۹۰۔

"ومن بدیں اسیوط فوطۂ دیدم از صوف گوسفند کردہ کہ مثل
آں نہ بہ لہاور (لاہور) دیدم ونہ بہ ملتان و بشکل پنداشتی حریر است"

ان شہروں کے علاوہ بلاد سندھ میں وہ زیادہ رہا ہے۔ اور دیوان میں متعدد ہندی اور خالص سنسکرت الفاظ بھی موجود ہیں جو سیاحت ہندوستان پر دلالت کرتے ہیں مثلاً۔

۱۔ پس لطریق تو خدائے جہاں | بے شک در ماش، وجو و لوبیا[1] است

۲۔ جز بدیں اندر نیابی راستی | راستی شد حصن دیں راکوتوال[2]

۳۔ برہمن در ہند بر چنڈال[3] ناکس فضل داشت | بندہ چوں چنڈال دوں از بہر دیں شد برہمن
صفحہ ۲۴۸

علاوہ بریں ناصر نے خاتمۂ سفرنامہ میں سیاحت مشرق کے متعلق یہ مختصر جملہ لکھا ہے جو قابل ملاحظہ ہے۔

اگر ایزد سبحانہ، تعالیٰ توفیق دہد چوں سفر طرف مشرق کردہ شود آنچہ مشاہدہ افتد بایں ضم کردہ شود انشاءاللہ تعالیٰ۔
وحدہ العزیز الحمد للہ رب العٰلمین۔

اور واقعات سے ظاہر ہے کہ واپسی سیاحت مغرب کے بعد ناصر خسرو ہندستان میں نہ آسکا اور واقعات کے لحاظ سے یہ غیر ممکن بھی تھا۔
ناصر نے سفرنامے میں بیت المقدس، مشہد خلیل، خانہ کعبہ، روضۂ نبوی

---

[1] ممالک متحدہ اور مالوہ میں لوبیا (لوبیا) بکثرت پیدا ہوتا ہے اس کی پھلیاں لذیذ ترکاری ہے بھوپال میں اسکو روسا کی پھلیاں کہتے ہیں ماش کی طرح اس کی بھی دال بنائی جاتی ہے جس کا رنگ سرخی مایل ہوتا ہے۔

[2] اصل میں کوٹ دال تھا یعنی محافظ قلعہ اب سٹی انسپکٹر پلیس کا عام لقب ہے۔

[3] چنڈال خالص سنسکرت لفظ ہے بداعمال النسان خصوصاً مہتروں کو چنڈال کا خطاب دیا گیا ہے۔

اور قاہرہ کے حالات مفصل لکھے ہیں اور اس کے علاوہ اختصار سے کام لیا ہے۔ مگر اُس کی نظر اس قدر بلند تھی کہ وہ جزئیات سے بھی نتیجہ اخذ کرلیتا ہے، مگر بعض کوتاہ قلمیاں ایسی نہیں ہیں جو نظر انداز کی جاسکیں مثلاً قاہرہ میں اکیس[۲۱] اہرام (مقابر فراعنہ) ہیں اور منجملہ اُن کے چار جیزہ میں ہیں۔ لیکن ناصر نے قاہرہ کے عام حالات میں، اِن پیرانِ کہن سال کا مطلق ذکر نہیں کیا ہے۔ حالانکہ ہر سیاح کے لیے۔ یہ اہرام مختلف حیثیات سے عبرت انگیز ہیں اسی طرح ممالک شام میں جب ناصر معرۃ النعمان پہنچا ہے، اس وقت نامور شاعر ابوالعلاز ندہ تھا جو اس عہد کے مشاہیر اہل کمال میں عدیم النظیر سمجھا جاتا تھا، لیکن تعجب ہے کہ ناصر نے اِس کی ملاقات سے گریز کیا اور کوئی سبب[لہ] بھی نہیں لکھا۔

ج۔ ہمعصروں سے ملاقات تذکرہ نگاروں نے بعض حکما اور صوفیائے کرام کی ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن سفرنامے میں ناصر نے کچھ نہیں لکھا ہے اور یہ صرف تین شخص ہیں اور اِن میں بھی شیخ الرئیس ابو علی الحسن بن عبداللہ بن سینا مقدم ہے۔

ابوعلی اور ناصر کا زمانہ ایک ہی کیونکہ شیخ کی ولادت ۳۷۳ھ / ۹۸۲ء (شجع) میں ہوئی اور ۴۲۷ھ / ۱۰۳۵ء (تکز) بمقام ہمدان فوت ہوگیا۔ اور ناصر کا سنہ ولادت ۳۹۴ھ ہے اس حساب سے ابوعلی اکیس سال ناصر سے بڑا تھا اور بتیس[۳۲] سال کی عمر میں جب ناصر فارغ التحصیل ہوچکا تھا اس کے ایک سال بعد شیخ الرئیس کا انتقال ہوا ہے۔ لہذا استاگردانہ حیثیت سے اگر ناصر

لہ ابوالعلا ملحد تھا غالبًا اس وجہ سے ناصر نہیں ملا۔ اور اہرام کو بت خانہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔

ابو علی کی درسگاہ میں حاضر ہوا ہو تو یہ ممکن ہے لیکن دونوں کی ہم عصرانہ ملاقات محل نظر ہے۔ کیونکہ مستشرقین[1] یورپ نے بصراحت لکھا ہے کہ "ناصر فلسفے میں بو علی سینا کے نظریات کا مقلد تھا" اور دولت[2] شاہ کا قول ہے کہ "ناصر معاصر شیخ الرئیس بو علی سینا بودہ وگویند کہ باہم صحبت داشتہ اند" ادبی اصطلاحات کے مطابق (گویند) کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔ اور اسی مسئلے پر غنی زادہ (مقدمہ نگار سفر نامۂ ناصر خسرو) لکھتا ہے کہ "ناصر از بزرگان فلاسفہ آں عصر بشمار میرفتہ وحکیم نامیدہ شدہ ہست ولے در اینکہ صحبت ابو علی سینا را دریافتہ است درست ومحقق نیست"

دوسری ملاقات ابونصر محمد بن طرخان فارابی، معلم ثانی کی ہے لیکن فارابی ناصر کے ولادت سے پچپن سال قبل دمشق میں (۳۳۹ھ / ۹۵۰ء) فوت[4] ہو گیا تھا لہذا آتش کدۂ آذر کی روایت سراسر غلط ہے۔

تیسری ملاقات شیخ ابو الحسن خرقانی بطام علیہ الرحمہ کی ہے ناصر نے متعدد اسباب سے سفر نامے میں اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔

دولت شاہ کی روایت ہے کہ جب شیخ کو کشف وکرامت سے معلوم ہوا کہ ناصر آرہا ہے تو اس کے پہنچنے سے ایک دن قبل اپنے مریدوں سے ارشاد فرمایا کہ کل خانقاہ میں ایک حجتی (جس کا یہ حلیہ ہے) آئے گا۔ تم اس کو عزت واحترام سے مہمان کرنا اور اگر وہ تم سے میری نسبت، علوم ظاہری کا حال پوچھے تو کہہ دینا کہ ہمارا شیخ ایک دیہاتی اور جاہل شخص ہے اور پھر اس کو میرے حجرے میں لے آنا"

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برطانیکا تذکرہ ناصر خسرو۔ [2] تذکرہ دولت شاہ حالات ناصر مطبوعہ بمبئی صفحہ ۴۲ [3] مقدمہ سفر نامہ مطبوعہ برلن صفحہ ۷

[4] ابن خلکان تذکرۂ فارابی مطبوعہ اصفہان بیت التواریخ یحیی قزوینی میں ۳۴۳ھ درج ہے۔

چنانچہ جب ناصر خانقاہ میں داخل ہُوا تو مریدوں نے اِس کا خیر مقدم کیا اور صبح کو ناصر شیخ کی خدمت میں پیش[1] کیا گیا۔

ہنگام ملاقات ناصر نے عرض کیا کہ "امراؤ علمار کی قیل وقال سے پریشان ہوکر اہل حال کی خدمت میں پناہ لینے حاضر[2] ہوا ہوں" شیخ نے ہنس کر جواب دیا کہ "میاں ناصر! میری اور تمھاری دوستی کیونکر نبھ سکتی ہے۔ تم تو برسوں سے عقل ناقص کے پنجے میں گرفتار رہے ہو اور میں تے جس دن درویشی کے کوچے میں قدم رکھا تھا، اسی دن سے اس مکارہ کو تین طلاق دے چکا ہوں۔" یہ سنتے ہی ناصر بول اٹھا کہ حضرت نے یہ کیونکر سمجھ لیا کہ عقل، ناقص ہے، بلکہ عقل کی نسبت تو یہ مشہور ہے کہ خدا نے سب سے پہلے عقل ہی کو پیدا کیا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ وہ عقل جس کے تم معتقد ہو، صرف انبیائے کرام کی عقل ہے اور تمھاری یا بو علی سینا کی عقل انبیا علیہم السلام کا مقابلہ نہیں کرسکتی ہے۔ حالانکہ تم دونوں اپنی عقل پر مغرور رہو اور میرے دعوے کی دلیل وہ قصیدہ ہے جس کو تم نے کل شب میں تصنیف کیا ہے اور جس میں عقل کو گوہر سے تشبیہ دی ہے۔ حالانکہ وہ گوہر عشق ہے۔ اس کے بعد[3] شیخ نے قصیدے کا حسب ذیل مطلع پڑھا۔

بالائے ہفت طاق مقرنس دو گوہر ند
کز کائنات وہرچہ درو ہست برترند

---

[1] نگارستان فارس میں ابو الشمس جرجانی نے لکھا ہے جو قطعاً غلط ہے۔

[2] بلاشبہ ناصر اس زمانے میں امرا کی صحبتوں سے تنگ آگیا تھا اور اس کو ایک خلوت کدے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ ایک قصیدے میں اس مضمون کی طرف اشارہ کرتا ہے ؎

زی اہل طیلساں وعمامہ رِدا شدم — وز مال شاہ ومیر جو نومید شد دلم
(جاب) (چادر)

[3] تذکرہ مجمع الفصحا کی روایت ہے کہ حکیم مجد الدین ابو اسحٰق کسادی مروزی نے ناصر کو ایک قصیدہ بھیجا تھا جس کا مطلع تھا ؎ جان وخرد رونده برایں چرخ اخضر ند — یا ہر دو آں نہفتہ دراین کوی اغبر ند

ناصر مطلع سنتے ہی بہوت ہوگیا، کیونکہ گزشتہ شب میں اس نے یہ قصیدہ لکھا تھا۔ اور کسی کو اس کی خبر نہ تھی۔ چنانچہ خانقاہ میں مقیم ہوکر ناصر ریاضت میں مشغول ہوگیا کچھ دنوں کے بعد شیخ نے ناصر کو روانگی سفر کا حکم دیا۔ ناصر خراسان چلا گیا اور جب یہاں کے علمار کو اس کے گمراہ کن عقاید معلوم ہوئے تو قاضی القضاۃ ابو سہل صعلوکی کے مشورے سے ناصر فرار ہوکر اپنے وطن بلخ میں آیا اور جب یہاں بھی چین نہ ملا تو بدخشاں کی ایک پہاڑی (درہ یمگان) میں جاکر گوشہ نشین ہوگیا (جس کی تفصیل بعد میں کی جاسے گی)

سفر نامۂ مغرب کی مختصر تاریخ

سفر نامۂ ناصر خسرو کی اشاعت کے لیے موسو شیفر پروفیسر السنہ مشرقیہ پیرس یونیورسٹی (فرانس) کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انھوں نے ہندوستان سے (از کتب[1] خانۂ نواب صاحب بہادر لوہارو) بذریعۂ گورنمنٹ ہند یہ سفر نامہ طلب کیا اور متن فارسی کو فرنچ ترجمے کے ساتھ بڑے اہتمام سے ۱۸۸۱ء / ۱۲۹۹ھ میں شایع کیا۔ جب یہ فرنچ ترجمہ شایع ہوا تو شمس العلمار خواجہ الطاف حسین حالی کو بھی اصل متن چھاپنے کا خیال پیدا ہوا۔ لہذا ناصر خسرو کی مختصر سوانح حیات کے ساتھ، یہ سفر نامہ مطبع اخبار خیر خواہ ہند دہلی سے طبع ہوکر ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء میں شایع کیا گیا یہ بھی لوہارو کے نسخے کی بجنسہ نقل ہی خواجہ صاحب کو کوئی دوسرا نسخہ نہ مل سکا جس سے اصل متن کی صحت کی جاتی لہذا جو غلطیاں شیفر کے مطبوعہ نسخے میں تھیں وہ نسخۂ مطبوعہ دہلی میں بھی بدستور باقی رہیں۔ اس کے بعد تیسرا نسخہ بمبئی سے شایع ہوا وہ اس درجہ

چنانچہ اس کے جواب میں ناصر نے قصیدۂ مذکور لکھا تھا۔

[1] یہ سفر نامہ اس وقت ندوۃ العلمار لکھنؤ کے کتب خانے میں ہی۔ میں نے بھی اپنے مسودے کا مقابلہ اس نسخے سے کیا ہی۔ اس کی کتابت عہد اکبری میں کی گئی ہی۔ جس پر خان اعظم میرزا عزیز کوکلتاش کی ایک قلمی سطر موجود ہی۔

معمولی ہی کہ اس پر بحث کرنا بے کار ہی۔ چوتھا بہترین نسخہ برلن (جرمن) کی شرکت کاویانی (انجمن اشاعت کتب قدیمۂ ایران) نے ۱۳۴۱ھ ۱۹۲۲ء میں شایع کیا، جو بلحاظ حسن کتابت (ٹائپ) مطبوعات سابقہ سے بہتر ہی۔ پیرس یونیورسٹی میں سفرنامے کے دو قلمی نسخے اور تھے جس سے اس کی صحت کی گئی لیکن اسمائے امصار و دیار وغیرہ میں ہنوز متعدد غلطیاں موجود ہیں لیکن جو نسخہ اس وقت آپ کے مطالعے میں ہی، وہ تمام غلطیوں سے پاک ہی۔ جس کی تصدیق تاریخی جغرافی نوٹوں سے ہوگی نسخ مذکورۂ بالا کے علاوہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کا نسخہ نمبر ۲۰۲ قلمی ۱۲۹۲ھ ۱۸۷۵ء بھی پیش نظر تھا فی الحال سفرنامے کا ترجمہ آپ کے سامنے ہی۔ اصل متن انشاءاللہ پھر شایع کیا جائے گا۔ تذکرہ نگاروں نے سفرنامے کا ذکر نہیں کیا ہی، نہ اس پر کوئی رائے لکھی ہی، لیکن خواجہ حالی نے جو محققانہ رائے لکھی ہی وہ حسب ذیل ہی۔

"دیگر از افادات ناصر خسرو این سفرنامہ ہست کہ در دست داریم والحق کہ بسیار مستحق مدح و ستایش است، سادگیٔ الفاظ، راستی بیان کہ دریں سفرنامہ دیدہ مے شود، گویا این معنی است کہ صنعت ہاتے بے مزہ و مبالغہاتے دور از کار کہ من بعد در منشآت ایران بکلی راہ یافتہ تا قرن خامس ہیچ وجودے نداشت۔ در تمامی سفرنامہ کمتر واقعہ برخلاف عقل و عادت ذکر نہ کردہ ہست۔ واگر چیزے ازیں قبیل مسموع افتادہ، بضرورت روایت کردہ و عہدہ آں برراوی گزشتہ است"[1]

---

[1] مقدمۂ سفرنامہ نوشتۂ خواجہ حالی

خواجہ صاحب کے بعد اب ایک اہل زبان کی رائے جو سفر نامے پر ہے۔ نقل کی جاتی ہے وہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔[۵۱]

"سفر نامہ بطور بسیار سادہ و بے الآیشے نوشتہ شدہ واز نقطۂ نظر ادبی موقع خیلے ممتاز و بلندی را دارد و باوجود اینکہ خود در عداد اولین کتابہائے ہست کہ پس از استیلائے عرب بایران در زبان فارسی نوشتہ شدہ و باوصف مغایرت لہجہ آن زمان یعنی درست نہ صد سال بیش با لہجۂ امروزی فارسی از حیثیت ترکیب الفاظ و تلفیق عبارات و تنسیج جمل طرز نگارش آن بہ قدرے دلچسپ و شیریں است کہ ما یعنی خوانندگان این دورہ را از مطالعۂ آں اصلاً غرابتے احساس نہ مے شود و بارزترین صفتے کہ سفر نامہ و بالجملہ سایر آثار ناصر خسرو را امتیاز مخصوص دادہ و آنہا را از مصنفات دیگر نویسندگان آں عہد جدا میکند این است کہ مشار الیہ الفاظ عربی را بہ قدرے کم در نوشت ہائے خود بکار بردہ ہست کہ حتی نویسندگان دورۂ حاضر را نیز شاید کمتر میسّر تواند شد"

خلاصہ تحریر یہ ہے کہ ناصر نے سفر نامہ نہایت سادہ عبارت میں بے لاگ لکھا ہے۔ اور ادبی نقطۂ نظر سے نہایت ممتاز ہے۔ اور یہ سفر نامہ اُن اولین کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے کہ جو فتوحات ایران کے بعد فارسی

---

[۵۱] مقدمہ سفر نامہ غنی زادہ نوشتہ ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ

ہیں لکھی گئی ہیں۔ اور بڑی خوبی یہ ہے کہ نوسو[1] سال سے کچھ زیادہ مدت گزر چکی ہے۔ اور زبان کا لہجہ بہت کچھ بدل گیا ہے۔ لیکن ہنوز ایرانی سفرنامے کو پڑھتے ہیں اور انکی نظر میں سفرنامے کی عبارت غیر مانوس نہیں معلوم ہوتی ہے۔ اور کھلی ہوئی تعریف یہ ہے کہ ناصر نے نہ صرف سفرنامے میں بلکہ جملہ تصنیفات میں عربی الفاظ بہت ہی کم استعمال کئے ہیں حالانکہ دور حاضر کے انشا پرداز بھی ایسی عبارت (جس میں عربی الفاظ کم ہوں) لکھنے پر قادر نہیں ہیں"۔

اس رائے پر کسی اضافے کی ضرورت نہیں ہے اگرچہ یہ مشہور مقولہ ہے کہ جہاں دیدہ بسیار گوید دروغ ، لیکن یہ سیاحت نامہ اس عیب سے پاک ہے۔ بیت المقدس کے حالات میں ناصر نے بعض واقعات ایسے لکھے ہیں جو عقل و مشاہدہ کے خلاف ہیں ،، لیکن اس کے بعد ہی یہ جملہ موجود ہے۔ کہ میں نے جو سنا ہے وہ لکھدیا ہے اور جھوٹ سچ کی ذمہ داری[2] راوی پر ہے۔

۵ خصوصیات سفرنامہ

ناصر خسرو کے سفرنامے کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ہر شہر و قصبہ اور موضع کا جغرافیہ محل وقوع فصل اور دیگر خصوصیات۔

۲۔ فرماں روائے وقت، حکما، علما، صوفیا، اور شعرا کا ذکر اور ملاقات کا مختصر حال۔

۳۔ ہر گورنمنٹ کا طرز حکومت، انصاف و مظالم اور محکمے۔

۴۔ آثار قدیمہ۔

---

[1] تاریخ سیاحت (۴۳۷ھ) سے سنہ رواں (۱۳۵۹ھ) تک تحریر سفرنامہ کو ۹۲۲ سال گزر چکے ہیں۔

[2] سفرنامہ مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۳۴

۵۔ مساجد، گرجا، خانقاہیں، مشاہد زیارت گاہیں، مقابر، مدارس، حمامات اور قلعے؛

۶۔ مصنوعات ملکی، درآمد برآمد خصوصاً کپڑے، نرخ اور قیمتیں،

۷۔ مناظر قدرت، باغات، پھول پھل، سیرگاہیں رپارک)

۸۔ فوجی چھاؤنیاں اور اُن کے انتظام۔

۹۔ بازاروں کے عام حالات ، نرخ مطابق سکہ رواں۔

۱۰۔ زراعت (غلہ) وافیون، پیداوار کی تفصیل اور نرخ۔

۱۱۔ ایک مقام سے دوسرے کا فاصلہ بحساب فرسنگ، شارع عام اور پگڈنڈی راستے

۱۲۔ جنگلی حیوانات، اور عجائبات۔

۱۳۔ معدنیات۔

۱۴۔ حوادث عالم، زلزلے، طلسمات،

۱۵۔ سمندر، دریا، نہریں، چشمے، چاہات، مشہور مینا (بندرگاہ)

۱۶۔ کسٹم ہاؤس (پرمٹ، چنگی، سائر، کروڑگیری)

۱۷۔ مردم شماری، اقوام کے خصائص، ملکی رسم ورواج۔

۱۸۔ جشن، عیدین، قومی میلے۔

۱۹۔ ادویہ، عقاقیر (جڑی بوٹیاں)

۲۰۔ ظروف (ہرقسم)

۲۱۔ ملک کی دولت مندی اور افلاس۔

یہ وہ عنوان ہیں جو سفرنامے سے مخصوص ہیں۔ لہٰذا ناصر کا یہ فخریہ دعویٰ بالکل صحیح ہے۔

رسی آنگہ بدرومن کہ چومن   خامہ گیری دصفحہ بنگاری!

سفرنامے پر اعتراض

بعض اصحاب[1] نے شبہہ کیا ہی کہ موجودہ سفرنامہ اصل سفرنامے کا خلاصہ ہی۔ اور دلیل میں شاہ نامے کے دیباچے سے جو بایسنغری نے لکھا ہی حسب ذیل عبارت پیش کی جاتی ہی۔

"حکیم ناصر خسرو در سفرنامہ آوردہ است کہ در تاریخ چہار صد وسی وہشت در ہجری براہ طوس رسیدم، رباطے بزرگ نوساختہ بودند پرسیدم کہ ایں رباط راکہ ساختہ است گفتند ایں رباط از وجہ صلۂ فردوسی است کہ سلطان محمود از برای او فرستادہ وچوں خبر او پرسیدم گفتند او وفات یافتہ است ووارث او قبول نہ کردہ وعرضہ داشت بہ سلطان کردند، سلطان فرمود کہ ہمانجا عمارت کنید وایں رباط خاطرہ وجہ اوست"

میرے نزدیک یہ خیال غلط ہی کیونکہ اسوقت جسقدر سفرنامے موجود ہیں ان میں یہ عبارت نہیں ہی۔ علاوہ بریں ناصر خسرو ۴۳۷ھ میں اطراف طوس سے گزر چکا تھا اور عبارت مذکورہ میں ۴۳۸ھ ہی۔ جو کسی طرح صحیح نہیں ہی کیونکہ اس سال ناصر علاقہ دیلم اور آذربائجان سے روانہ ہو کر ملک شام میں داخل ہو چکا تھا۔ پھر یہ کہ فردوسی ۴۱۱ھ میں انتقال کر چکا تھا۔ سلطان محمود نے اگر شاہ نامے کا صلہ روانہ کیا ہوگا تو فردوسی کے رحلت کے بعد ہی ورنہ اس قدر طویل مدت (۲۷ سال)، کے بعد صلے کا ارسال کرنا قرین قیاس نہیں ہی۔ میری رائے میں یہ سفرنامہ اصلی حالت میں ہی۔ جس کی تصدیق بیت المقدس، خانۂ کعبہ، مدینۂ منورہ کی عمارات کی تفصیل سے ظاہر

---

[1] مقدمۂ سفرنامہ نوشتۂ غنی زادہ صفحہ ۲۰

ہے جس میں خلاصے کی مطلق گنجایش نہیں ہے۔

۱۔ کیا ناصر خسرو دو تھے؟

مستشرقین یورپ میں پروفیسر ریو (متوفی) کا یہ اصرار ہے کہ اصل میں ناصر خسرو دو تھے۔ جو نام، ولدیت اور کنیت میں متحد تھے۔ فی الحقیقت یہ عجیب واقعہ ہے لیکن پروفیسر شیفر اور ایتھی نے بدلایل قاطع اس نظریے کی تردید کی ہے۔ اس پر بھی پروش اور خانان کو پروفیسر ریو کی رائے سے اتفاق تھا۔ حقیقت میں یہ شبہہ زمانۂ مابعد کے مورخین کے اختلاف رائے سے ہوا ہے۔ جنھوں نے سفرنامے اور دیوان ناصر خسرو کو بیک وقت مطالعہ کرنے کی سعی نہیں کی ہے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو ایسی غلطی میں مبتلا نہ ہوتے، کیونکہ ناصر خسرو سیلح جب وہ سفر حج کے لیے روانہ ہوا ہے تو روانگی سے قبل اس نے ایک خواب دیکھا تھا کہ جس کی بنا پر وہ حکیم مشہور ہوا چونکہ یہ تفصیلات آپ پڑھ چکے ہیں لہذا مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ پروفیسر ریو کو قدیم تذکرہ نویسوں کی اختلاف بیانی سے دھوکا ہوا ہے جس کو پروفیسر براؤن وغیرہ نے قطعی حل کر دیا ہے۔

ناصر کی شاعری کی ابتدا اور انتہا

قدیم نصاب تعلیم میں ادبیات کے ساتھ شاعری (عروض و قافیہ)، داخل تھی جن طلبار کو اس فن سے خاص دلچسپی اور مناسبت ہوتی تھی وہ من حیث الفن شاعری میں کمال حاصل کرتے تھے اور صوفیائے کرام میں باستثنائے شاذ سب ہی شاعر ہوتے تھے، کیونکہ حقایق اور معرفت کے خیالات کا جب دل و دماغ پر غلبہ ہوتا تھا تو وہ رباعی، قطعہ یا مثنوی کے قالب میں ڈھالے جاتے تھے چنانچہ ناصر بھی اسی صنف کے شعراء

---

[1] ملاحظہ ہو فہرست فارسی کتب قلمی موجودہ برٹش میوزیم لندن۔

میں داخل ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ دیوان ناصر میں نہ تو ایک غزل ہے، نہ فرماں روایانِ وقت کی مدح میں کوئی قصیدہ ہے۔ ۴۲ سال کی عمر میں ایک قصیدہ لکھا اور بزمانۂ قیام قاہرہ سنہ ۴۳۹-۴۴۱ھ امیر المومنین مستنصر باللہ فاطمی کے مدح میں متعدد قصاید لکھے چنانچہ ناصر کی شاعری اس عہد میں عروج پر تھی۔ اور فراغ حج کے بعد جب خانقاہ یمکان میں گوشہ گیر ہو گیا تو ۷۰ سال کی عمر تک[1] شاعری میں مصروف رہا۔ اس کے بعد ضعف پیری کی وجہ سے شعر و سخن کا دروازہ بند ہو گیا۔

۲۔ ناصر کی شاعری کا موضوع

واپسیٔ سفر پر بحساب سنہ قمری ناصر کی عمر پچاس سال کی ہو چکی تھی اور دوران سیاحت میں بے انتہا مصیبتیں اُٹھائی تھیں چنانچہ ممالک عرب میں وہ ایسے قبایل سے گزرا، جہاں اسکو گوشت، ترکاری، اور روٹیوں کے عوض صرف اونٹنی کا دودھ ملا اور بعض مقامات میں کھجوروں سے پیٹ بھرا۔ غذا کی تکلیف کے علاوہ دوسرے مصایب جداگانہ تھے اس لیے ناصر کے دماغ میں خشکی پیدا ہو گئی تھی اور مزاج چڑچڑا ہو گیا تھا اور مذہبی تعصب سے دیوانہ ہو رہا تھا لہذا تبلیغ مذہب فاطمیہ کے سوا اس کو دنیا میں کوئی اور کام نہ تھا اور اس کی شاعری کا اہم موضوع یہی تھا اس کے علاوہ ناصر کا کلام اصناف ذیل میں تقسیم ہو سکتا ہے۔

۱۔ فلسفہ، حکمت، نصیحت، موعظت (ترک دنیا)

۲۔ تکوین عالم، مناظر قدرت۔ نجوم وافلاک صنایع بدایع

۳۔ اخلاقیات (انسان کامل)

---

[1] دیوان ناصر خسرو میں عمر کی صراحت میں متعدد اشعار ہیں جو دوسری جگہ درج ہیں۔

۴۔ اہل بیت رسالت کی مدّاحی جو حامل اسرار شریعت ہیں اور ان کی محبت جو ذریعۂ نجات ہے۔

۵۔ (مذہبیات) تاویل و تنزیل، جبر و قدر، عقل و خرد، حشر و نشر۔

۶۔ خلفائے ثلاثہ، خلفائے عباسیہ، ائمۂ اربعہ، علمار، واعظین اور صوفیائے کرام کی شان میں گستاخیاں۔

۷۔ ذاتی حالات بچپن سے بڑھاپے تک اور مذہبی زندگی۔

۸۔ یمکان کی زندگی، مصایب و آلام کا ہجوم، اور شاعری۔

۹۔ تصنیفات۔

۱۰۔ موت۔

۳۔ تخلّص ناصر نے پیشہ ور شاعروں کی طرح قصیدہ گوی اختیار نہیں کی تھی۔ اس کی شاعری کی بنیاد اہل بیت کی محبت پر تھی اور یہ جذبات قدرتی طور پر پیدا ہو گیے تھے اور محض مذہبی خیالات کی اشاعت کے لیے اس نے شاعری سے کام لیا تھا۔ چنانچہ اسی بنار پر اس کا کوئی تخلّص نہیں ہے۔ مقطع میں وہ اپنا نام مختلف طریقے سے لیتا ہے۔ مثلاً

۱۔ ناصر۔ ناصر غلام و چاکر آں کس کہ این شنفت جان و خرد رونده بر این چرخ اخضر ند

۲۔ ناصر بن خسرو۔ بجن در گوش کیں در ثمیں است حدیث ناصر بن خسرو این است

۳۔ ناصر خسرو۔ ناصر خسرو بر اہے مے گزشت مست و لایعقل نہ چوں مے خوارگاں

۴۔ پسر خسرو۔ اے پسر خسرو حکمت بگوئے تات بود طاقت و توش و تواں

۵۔ ابومعین۔ پند خوب و شعر حکمت را بدار یادگار از بومعین اے مستعین

(کنیت) (دیوان)

اکثر قصاید کے مقطع میں بجائے ناصر کے حجت آیا ہے۔ اس خیال سے

تذکرہ نگاروں نے یہ رائے قایم کی ہی کہ ناصر کا تخلص حجت ہی۔ لیکن یہ رائے تاریخ کے خلاف ہی۔ خلفائے فاطمین مصر نے جو فری میسن لاج قایم کی تھی اِس کے ممبروں کے بلحاظ مدارج مختلف القاب تھے۔ چنانچہ اخیر درجہ داعی الدعاۃ گرانڈ ماسٹر (نایب امام) کا تھا جن کا خاص خطاب حجت تھا جو سفیر ہو کر تبلیغ مذہب کے لیے شاہوں کے دربار میں جاتے تھے اور صوبوں میں اپنے طرف سے نایب (مُبلّغ) مقرر کرکے اور خود بھی مختلف طریقوں سے اپنے عقاید کی اشاعت کرتے تھے۔ اب دیوان سے وہ اشعار نقل کرتا ہوں جس سے میرے دعوے کی تایید ہو گی۔

۱۔ از حجت مستنصر بشنو سخن حق | روشن[۱] چو شب آہنگ سحر گہ متلابی
۲۔ بندہ! اے حجت زمین خراساں | مر عقلا را کہ قبلہ عقلائی
۳۔ سخن حکمتے از حجت بہ پزیری | گر تو از طائفہ حیدر کراری!
۴۔ حجت روشن ازان است کہ من بر خلق | حجت نایب پیغمبر سُبحانم
۵۔ نہ بس فخرم آن کز امام زمانہ | سوئے عاقلانِ خراسانِ سفیرم

ان اشعار میں حجت مستنصر سب سے پہلے قابلِ لحاظ ہی یعنی وہ حجت جو امام مستنصر باللہ کی جانب سے پروپیگنڈے کے لیے مقرر ہی۔ اِس کے بعد دوسرا لفظ حجت خراسان ہی۔ یہ اس امر کی طرف اِشارہ ہی کہ صوبہٗ خراسان میں وہی فاطمیہ کا مُبلّغ ہی۔ تیسرے شعر میں وہ اپنے ہم مذہبوں کو مخاطب کرتا ہی۔ اور چوتھے اور پانچویں شعر میں حجت کی کامل تفسیر ہی۔

اور ایک تاریخی سند یہ ہی کہ شیخ ابو الحسنؒ خرقانی نے اپنے مریدوں سے

---

[۱] شب آہنگ وہ ستارہ ہی جس کی رہنمائی سے رات کو ایرانی قافلے سفر کرتے ہیں۔

[۲] دولت شاہ سمرقندی کی عبارت حسب ذیل ہی۔ "در اثنائے عزیمت بجانب خراسان بہ صحبت شیخ المشایخ ابو الحسن خرقانی رسید شیخ را از روئے کرامت (بقیہ نوٹ صفحہ ۴۵)

فرمایا تھا کہ کل خانقاہ میں ایک حجتی آئے گا۔ جس کا حلیہ یہ ہو گا۔ اس مثال سے واضح ہی کہ اس عہد میں حجتی ایک خاص خطاب تھا جو عموماً خراسان میں مشہور تھا۔ چنانچہ پروفیسر براؤن نے بھی تذکرہ ناصر میں اشارہ کیا ہی کہ حجت ایک عہدہ تھا۔ اور سب سے بڑی دلیل یہ ہی کہ حجت کی جمع حجتان خود ناصر نے لکھی ہی:۔ حجت و برہان دین از حجتان او شنو

زانکہ ایں دیوانگاں دعوائے بے برہاں کنند" (صفحہ ۸۱۔ دیوان)

۴۔ کلام پر رائے

ناصر کا کلام تصنع سے پاک ہی۔ وہ جو کچھ کہتا ہی دل سے کہتا ہی اور یہی سبب ہی کہ اُس کے پند و نصایح دل پزیر ہیں۔ سب سے بڑی خصوصیت یہ ہی کہ اُس میں اخلاقی جرأت بدرجۂ کمال ہی اور وہ بلاخوف ملامت و تردید، صاف لکھتا ہی اور کسی بادشاہ یا وزیر کی عظمت و شوکت سے مرعوب نہیں ہوتا ہی۔ قصاید اور مثنویات کی زبان نہایت سلیس اور سادہ ہی۔ البتہ بعض مستعملہ بحرین غیر مانوس ہیں۔ اور قدیم پہلوی زبان کے الفاظ بھی استعمال کرتا ہی جو اس عہد میں جزو زبان تھے۔

ناصر اپنے عہد کا ایک نامور شاعر تھا اور شاعرانہ اصول سے اس کو بھی فلسفیانہ اور حکیمانہ شاعری پر ناز تھا چنانچہ قدیم شعرا میں وہ اپنا مد مقابل صرف عنصری کو سمجھتا تھا۔ اور ہم عصروں میں کسائی مروزی کے سوا کوئی اُس کا رقیب نہ تھا۔ کلیات ناصر میں کئی جگہ کسائی کا نام آیا ہی لیکن مضمون اشعار سے ثابت ہی۔ کہ وہ اپنی ذات کو کسائی سے بالاتر سمجھتا تھا۔ اشعار ذیل ملاحظہ ہوں۔[1]

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۴) احوال او معلوم شدہ بود بہ اصحاب گفت کہ فردا مردے حجتی بدین شکل وصفت در خانقاہ خواہد رسید "۔ [1] دیوان صفحہ ۲۲ - ۳۲ -

۱۔ گر بخواب اندر کسائی دیدے ایں دیبا من — سودہ کردے شرم و خجلت مرکسائی راکسا
۲۔ گر سخنہائے کسائی شدہ پیر و ضعیف — سخن حجت با قوت تازہ برناست

دیوان میں قدیم پہلوی الفاظ بکثرت ہیں۔ اور یہ اس عہد کے ماحول کا نتیجہ تھا جس سے شاعر محفوظ نہیں رہ سکتا تھا، مثلاً یہ[1] اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

گشتہ جہاں کودکِ دوازدہ سالہ — از سمنش روے واز بنفشہ کلالہ
(گھونگروالے بال)

آمد تازاں زہند مرغ بہاری — روئے نہادہ بما جھالہ جھالہ
(پرندوں کا غول)

ای نشستہ خوش و بر تخت کشیدہ نخ — گر نخ و تخت چنیں بماندت نخ نخ
تو نشستہ خوش و عمر تو ہمی پرد — مرغ کرداز و مرگ نہادہ فخ
بازمانہ بخند خبر کہ جوان بختی — گر جوان ہست تورا بخت بروے نخ
تو پنجاہ سال از ایں مرگ ایشاں — فسانہ شودی و خوردی رسانہ
(رسانہ۔ رنج و حسرت)

چہ لافی کہ من یک چمانہ[3] بخوردم — چہ فضل ہست پس مرترا بر جمانہ
(جمانہ۔ جوان)

چو خر بے خرد زآنی اکنوں کہ آنگہ — بمزد دبستان خریدی لکانہ
(لکانہ۔ بکری کی آنت جس پر گوشت چڑھا ہو)

بعض مخصوص الفاظ جن معنی میں ناصر نے استعمال کیے تھے وہ نو سو (۹۰۰) برس

۱؎ دیوان صفحہ ۲۷۲ - ۶۱ - ۲۶۶ ۔ ۲؎ جن اصحاب کو فرصت ہو وہ یہ اشعار حل کریں
۳؎ ایک چھوٹے کدو کا نصف حصہ تراش کر اُس کا پیالہ بنایا جاتا ہے جس کے اوپر نقش و نگار بھی ہوتے ہیں جس سے جام شراب کا کام لیا جاتا ہے۔

کے بعد آج بھی انھیں معنی میں مستعمل ہیں۔ مثلاً

۱۔ زاندیشہ عمی گشت مرا جان بہ تفکر[1] پر سندہ شد این نفس مفکر ز مفکر

۲۔ در یاست این جہان و درا وگردان[2] این خلق ہمچو ربرب و طیارہ

۳۔ زان مقام اندیشہ کانجا ہمسرانند[3] بارعیت ہم امیر و ہم زعیم

فارسی شاعری نے تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں کافی ترقی کر لی تھی لیکن دولت غزنویہ کے انحطاط پر شاعری میں بھی زوال کا آغاز ہوا۔ لیکن سلجوقی حکومت کے مستقل ہوتے ہی (۴۲۹ھ) پھر شاعری کا ستارہ چمکا۔ اس عہد میں جملہ اسلامی حکومتوں کا دفتر عربی میں تھا۔ لیکن الپ ارسلان سلجوقی کے ایک فرمان کے مطابق خواجہ حسن نظام الملک طوسی وزیر السلطنۃ نے دفاتر کو فارسی سانچے میں ڈھالا۔ چنانچہ اس طرز عمل سے فارسی شاعری اور چمک اٹھی، غزل، مثنوی اور قصاید میں بھی لفظی اور معنوی اصلاحیں کی گئیں۔

ناصر چونکہ خشک مزاج اور مذہبی انسان تھا لہذا اس کی شاعری بھی فلسفیانہ تھی البتہ مضامین (باستثنائے شاذ) یبوست کی وجہ سے دلکش نہ تھے۔ لہذا اس نوع میں بھی تبدیلی کی گئی، اور حکیم عمر خیام نے رباعیات میں فلسفے کی اس خوبصورتی سے سلاوٹ کی کہ اس کا حسن دو بالا ہو گیا۔ اگر ناصر سلطان سنجر سلجوقی کے عہد (متوفی ۵۵۲ھ) تک زندہ رہتا تو اس کے قصاید کا بھی رنگ بدل جاتا۔ لیکن عمر نے دفا نہ کی تاہم ناصر پند و موعظت کا جو ذخیرہ چھوڑ گیا ہے وہ غیر فانی ہے۔

---

[1] دیوان صفحہ ۱۳۵۔ [2] دیوان صفحہ ۲۷۱ [3] صفحہ ۲۰۶

۵۔ ناصر خسرو، حجت خراسان، داعی الدعاۃ امیر المومنین مستنصر باللہ فاطمی

۱۔ تاریخ اسلام میں سیاسی انقلاب

اِسلام کی عظمت وسطوت کا آفتاب، خلافت فاروقی میں نصف النہار پر پہنچ چکا تھا کہ بتاریخ ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ ایک غلام نے امیر المومنین کو شہید کر دیا اور حضرت عثمان بن عفان اُموی مسند آرائے خلافت ہوئے اور اسی عہد سے قبیلۂ قریش میں خاندان اُمیہ کے عروج کا آغاز ہوا اور تغیر خلافت سے تاریخ اسلام میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوگیا

امیر معاویہ بن صخر (ابوسفیان) عہد فاروقی سے صوبۂ شام کے گورنر (والی) تھے لیکن اس دور میں سیاسی اسباب سے اُن کی حکومت مستقل قرار پا گئی۔

اقتضائے عالم کے مسلمانوں کو یقین تھا کہ اس دَور جدید میں فارُوقی بنیادوں پر جو نا تمام رہ گئی تھیں ہفت منزلہ عمارتیں بن جائیں گی، لیکن ہاشمی اور اُموی[۱] رقابتوں اور سازشوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ ۳۵ھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اپنے گھر کے اندر (تلاوت قرآن فرماتے ہوئے) درجۂ شہادت پر فائز ہوئے ع "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ"

اسباب شہادت متعدد ہیں لیکن خاندانی جھگڑے اور اعلیٰ عہدوں پر بنو امیہ کا تقرر واقتدار اور مروان بن حکم (سکرٹری دربار خلافت) کی فتنہ پردازیاں سب سے اہم تھیں اسی بنا پر مورخین کا یہ فیصلہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت اسلام میں سب سے پہلا فتنہ تھا جس نے قومی اور سیاسی تاریخ کو درہم برہم کر دیا اور یہی وہ

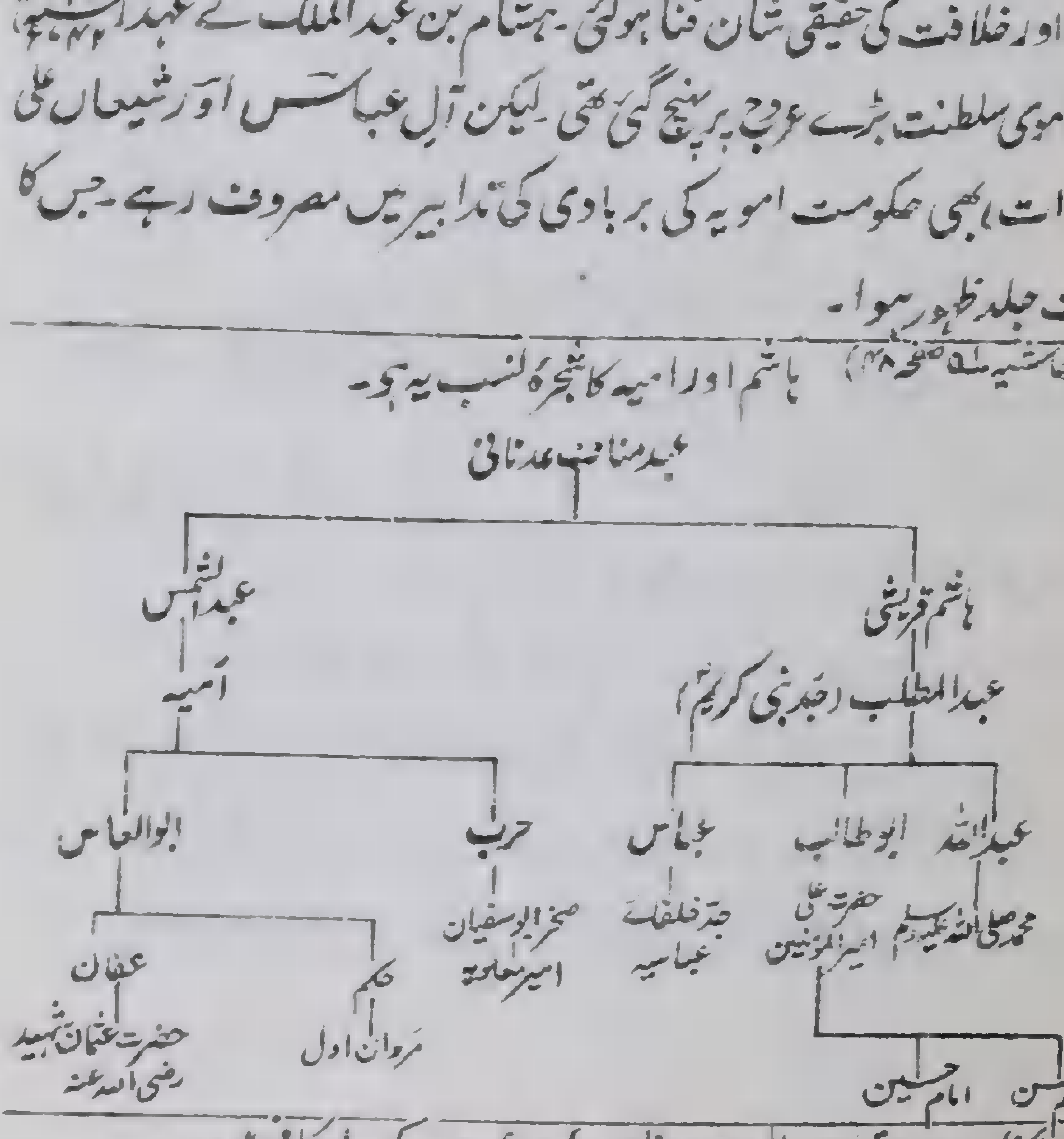
ف ۱ ہاشم اور امیہ کا شجرۂ نسب صفحہ ۹۴ پر ملاحظہ کیجیے۔

دن تھا کہ شیعیت اور سنیت کی بنیاد پڑی جس کی ہنگامہ آرائیاں آج تک جاری ہیں۔[51]

۲۔ بنو امیہ کا عروج و زوال

امیر معاویہ عہد رسالت کے تربیت یافتہ اور عدیم النظیر مدبر تھے۔ لہذا انھوں نے چند ہی سال (۴۱ھ ۶۶۱ء آغاز حکومت) میں ایک زبردست سلطنت مشرق میں قایم کرکے دمشق کو دارالخلافۃ بنایا اور رحلت کے وقت اپنے نااہل بیٹے یزید کو حکمران کر گئے، جو منظور شدہ ولیعہد تھا اور اسلامی خلافت میں ولی عہدی کی بدعت کو سب سے پہلے جاری کیا۔ اور انتخاب خلیفہ کا قانون منسوخ ہوگیا۔ اور یزید ہی کے زمانے سے خلافت راشدہ دنیاوی سلطنت میں تبدیل ہوگئی اور خلیفہ یا امیرالمومنین کا خطاب بھی بادشاہ یا سلطان کا مترادف بن گیا۔ اور خلافت کی حقیقی شان فنا ہوگئی۔ ہشام بن عبدالملک کے عہد (۱۲۵ھ ۷۴۲ء) تک اموی سلطنت بڑے عروج پر پہنچ گئی تھی۔ لیکن آل عباس اور شیعان علی (سادات) بھی حکومت امویہ کی بربادی کی تدابیر میں مصروف رہے۔ جس کا بہت جلد ظہور ہوا۔

(متعلقہ حاشیہ ۵۰ صفحہ ۴۸) ہاشم اور امیہ کا شجرۂ نسب یہ ہے۔



۵۱ لکھنؤ میں جو واقعات حال میں رونما ہوئے وہ عبرت کے لیے کافی ہیں۔

عباسیوں کی تبلیغ کا داعی اعظم، ابو مسلم خراسانی اور خالد برمکی تھے جنھوں نے ایرانیوں میں مخفی کارروائیوں اور تلوار کے زور سے عباسیوں کا اثر قایم کر دیا تھا۔ اور اموی حکومت کو اِن سازشوں کی کچھ خبر نہ تھی۔ ابو مسلم نے صاحب اقتدار ہو کر دولت عباسیہ کے قیام کا اعلان کر دیا اور مخفی کارروائیاں بند کر دی گئیں۔ ابو العباس کو خلیفہ تسلیم کر لیا اور خراسان میں دولت عباسیہ کی حکومت قایم ہو گئی۔ نئے خلیفہ نے اپنا لقب سفّاح (خون ریز) قرار دیا اور دیار مشرق میں بنو امیہ کا قتل عام شروع ہو گیا اور عباسی سپہ سالار نے خلیفہ مروان کو مصر میں گرفتار کر کے قتل کر دیا اور اموی حکومت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ عباسیوں نے سادات کرام سے عہد کیا تھا کہ غاصبوں (بنو امیہ) سے انتزاع حکومت کے بعد تاج و تخت کے آپ ہی مالک ہوں گے لیکن سلطنت ایسی معمولی شی نہ تھی کہ جو زبانی اقرار پر حوالے کر دی جاتی، علاوہ بریں معاہدے میں صدسالہ تمادی بھی عارض ہو چکی تھی۔

۳ حکومت عباسیہ کا انحطاط اور فاطمین کا خروج

تاسیس حکومت کے بعد عباسیوں کو اب سادات کی اعانت کی مطلق ضرورت نہ تھی لہٰذا سفّاح نے اپنے قدیم دوستوں کو فراموش کر دیا تھا۔ اس بنا پر سادات مشتعل ہو گئے اور انتقام کے منصوبے ہونے لگے چنانچہ سفاح کی وفات پر جب ابو جعفر منصور فرمانروا ہوا تو محمد بن عبد اللہ ملقب بہ نفس زکیہ نے ۱۴۵ھ/ ۷۶۲ء میں خروج کیا اور زبردست مقابلے کے بعد میدان کارزار میں شہید ہوئے۔

امام صاحب کی شہادت پر ان کے بھائی محمد ابراہیم مقابلے پر آئے اور وہ

بھی شہید ہو گئے۔ خلیفہ موسیٰ ہادی عباسی کے عہد میں بمقام فخ (مابین مدینہ و مکہ) حسین بن علی بن حسن بن علی کرم اللہ وجہہ نے خروج کیا یہ بھی بعد مقابلہ جنت کو سدھارے اسی طرح ہارون الرشید کے دور میں یحییٰ بن عبداللہ بن حسن مجتبیٰ حسینی نے ایک زبردست فوج سے دیلم میں ظہور کیا اور شکست کھائی یہ واقعہ ۱۷۶ھ کا ہے۔ رشید کی موت پر خانہ جنگی کے بعد جب مامون الرشید تخت نشین ہوا تو وہ سادات کرام کا فدائی تھا اُس نے ائمہ سادات کے ساتھ بڑے سلوک کئے اور عبداللہ محمد ملقب بہ ابن طباطبا نے ۱۹۹ھ / ۸۱۴ء میں بغاوت کی تو مامون نے اُن کا بھی قصور معاف کر دیا۔ اور انتہا یہ ہے کہ ۲۰۱ھ میں دربار عام میں جس کے اندر صدہا عباسی جمع تھے، امام ہشتم علی رضا کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور درباریوں سے بجبر امام صاحب بیعت لی لیکن یہ جبری کارروائی کامیاب نہ ہوئی چنانچہ آئندہ بھی سادات حصول خلافت کے لئے ریشہ دوانیاں کرتے رہے لیکن اقتدار دولت عباسیہ کے باعث جب حجاز، عراق اور خراسان میں کامیابی نہ ہوئی تو انھوں نے اس مقصد کے لئے شمالی افریقہ کو انتخاب کیا۔ اور دعاۃ کے ذریعے سے استیصال خلافت عباسیہ کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ خلیفہ القایم بامراللہ عباسی کے عہد میں یوم جمعہ جمادی الثانی ۲۹۶ھ / ۹۰۸ء میں ابو عبداللہ مہدی حسینی نے قبیلہ بنو کتامہ کی امداد سے اپنی خلافت کا قیروان میں اعلان کیا۔ مہدی کے نامور پوتے المعز لدین اللہ نے اپنا دارالخلافہ قاہرہ کو بنایا جس کو نامور سپہ سالار جوہر نے المعز کے حکم سے فتح کر لیا تھا۔ یہ واقعہ ۳۶۱ھ / ۹۷۱ء کا ہے اور اس کے بعد قاہرہ مرکز خلافت اور خلفائے فاطمیین کا قبرستان ہو گیا

اس تمہید کے بعد اب ناصر کی مذہبی زندگی پر تبصرہ کیا جاتا ہے۔

۵۔ ابوتمیم معد ملقب بہ المستنصر باللہ فاطمی

مستنصر باللہ ناصر خسرو کا امام تھا یہ خلیفہ الظاہر لاعزاز دین اللہ کا بیٹا تھا جو اپنے باپ کی رحلت پر ۴۲۷ھ/۱۰۳۵ء میں تخت نشین ہوا تھا۔ اور القادر باللہ عباسی کا ہمعصر تھا۔

خلافت عباسیہ، ترکی غلاموں کے اثر سے کمزور ہو کر ہنوز موجود تھی، لیکن خلفائے فاطمیین اسے بھی صفحۂ دنیا سے مٹانا چاہتے تھے، جس کے لئے ایک دارالحکمۃ (فراماسن لاج) قایم تھا اور جس کے نامور معلم (ماسٹر) ناصر خسرو جیسے علامہ تھے۔

۶۔ ناصر خسرو قاہرہ میں

ناصر براہِ شام سفر کرتا ہوا یکشنبہ؎۱، صفر ۴۳۹ھ کو جب قاہرہ میں داخل ہوا ہے تو خلیفہ مستنصر باللہ کے سنہ جلوس کا بارہواں سال تھا۔ قاہرہ میں دو سال تک مقیم رہا اور اسی زمانے میں دو مرتبہ حج کو گیا اور قاہرہ واپس آیا اور چوتھے حج کے بعد بروز جمعہ ۱۹ ذی الحجہ ۴۴۲ھ/۱۰۵۰ء طائف سے اپنے وطن (بلخ) کو روانہ ہو گیا۔

ایوان الکبیر میں عید کی دعوت

خلفائے مصر کا دستور تھا کہ عیدین کے موقع پر وہ عظیم الشان دربار منعقد کر کے ارکان دولت، سادات، علماء، صوفیائے کرام و روسائے شہر کو باریابی کا شرف عطا فرماتے تھے اور سلام و تہنیت کے بعد قصر شاہی (ایوان الکبیر) میں دعوت ہوتی تھی مہمان اپنے اپنے مرتبے کے لحاظ سے مختلف کمروں میں بٹھائے جاتے تھے اور

؎۱ سفرنامہ مطبوعۂ برلن صفحہ ۵۴۔

خلیفہ زرین تخت پر جلوہ افروز ہوتا تھا، ناصر نے جب اس دعوت کا حال سنا تو اس کو بھی امیرالمومنین کی زیارت اور شرکت دعوت کا احساس ہوا چنانچہ سفرنامے میں لکھتا ہے۔[1]

"من بارگاہِ ملوک وسلاطین عجم دیدہ ام چوں سلطان محمود غزنوی

پسرش مسعود ایشاں پادشاہانِ بزرگ بودند بانعمت وتجمل

بسیار، اکنوں میخواہم کہ مجلس امیرالمومنین راہم بہنیم"

چنانچہ دفتر انشار کے ایک معتمد کی سفارش پر صاحب پرالستر (حاجب) نے ناصر کو بھی دربار عید (شوال ۴۴۰ھ ۱۰۴۸ء) میں شرکت کی اجازت دی، یہ پہلا موقعہ تھا کہ ناصر نے امیرالمومنین کو برائ العین دیکھا اور عربی سلطنت کے جاہ و جلال سے متاثر ہوا یہی دربار ناصر کی آیندہ کامیابیوں کا دیباچہ تھا۔ مگر تعجب ہے کہ دربار عید کے بعد ناصر نے سفرنامے میں یہ نہیں لکھا ہے کہ دربار عام میں یا نجی طور پر اس کو کئی مرتبہ امیرالمومنین کی حضوری اور دست بوسی کا موقع ملا۔ اور شریعت کے جو مخفی اسرار وہ حل کرنا چاہتا تھا، اس میں بھی کامیاب ہوا یا نہیں۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ناصر، مستنصر باللہ کے حلقۂ دعاۃ میں شامل ہوگیا اور اسکو فرقہ اسمٰعیلیہ (باطنیہ یا فاطمیہ) کے احکام وضوابط کی تعلیم دی گئی اور جب وہ کل مرحلے طے کر چکا تو اس کو حجت کا منصب دیکر صوبۂ خراسان میں تعینات کیا گیا کہ خلافت فاطمیہ کی حمایت میں وہ (عباسیوں کے خلاف) تبلیغی کام شروع کرے۔

ناصر نے سفرنامے میں یہ حالات قصداً درج نہیں کیے کیونکہ کسی داعی کو یہ اجازت نہ تھی کہ وہ اپنے امام کا جس کے حق میں دعوت دی جاتی تھی نام ظاہر کرے بلکہ ان کو حکم تھا کہ "بدعون للبیعۃ الرضاء من آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔"

---

[1] سفرنامہ صفحہ ۷۸۔

دار الحکمۃ قاہرہ میں ناصر خسرو کی تعلیم

اُس کے عقاید اور فلسفیانہ مذہب

ا۔ سفر مصر اور مذہبی تعلیم ملک شام کے سفر میں، ناصر کو کسی داعی سے فاطمئین مصر کی مذہبی دعوت کا حال معلوم ہوا ہوگا، لہذا وہ شام سے قاہرہ میں داخل ہوا اور یہاں سے دو مرتبہ حج کو گیا۔ اور واپس آیا۔ اور ایوان الکبیر کی شاندار دعوت کے بعد وہ کسی تدبیر سے امیر المومنین مستنصر باللہ کے حضور میں پہنچ گیا لیکن سفر نامے اور مثنویات ناصر میں کسی جگہ اس تعلیم اور تربیت کا ذکر نہیں ہے۔ صرف ایک قصیدے میں امیر المومنین کی ملاقات اور اپنی مذہبی تعلیم کا ذکر کیا ہے۔ اُس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔ قصیدۂ مذکور کا مطلع یہ ہے۔

اے خوانده بسے علم وجہاں گشتہ سراسر
تو بر زمی واز برت ایں چرخ مدور

اس قصیدے میں ناصر لکھتا ہے کہ ۳۹۴ھ میں میری ولادت ہوئی اور جب یہ عمر کی بیالیس۴۲ منزلیں طے ہو گئیں تو تحقیقات مذہب اور حقایق کا شوق پیدا ہوا۔ مثلاً آسمان کیا ہے۔ گردش ایام کس کو کہتے ہیں؟ اور موالید ثلاثہ کی کیا حقیقت ہے؟ چنانچہ اِن حالات کو میں نے علمار سے دریافت کرنا شروع کیا اور خود بھی کتابوں کا مطالعہ کیا تو اس نتیجے پر پُہنچا۔

ا۔ چوں یافتم از ہر کس بہتر تن خود را گفتم ز ہمہ خلق کسے باید بہتر

چوں باز زمرغان وچو اشتر زبہایم　　چوں نخل زاشجار وچو یاقوت زجوہر
چوں فرقان زکتب وچو کعبہ زبناہا　　چوں دل زتنِ مردم وخورشید زاختر
زاندیشۂ غمی گشت مراجاں بہ تفکر　　پُرسندہ شدایں نفس مفکر زمفکر
ازشافعی ومالکی وقولِ حنیفی　　جُستم زمختار جہان واور رہبر

دیوان صفحہ ۱۳۴

کہ "میں تو خود ہی سب سے بہتر ہوں۔ اور اس خیال کے ساتھ ہی دل میں یہ وسوسہ بھی پیدا ہوا کہ تمام دنیا میں ایک ذات ایسی بھی ہونا چاہیے کہ جو سارے جہان سے افضل ہو۔ (امام برحق کی تلاش) کیونکہ نظامِ عالم میں ہر جنس کے اندر بعض صنف کو دوسرے پر فوقیت حاصل ہوتی تھی مثلاً طیور میں باز بہایم میں اُونٹ، درختوں کھجور، جواہرات میں یاقوت، مذہبی کتابوں میں قرآن، عمارات میں کعبہ، اعضائے انسانی میں دل اور سیاروں میں آفتاب کو فضیلت ہے۔

جب یہ خیال میرے دل میں راسخ ہوگیا تو فلسفیوں سے تحقیقات شروع کی اور مذہب شافعی، مالکی وحنفی کو بھی امعان نظر سے جانچنا شروع کیا۔"

اس تمہید کے بعد کہتا ہے۔

یکروز بخواندم زقرآن آیت بیعت　　کایزد بقرآں گفت کہ بردست من از بر
برخاستم ازجائے وسفر پیش گرفتم　　نزخانم یاد آمد و نزگلشن ومنظر
ازپارسی وتازی وازہندی وازترک　　وزسندی ورومی وزعبری ہمہ یکسر
وزفلسفی ومانوی وصابی ودہری　　درخواستم این حاجت وپرسیدم بے مر
ازسنگ بسے ساختہ ام بستر وبالیں　　وزابر بسے ساختہ ام خیمہ وچادر

گاہے بہ نشیبے شدہ ام گوشۂ ماہی | گاہے بسر کوہے برتر ز دو پیکر
گاہے بزمینے کہ در د آب چو مرمر | گاہے بہ جہانے کہ در و کاخ چو اخگر
گہ دریا گہ بالا از رفتن بے راہ | گہ کوہ و گہے ریگ و گہے جوے و گہے جبر
گہ حبل بگردن بر مانند ستربان | گہ بار بہ پشت اندر مانندہ اشتر
پرسیدہ ہمی رفتم ازیں شہر بداں شہر | جوئیدہ ہمی گشتم ازیں بحر بداں بر

کہ میں انھیں خیالات میں محو تھا کہ تلاوت قرآن کرتے ہوئے ایک دن آیت (بیعت رضوان) پر نظر جا پڑی چنانچہ بیعت کی نیت سے اُسی وقت سفر کو نکل کھڑا ہوا۔ یہ عجیب اضطراری سفر تھا اُس وقت مجھے نہ تو اپنا مکان یاد آیا (جو مَردیں تھا)، نہ باغ و پارک کا خیال تھا، صرف یہی اک دُھن تھی کہ جو خیال دماغ میں بسا ہوا ہے، اس کی تحقیقات کروں اس خیال سے دوران سفر میں پارسی، عربی، ہندی، سندھی، رومی، عبری، فلسفی مانوی صابی اور دہری سے جو کوئی بھی ملا اس سے اظہار خیال کیا اور مکرر سوالات کیے گیے۔ (لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا) اس سفر میں مجھے بڑی تکلیف اٹھانا پڑی اکثر پتھروں کے بستر پر سُویا، پتھر ہی کا تکیہ سرھانے رکھا اور خیمے اور چادر کا کام بدلی (ابر) سے لیتا رہا۔ انتہائی نشیبی زمین پر بھی چلنا پڑا، کبھی ایسی پہاڑ کی چوٹیوں سے گزرا جس کی بلندی برج جوزا کی رفعت سے بھی کہیں زیادہ تھی اور ایسی منزلیں بھی طے کرنا پڑیں کہ جہاں سمندر کا پانی یخ ہو کر سنگ مرمر بن گیا تھا اور بعض ایسے گرم مقام آئے جہاں مکان کرۂ نار بن جاتا تھا۔ دریا بھی عبور کیے، ایسی بلندیوں پر چلنا پڑا کہ جہاں راستہ مفقود تھا۔ علاوہ بریں راستے میں پہاڑ، ریگستان اور دریاؤں کا مدو جزر بھی دیکھا۔ کبھی شتربانوں

کی طرح رہتی میری گردن میں بھی اور کبھی پیٹھ پر اونٹ کا سا بوجھ لدا ہوا تھا لیکن باوجود ان مصایب کے دریا اور خشکی کا سفر بدستور جاری رہا اور علمی مسایل کی تلاش اور تحقیقات بھی ہوتی رہی[1]"—— اس کے بعد ناصر کہتا ہے کہ دَوران سفر میں بعض اہلِ علم سے مذہبی گفتگو بھی ہوئی مثلاً :-

گفتند کہ موضوع شریعت نہ بہ عقل است	زیرا کہ بہ شمشیر شد اسلام مقرر
گفتم کہ نماز از چہ بر اطفال و مجانین	واجب نہ شود تا نشود عقل مخیّر
تقلید نہ پذرفتم و حجت نہ نہفتم	زیرا کہ نشد حق بہ تقلید مشہّر
ایزد چو بخواہد کہ کشاید درِ رحمت	دشوارے آساں شود و صعب میسّر

"کسی نے یہ بھی کہا کہ شریعت کو عقل سے کوئی واسطہ نہیں اور دلیل یہ پیش کی گئی کہ اسلام بزورِ تلوار پھیلایا گیا ہے[2]۔

میں نے جواباً کہا کہ اگر شرع کا تعلق عقل سے نہ ہوتا تو بچے اور دیوانے کبھی نماز سے معاف نہ کیے جاتے۔

بہر حال میں نے محض تقلید کی بنیاد پر اس اعتراض کو تسلیم نہیں کیا بلکہ میں دلایل اور مباحثے پر قایم رہا کیونکہ سچّا مذہب تقلید سے حاصل نہیں ہوتا ہے اور یہ امر واقعہ ہے کہ خدا کی رحمت سے جملہ مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔"

الغرض ناصر! خدا خدا کر کے منزلِ مقصود (قاہرہ) تک پہنچ گیا اور اس کے بعد جو واقعات پیش آئے اُس کو ناصر نے اشارے اور کنائے میں

---

[1] سفر نامے سے کل مقامات کی تصدیق ہوتی ہے۔

[2] محمود غزنوی اور سلجوقیوں پر تعریض ہے جنھوں نے بزورِ تلوار فتوحات کی ہیں۔

بیان کیا ہے۔ لیکن ہر شعر میں ایک خاص واقعے کی تصویر کھینچی ہے اور تقریباً مذہب اسمٰعیلہ کے اہم مضامین آگئے ہیں۔ اب اشعار ذیل ملاحظہ ہوں۔

روزے برسیدم بدر شہرے کا نرا — اجرام فلک بندہ بد آفاق مسخّر
شہریکہ ہمہ باغ پر از میوہ پر از گل — دیوار مزیّن ہمہ و خاک مشجّر
شہریکہ من آنجا چو رسیدم خردم گفت — اینجا بطلب حاجت و زین منزل مگزر
رفتم بر دربانش و گفتم سخن خویش — گفتا مبر اندہ کہ بشد کانت گوہر
گفتم کہ مرا نفس ضعیف است و نزند است — منگر بدرستی تن و این گونہ اصفر
دارو نخورم ہرگز بے حجت و برہان — وز درد نیندیشم و نینوشم منکر
گفتا مبر اندوہ من اینجائے طبیبم — بر من بکمن آں علت مشروح و مفسّر
از اول و آخرش بپرسیدم و آنگاہ — از علت تدبیر کہ ہست اصل مدبر
از جنس بپرسیدم و از صنعت و صورت — وز قادر پرسیدم و تقدیر و مقدر
از حال رسولان و رسولات مخالف — وز علت تحریم دم و خمر مخمّر
آنگاہ بپرسیدم از ارکان شریعت — کاین پنج نماز از چہ سبب گشت مسطّر
وز روزہ کہ فرمودش ماہ نہم از سال — از حال زکاتِ درم و زر مدوّر
وز خمس پی عشر چنوی کہ دہند آن — این از چہ مخمّس شد و ان از چہ معشّر
وز علت میراث و تفاوت کہ درو ہست — چون بود برادر یکے و نیمے خواہر
وز قسمت ارزاق بپرسیدم و گفتم — چون است غنی زاہد و بے رنج ستمگر
گفتا بدہم داروئے با حجت و برہان — لیکن بہ نہم مہرے محکم بلبت بر
راضی شدم و مہر بکرد، آنگہ دارو — ہر روز بتدریج ہمی داد مزور
از خاک مرا بر فلک آورد چو یاقوت — چون خاک بدم ہستم امروز معنبر
دستم بکف دست نبی داد بہ بیعت — زیر شجر عالی پر سایہ و مثمر

از رشک ہمی نام نگویمش درین شعر — گویم کہ چنین است کشش افلاطون چاکر
مانندہ وہم گو نہ جد و پدر خویش — در صدر چو پیغمبر و در حرب چو حیدر
در پیش تو استادہ درین جا نہ بہ پیش — این کالبد لاغر با گونۂ اصفر
حقا کہ بجز دست تو بر لب نہ نہادم — جز بر حجر اسود و بر خاک پیمبر

ہر جا کہ بوم تا بزیم من گہ و بیگاہ
بر شکر تو رانم قلم و محبر و دفتر

(دیوان صفحہ ۱۳۴-۱۳۸-)

ناصر کہتا ہے کہ "جب میری دشوار گزار منزلیں ختم ہو گئیں تو مین ایک ایسے شہر میں داخل ہوا۔ جس کے خادم نہ صرف اجرام فلکی تھے بلکہ ساری دُنیا تابع فرمان تھی۔ یہ ایسا شہر تھا۔ جس کے باغ میوے اور پھولوں سے لدے ہوئے تھے۔ شہر کی دیواریں خوبصورت اور زمین منجر (وہ کپڑا جس پر درختوں کے نقش و نگار ہوں، تھی۔

جب میں اس شہر میں پہنچ گیا تو عقل نے کہا کہ اب یہاں سے آگے نہ بڑھنا۔ اسی جگہ مقصد بر آری ہوگی۔ اس کے بعد میں شہر کے دربان (امام وقت مستنصر باللہ مراد ہی) کے پاس گیا اور اپنا مدعا بیان کیا اس نے مجھے اطمینان دلایا اور فرمایا کہ "اب رنج نہ کرو تم کو گوہر مقصود مل گیا۔" میں نے عرض کیا کہ میرا نفس کمزور اور ذلیل ہی لہذا میری صحت جسمانی اور رنگ کی زردی پر کچھ خیال نہ کیا جائے اور باوجود علالت میں بغیر بحث و حجت کے ہرگز کوئی دوا استعمال نہ کرونگا مجھے اپنے درد کی کوی فکر نہیں ہی اور میں شرع کے خلاف بھی کوئی بات نہ سونگا۔ یہ سنکر ارشاد ہوا کہ "ناصر! اب غم نہ کر میں طبیب ہوں مجھ سے اپنی بیماری کا حال تفصیل

سے بیان کرے" چنانچہ میں نے اول سے آخر تک سوال کیے اور ہر مرض کا علاج بھی دریافت کیا۔ میں نے علت و معلول، جنس، صنعت و صورت، اقادر و تقدیر، اور ارکان شریعت کی تفصیل اور الفاظ مذکور کے معنے پوچھے اور یہ بھی سوال کیا کہ نماز پنجگانہ کیوں فرض کی گئی ہی۔ اِس کے بعد روزے اور زکات کی فرضیت کا سوال کیا اور مسئلہ زکوٰۃ میں یہ بھی پوچھا کہ آمدنی سے عشر (دسواں حصّہ) اور خمس (پانچواں حصّہ) کی جو رقم بر آمد کی جاتی ہی۔ اس کی تخصیص کیوں ہی۔؟

علم الفرایض (تقسیم مال مردہ) میں یہ اُلجھن تھی کہ تقسیم ترکہ میں بھائی کے مقابلے میں بہن کا حِصّہ نصف کیوں مقرر کیا گیا اور انسان کو خدا کی طرف سے جو رزق ملتا ہی، اس میں یہ پریشانی تھی کہ زاہد ہمیشہ تکلیف اٹھاتا ہی۔ اور ظالم آرام سے رہتا ہی۔ خدا نے تقسیم رزق میں مساوات کا قانون کس لئے نہیں جاری کیا؟[۱] میری یہ تقریر سنکر طبیب نے جواب دیا کہ "میں تیرا باضابطہ (دلایل کے ساتھ) علاج کرونگا، مگر شرط یہ ہی کہ تیرے لبٗ پر مضبوط مہر لگائی جائے گی (حلف رازداری مراد ہی) میں نے رضامندی ظاہر کی تو لبوں پر مہر لگا دی گئی، علاج شروع ہوا، اور مجھ بیمار کو آہستہ آہستہ وہ غذائیں دی گئیں، جو مرغوب خاطر تھیں اس علاج نے میری مشت خاک کو یاقوت کی طرح مجلی کر دیا۔ خلاصہ یہ ہی کہ امام کے ہاتھ پر میں نے بعیت کی اور گویا یہ بعیت رسول تھی، جو درختوں کے سایہ میں کی گئی (بعیت رضوان کی طرف اشارہ ہی) امام کا نام بھی میں رشک کی وجہ سے لینا نہیں چاہتا ہوں۔ صرف اس قدر کہتا ہوں کہ حکیم افلاطون اس کا ایک ادنیٰ چاکر ہی۔

---

[۱] جملہ مسایل وہ ہیں جن کے مخفی مطالب صرف امام بتا سکتا تھا۔ اور جس کا نام باطنیہ کی اصطلاح میں تاویل شریعت ہی۔

اور وہ امام صورت اور حسن و جمال میں اپنے دادا، اور باپ سے مشابہ ہے۔ مجلس میں جب وہ صدارت کرتا ہے تو اس میں شان پیغمبر اور میدانِ کارزار میں حیدرِ کرار کا جلوہ نظر آتا ہے۔

اب میں موٹے کپڑے پہنے ہوئے (نحیف جسم اور زرد رنگ میں) تیرے سامنے کھڑا ہوں اور خدا کی قسم کھا کر عرض کرتا ہوں کہ حجر اسود اور مزار نبوی کے بعد تیرے ہاتھ کا بوسہ لیا ہے۔ اب میں رخصت ہوتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ جب تک زندہ رہوں گا اور جہاں کہیں بھی رہونگا تیری شکر گزاری میں میرا قلم چلتا رہے گا۔"

خدا کا شکر ہے کہ ناصر کی سیرت کا سب سے مہتم بالشان اور مخفی کارنامہ مل گیا اور وہ قاہرہ کی مذہبی تعلیم و تربیت ہے جس کو اُس نے خود اپنے ہی قلم سے لکھا ہے۔ چنانچہ دو سال کی مذہبی تعلیم کے بعد وہ قاہرہ سے رخصت ہوا اور امیر المومنین مستنصر باللہ نے اس کو داعی الکبیر اور حجت کا منصب عطا کر کے خراسان کو رخصت کیا کہ وہ اِس صوبے میں مذہب اسمٰعیلی (فاطمیہ یا باطنیہ) کی تبلیغ کرتا رہے۔

اس قصیدے میں ناصر نے امام کا نام مخفی رکھا ہے، البتہ دوسرے قصاید میں نام کا اعلان کیا ہے اور اس موقع پر نام کا ظاہر نہ کرنا شاید اُس حلف کا نتیجہ ہو گا جو ناصر سے بیعت کے وقت لی گئی تھی اور جس میں اُس نے اسمٰعیلی مشن کے تمام رازوں کو پوشیدہ رکھنے کا عہد کیا تھا۔

قاہرہ میں غالباً اس کو خواجہ موید نے بھی مذہبی تعلیم دی جس کا ایک قصیدے میں اتفاقیہ نام آگیا ہے۔

که کرد از خاطر خواجه موید — درِ حکمت کشاده بر تو یزداں

بپرسیدم زخواجہ شرح ایں حال　　سر قصہ مرا بنمود و پایاں!
مرا گفت ایں خداوند زمان است　　کہ بگزیدش خدا از انس واز جاں

دیوان صفحہ ۲۳-۲۲۔

۱۱۔ سیاحت مصر سے قبل ناصر کا مذہب کیا تھا

ناصر کا سیاحت مصر سے قبل کیا مذہب تھا؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔

مجمع الفصحار کی روایت ہے کہ وہ اثنا عشری شیعہ تھا اور اس کے نزدیک یہی مذہب حق تھا لیکن سفرنامے کی عبارتیں اس کے خلاف ہیں۔ حالات شام (طبریہ) میں لکھتا ہے۔

گور ابی ہریرہ آنجا ست، بیرون شہر در جانب قبلہ، اما کسے آنجا بزیارت نتواند رفتن کہ مردمان ایں جا شیعہ باشند و چوں کسے آنجا بزیارت رود کودکاں غوغا و غلبہ بسر آنکس برند و زحمت دہند و سنگ انداز ند ازیں سبب من نتوانستم زیارت آں کردن۔"

حالات طرابلس میں تحریر ہے۔

مردم این شہر ہمہ شیعہ باشند و شیعہ بہر بلاد مساجد نیکو ساختہ اند و آنجا خانہ ہا ساختہ، بر مثال رباطہا اما کسے در آنجا مقام نمے کند و آنرا مشہد خوانند۔

حالات بصرہ میں لکھتا ہے۔ در بصرہ بنام امیر المومنین علی سیزدہ مشہد است یکے از آں مشہد بنی مازن۔ و عائشہ رضی اللہ عنہا بحرب آمدہ بود۔

۲۔ ان عبارتوں کو پڑھکر کون کہ سکتا ہے۔ کہ ناصر شیعہ تھا، البتہ قاضی نور اللہ شوستری نے اپنی مشہور کتاب مجالس المومنین میں ناصر کے بیٹے خواجہ معین الدین کی نسبت بصراحت لکھا ہے کہ وہ شیعہ تھا اور ملک شاہ سلجوقی کے دفتر الانشا میں ملازم تھا لیکن اُس نے کبھی تقیہ نہیں کیا۔ بلکہ آزادی سے مذہبی ارکان ادا کرتا رہا۔

قاضی صاحب نے تعجب ہے کہ ناصر کے مذہب پر خامہ فرسائی نہیں کی ورنہ مجالس المومنین میں اہل سنت وجماعت کے مشہور ائمہ بھی خلعت تشیع سے محروم نہیں رہے ہیں ان کے نزدیک امام غزالی بھی شیعہ تھے۔

بعض اصحاب کہہ سکتے ہیں کہ سلاطین سلجوقیہ حنفی مذہب رکھتے تھے لہذا ناصر نے تقیہ کرلیا ہوگا؛ لیکن ناصر جیسے باستباز حکیم وفلسفی سے یہ امید نہیں ہے کہ وہ اس جرم کا مرتکب ہوا ہو کیونکہ تقیہ نفس کا ایک فریب ہے اور اخلاقی جرأت کے بھی خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ واپسی مصر کے بعد ناصر نہ حنفی تھا نہ خالص شیعی بلکہ وہ ٹھیٹ باطنی تھا اور وہ اس مذہب کو برحق سمجھتا تھا۔ اور قبول مذہب میں ہر انسان آزاد ہے، سائیکلوپیڈیا کی روایت ہے کہ ناصر کے ابتدائی تیس ۳۰ سال حنفیت میں گزرے تھے۔ لہذا ناصر پر تبدیلیٔ مذہب کی فرد جرم لگانا خلاف قانون ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد اب ناصر کے اجزائے مذہب کی تشریح کی جاتی ہے۔ جس سے دیوان مالا مال ہے۔

۳۔ تنزیل و تاویل | فرقۂ باطنیہ کا سب سے بڑا اور اہم اصول یہی ہے۔ کہ قرآن کی اصلی تعلیم تاویل میں ہے اور ظاہری الفاظ قابل عمل نہیں ہیں۔ جسکو دوسرے الفاظ میں یہ کہنا چاہیے کہ ہر ظاہر کے لیے ایک باطن ہے۔ اب اسناد ذیل ملاحظہ ہوں۔

دریائے سخن ہا سخن خوب خدا یست　　　پر گوہر و یاقوت و پر از لولوے لالا

ترجمہ { کلام اللہ کی آیات میں ہے شان دریا کی
بھرے ہیں جس میں یاقوت و درِ چھپے ہیں لولوے لالا }

شور است چو دریا بہ مثل ظاہر تاویل — تاویل چو لولوست سوئے مردم دانا

نہیں شوراب سے کم ظاہر تنزیل تلخی میں
سمجھتا گوہر شہوار ہے تاویل کو دانا

اندرین دریاست ہمہ گوہر و لولو — غواص طلب کن چہ دوی بر لب دریا

بھر اگر چاہتا ہے موتیوں سے جیب و داماں کو
لگا اک غوطہ دریا میں، کنارے پر پھرا ہے کیا

اندرین شوراب زبہر چہ نہادست — چندین گہر و لولوء ارزندہ و زیبا

بنایا موجِ آب شور کو جس وقت خالق نے
جواہر ریز گوہر خیز و گوہر بیز و گوہر زا

از بہر پیمبر کہ بدیں صنع ورا گفت — تاویل بہ دانا دہ و تنزیل بہ غوغا

کہا اپنے رسول پاک سے اِس کا یہ مطلب ہے
کہ نادان کے لئے ہے لفظ دانا کے لیے معنیٰ

۴۔ حشر و نشر | ناصر، باطنی ہونے سے قبل حشر اجساد کا معتقد تھا لیکن بعد میں منکر ہو گیا تھا۔ علمائے خراسان اس عقیدے کے اعلان پر اُس کے مخالف ہو گئے تھے دیوان میں جس قدر اشعار ہیں وہ نقل کیے جاتے ہیں

ایں نو شگوفہ زندہ، سر از باغ برزدہ — بر ما ز روز حشر و قیامت گواشدہ ہست

بنگر نبات مردہ کہ چوں زندہ شد بہ تخم — آنگہ بنو د تخم چگونہ فنا شدہ ہست
(صفحہ ۲۰)

اقرار کن بروز قضا چوں بچشم سرت — نوروز مرکیاں را روز قضا شدہ است

گومیت چگونہ شود، زندہ کو ہلاک شود — آب باز آب شود، خاک باز خاک شود

جانش زی فراز شود، تنش زی مغاک شود — تن سوئے پلید شود ۔ پاک باز پاک شود
(صفحہ ۱۰۴)

ہیچ میندیشس اگر ز کالبد تو — خاک بجائے شود ہوا بہ ہوائے
(صفحہ ۲۹۹)

۴۔ انکار حشر جسمانی — پروفیسر شیفر نے فرنچ ترجمے میں ناصر کے اشعار نقل کیے ہیں جس سے انکار حشر جسمانی ثابت ہے

۵۔ ارکان حج پر تعریض — فرقہ اسمٰعیلہ میں حج سے کیا مراد ہے؟ یہ بحث ارکان خمسہ اسلام میں آئے گی فی الحال

اشعار ذیل ملاحظہ فرمایئے۔

حاجیاں آمدند با تعظیم — شاکر از رحمت خدائے رحیم
آمدہ سوئے مکہ از عرفات — زدہ لبیک عمرہ از تنعیم
یافتہ حج و عمرہ کردہ تمام — بازگشتہ بسوئے خانہ سلیم
من شدم ساعتے باستقبال — پائے کردم برون زحد گلیم
مرمرا در میان قافلہ بود — دوستے مخلص و عزیز و کریم
گفتم او را بگوئے چون رستی — زین سفر کردن برنج و بیم
تا ز تو باز ماندہ ام جاوید — فکر تو را ندامت است ندیم
شاد گشتم بدانکہ حج کردی — چوں تو کس نیست اندرین اقلیم
باز گو تا چگونہ داشتہ — حرمت آں بزرگوار حریم
چوں ہمی خواستی گرفت احرام — چہ نیت کردی اندر آں تحریم
جملہ برخود حرام کردہ بدی — ہرچہ ما دون کردگار عظیم
گفت نے گفتمش زدی لبیک — از سر علم و ز سر تعظیم

مے شنیدی ندآے حق و جواب   باز دادی چنانکه داد کلیم
گفت نے، گفتمش چو در عرفات   ایستادی و یافتی تقدیم
عارف حق شدی و منکر خویش   بتو از معرفت رسید نسیم
گفت نے، گفتمش چو میرفتی   در حرم همچو اہل کہف و رقیم
ایمن از شر نفس خود بودی   وز غم حرقت و عذاب جحیم
گفت نے، گفتمش چو سنگ جمار   ہمی انداختی بدیو رجیم
از خود انداختی برون یکسو   ہمہ عادات و فعلہاے ذمیم
گفت نے، گفتمش چو مے کشتی   گوسفند از پے اسیر و یتیم
قرب خود دیدی اول و کردی   قتل قربان نفس دون لئیم
گفت نے، گفتمش چو گشتی تو   مطلع بر مقام ابراہیم
کردی از صدق و اعتقاد و یقین   خویشئ خویش را بحق تسلیم
گفت نے، گفتمش بوقت طواف   کہ دویدی بہروله چو ظلیم
از طواف ہمہ ملائکیان   یاد کردی بگرد عرش عظیم
گفت نے، گفتمش چو کردی سعی   از صفا سوے مروہ بر تقسیم
دیدی اندر صفاے خود کونین   شد دلت فارغ از جحیم و نعیم
گفت نے، گفتمش چو گشتی باز   ماندہ از ہجر کعبہ دل بدو نیم
کردی آنجا بگور مر خود را   ہم چنانی کنون کہ گشتہ رمیم
گفت ازین باب ہرچہ گفتی تو   من ندانستہ ام صحیح و سقیم
گفتم اے دوست پس نکردی حج   نشدی در مقام محو مقیم
رفتہ و مکہ دیدہ آمدہ باز   محنت بادیہ خریدہ بہ سیم

گر تو خواہی کہ حج کنی پس ازین

اس جنیں کن کہ کردمت تعلیم

۶۔عبرت ونصیحت وصنایع قدرت۔

بچشم نہاں بیں نہان جہاں را   کہ چشم عیاں بیں نہ بیند نہاں را

چگونہ کند با قرار آسمانت   چو خود نیست از بن قرار آسمان را

ترجمہ

لینے دے آسمان تجھے چین کس طرح

خود بھی نہیں ہو جبکہ قرار آسمان کو

سرآں جہاں نردبان ایں جہاں است   بسر بر شدت باید این نردبان را

دنیا کو تو وسیلۂ عقبیٰ قیاس کر

سیڑھی کی احتیاج ہو بیشک مچان کو

دریں بام گردوں و این بام ساکن   بہ بیں صنعت و حکمت غیب داں را

ان دونوں گنبدوں کے قرار و فرار میں

دیکھ آفریدگار کی صنعت کی شان کو

بگہہ کن کہ چوں کرد بے ہیچ حاجت   بجان سبک جفت جسم گران را

کس طرح امتزاج ثقیل وخفیف سے

ڈھالا ہے اس نے جسم کے قالب میں جان کو

کہ آویختست اندریں سبز گنبد   مراینسا تیرہ گوئے درشت کلاں را

لٹکا دیا ہے سقف زبرجد کے وسط میں

اک قمقمے کی شکل میں اس خاکدان کو

چہ گوئی کہ فرساید ایں چرخ گرداں   چو بیہدہ مر بشمر د سالیاں را

گردش سے چرخ گھس نہیں سکتا کسی طرح

پکھ اس پہ حق نہیں ہی مرورِ زمان کو

نہ فرسودنی ساختہ ہست این فلک را		نہ آب روان را و بادبزان را

فرسوگی کی قید سے اس نے رہا کیا

پانی کی اور ہوا کی طرح آسمان کو

مکان و زماں ہر دو از بہر صنعت		ازین نیست حدے زمین و زماں را

یہ دونوں کردگار کی صنعت پہ ہیں گواہ

حد اس لیے نہیں ہی زمان و مکان کو

اگر گوئی این در قران نیست گویم		ہمانا نکو مے ندانی قران را

جو یہ کہے نہیں ہی یہ قرآن میں کہیں

اچھی طرح پڑھا نہیں اس نے قران کو

قران را یکے خازنے ہست کایزد		حوالت بدو کردہ مر انس و جاں را

ہی خازن کلام الٰہی وہ ایک شخص

جس کے سپرد اُس نے کیا انس و جان کو

تو بر آں گزیدہ خدا و پیمبر		گزیدی فلاں و فلاں را

صفحہ ۲-۳

حکم خدا و حکم پیمبر کو چھوڑ کر

کرتے ہو پیش قول فلان و فلان کو

ذایبلہ رابعہ وغیرہ،

سلہ امیرالمومنین مستنصر باللہ فاطمی اسمٰعیلی مراد ہی۔

صوبۂ خراسان میں ناصر خسرو کی تبلیغی خدمات اور ناکامی کے اسباب

۶ر جمادی الثانی ۴۳۷ھ (۱۹ر دسمبر ۱۰۴۵ء) میں ناصر خسرو سیاحت کو مرو سے روانہ ہوا تھا اور ۲۶ر جمادی الثانی ۴۴۴ھ (۲۳ر اکتوبر ۱۰۵۲ء) کو اپنے وطن بلخ میں داخل ہوا۔ اور کچھ مدت قیام کر کے بلخ سے مذہبی خدمات کے لیے، پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور خراسان کو روانہ ہوا کیونکہ اس صوبے کی خدمت (حجت) اسکو دربار خلافت قاہرہ سے مل چکی تھی لیکن تعجب ہے کہ سفرنامے میں مطلق صراحت نہیں ہے۔ اور واقعہ یہ ہے۔ کہ اصفہان سے پہلے وہ گیلان اور رستم دار ہوتا ہوا، ماژندران و بلغار کو روانہ ہوا تھا لیکن اس دیار کے فقہا نے اس پر زندقہ و الحاد کا الزام لگایا لہذا وہ چھپ کر خراسان چلا گیا چنانچہ اس دورے کا مختصر حال ہم لکھ چکے ہیں جس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ ناصر نے عراق عرب کی سیاحت میں بغداد کا بھی ذکر نہیں کیا ہے۔ حالانکہ اس نے فرات سے بصرہ کو عبور کیا تھا اور نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ کی بھی زیارت کی تھی (جس کے اشارے دیوان میں موجود ہیں) ان واقعات کے مخفی رکھنے کا یہ سبب ہے۔ کہ ان مشاہد کی زیارت شیعان علی سے مخصوص ہے اور عتبات عالیات کی جبہ سائی کے بعد وہ حاجی کے معزز خطاب سے ممتاز ہو جاتے ہیں اور یہ طرز عمل صدیوں سے جاری ہے۔ اور تقریباً یہی طریقہ سنیوں کا ہے کہ باستثنائے شاذ و نادر عراق سے کربلا و مشہد مقدس

کا سفر نہیں کرتے ہیں، لیکن ناصر نے جو کچھ کیا وہ سیاسی اسباب سے مجبور تھا مفصل حال درج روزنامچہ کرنے سے وہ مزید آفات میں مبتلا ہو سکتا تھا سیاحت مذکور کی مدت تقریباً دو سال تھی جو ۴۴۲ھ مطابق ۱۰۵۰ء میں ختم ہو گئی۔

دعوت خراسان روضۃ الصفا، حبیب السیر اور دبستان مذاہب کی روایت ہے کہ ناصر واپسیٔ مصر کے بعد تبلیغ مذہب فاطمیہ کے لیے خراسان گیا تھا اور کئی سال تک اضلاعِ خراسان کی خاک چھانتا پھرا، لیکن علمائے عصر کی مخالفت سے کہیں کامیاب نہیں ہوا اور ناکامی کا خاص سبب یہ ہے کہ اس کے پاس حسن صباح کی طرح دعاۃ اور فدائیوں کی فوج نہ تھی اور نہ اس کے پاس مصنوعی جنت تھی کہ وہ اپنے مریدوں کو سبز باغ دکھا کر جاں نثار غلام بنا لیتا نہ مالی سرمایہ تھا وصول زکوٰۃ کا اہتمام نہ تھا، علاوہ بریں یہ ایک واقعہ ہے کہ حکیمانہ وعظ و پند اور فلسفیانہ دلایل سے عوام مستفید نہیں ہوتے ہیں، بلکہ یہ طرز تبلیغ صرف اہل علم کے لیے ہے جس کی بہترین مثال ہندوستان میں قادیانی تحریک ہے۔

خراسان میں کس شہر کو ناصر نے مرکز بنایا تھا اس کا اظہار نہیں کیا ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ مختلف امصار و دیار میں دورہ کرتا رہا اور شیخ ابوالحسن خرقانی کے مشورے سے وہ خراسان آیا تھا۔[۱]

فقہائے احناف خون ناصر کے پیاسے تھے اور اس کا سبب کیا تھا اشعار ذیل ملاحظہ ہوں۔

الف۔ فقیہہ بخارا سے خطاب۔

---

[۱] تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی حالات ناصر

کاں کور دل ندارد پز رفتن
پند سوار دلدل شہبا را

حجت زبہر شیعت حیدر گفت
ایں خوب و خوش قصیدۂ غرا را

آں زاہد و بہل کہ ہمی گوید
من دیدہ ام فقیہ بخارا را
از صفحہ ۱۷

چنیں چوں گفتی اے حجت کہ بر جہاں ایں امت
فرو بارد ز خشم تو ہمی اندوہ و طوفاں ہا
صفحہ ۲۰

ب ۔ حکام خراسان پر چوٹ ۔

حاکم در جلوۂ خوباں بروز
نیم شباں محتسب اندر شراب

خون حسین آں بچشد در صبوح
ویں بخورد ز اشتر صالح کباب
صفحہ ۲۸

ج ۔ فقہائے خراسان کی ہجو ۔

این قوم کہ ایں راہ نمودند شما را
زی آتش جاوید دلیلان شما اند

ایں رشوت خواراں فقہا اند شما را
ابلیس فقیہ است گر اینہا فقہا اند

از بہر قضا خواستن و خوردن رشوت
فتنہ ہمگان در کتب بیع و شرا اند
صفحہ ..

بر سر منبر سخن گویند مرہ باش را
از بہشت و خوردن و حوران ہمی زانسان کند
صفحہ ۸۱

د ۔ ائمہ اربعہ پر ضرب کاری ۔

جملہ مقر اند این خراں کہ خداوند
از پس احمد پیمبرے نفرستاد

وانکہ تو گرد ز بوحنیفہ بگردی
بر فلک مہ برند لعنت و فریاد

دستِ[1] بگیرد زبوحنیفہ رسولت — طرفہ ترا ست ایں سخن زطرفۂ بغداد

صفحہ ۹۲ (طرفۂ بغداد خلفائے عباسیہ)

(۸) شاعروں پر حملہ

اے شعر فروشان خراساں بشناسید — ایں ژرف سخنہائے مرا اگر شنوا اید

صفحہ ۹۸

(۹) علمائے خراسان سے دو دو باتیں۔

بر روغ وزنا و می خوردن — روز و شب ہچو زاغ ناہارند

ور دو لیعت نہند مال یتیم — نزد ایشاں غنیمت انگارند

گر درست ست قول معتزلہ — ایں فقیہاں بہ جملہ کفارند

صفحہ ۱۰۰

نہ صرف ماژندران وبلغار بلکہ بلخ، نیشاپور اور ہرات کے علماء و فقہا۔ ناصر کی تلخ گوئی اور اُس کے الحاد سے آمادہ جنگ رہتے تھے۔

بادۂ پختہ حلال است بہ نزد تو — کہ تو بر مذہب بو یوسف ونعمانی

کتب حیلت چوں آب زبر داری — مفتیٔ بلخ و نشاپور و ہری رانی

ردیف الف سے یائی تحتانی تک کلیات ناصر کا مطالعہ کیا گیا۔ ناصر نے مذہبی نقطۂ نظر سے گستاخی اور رغوخیاں ائمہ دین متین، علما، فقہا اور حکام دولت سے کی تھیں۔ ایسی حالت میں وہ دیار خراسان میں کیونکر کامیاب ہوسکتا تھا۔ چنانچہ اخیر برسوں کی پریشانی کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ وہ مستقر خراسان سے فرار ہوکر درۂ یمگان میں چلا آیا

---

[1] خلفائے عباسیہ خود رکن شریعت تھے۔ ان کا مذہب قرآن وحدیث تھا لیکن عموماً حنفیت کے تابع تھے، امام ابو حنیفہ کے شاگرد رشید ابو یوسف قاضی القضاۃ تھے۔ ناصر تقلید امام ابو حنیفہ پر حیرت کا اظہار کرتا ہے۔

اور اسی جگہ سپرد خاک کیا گیا۔ اور قرینے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اشاعت مذہب کے لیے دربار مصر سے بھی کسی اعانت کی خواہش نہیں کی گئی ورنہ کم از کم مال و دولت سے بے نیاز ہو جاتا اور فقر و فاقہ سے محفوظ رہتا۔

۲۔ خانقاہ یمکان میں ناصر خسرو کا قیام، مصایب و آلام کا ہجوم، یاد وطن، گوشۂ عزلت اور شاعری،

۴۴۷ھ / ۱۰۵۵ء سے ۴۸۱ھ / ۱۰۸۸ء تک ناصر خسرو کے واقعاتِ حیات مجمل ہیں تاہم صحیح روایات، قرائن اور اس کی تصنیفات سے اس زمانے کی تقسیم اس طرح پر ہو سکتی ہے۔

سیاحت صوبۂ خراسان	۴۴۷ – ۵۱ھ مطابق ۱۰۵۵ – ۵۹ء	۵ سال خدمات تبلیغ
قیام یمکان	۴۵۲ – ۸۱ھ مطابق ۱۰۶۰ – ۸۸ء	〃

یمکان کے حالات میں فسانہ آمیز روایات بکثرت ہیں اور واقعات بے غیر سند سنہ و سال لہذا ناصر کے قصاید او مثنویات وغیرہ سے مستند حالات انتخاب کر کے پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ **یمکان کا جغرافیہ** | یمکان[1] کا رسم الخط "یم کان" (بمعنی ہزار کان) ہے کیونکہ

---

[1] نگارستان فارس آزاد، آثار البلاد قزوینی مطبوعہ گاٹنجن ۱۸۴۸ء

اس علاقے میں جواہرات و معدنیات کی کانیں بافراط ہیں۔

بدخشاں کی پہاڑیاں جواہرات اور نگینوں کے لیے عہد قدیم سے مشہور ہیں خصوصاً۔ بلخش (لعل کی ایک خاص قسم ہی) ضرب المثل ہی۔ کسی شاعر کا قول ہی

ہو وطن میں خاک میرے گوہر مضمون کی قدر
لعل قیمت کو پہنچتا ہی بدخشاں چھوڑکر

فرہنگ انجمن آرائی ناصر کی تحریر ہی۔

یمکان قصبہ ایست از ولایت بدخشاں، بہ سمت کاشغر کہ مدفن ناصر خسرو است، چونکہ از جانب شیعۂ اسمعیلہ بر اہل خراسان حجت بود لہذا تخلص خود کردہ پنج دیوان از دیادگارست

شمس العلماء محمد حسین آزاد دہلوی تذکرہ نگارستان فارس میں لکھتے ہیں

"یمکان ایک نہایت ٹھنڈا قطعہ ہی۔ فقط دو مہینے زمین برف سے خالی نظر آتی ہی، نہیں تو کوہ و دشت سفید رہتے ہیں"

اور یقین ہی کہ یہ رباعی ناصر نے وہیں کہی ہوگی ؎

دوشینہ شبے کہ برف تا دوشم بود
زانو چو عروس نو در آغوشم بود
پوشیدنئے نبود غیر از چشم
چیزے کہ بزیر سر نہم گوشم بود

قزدینی نے یمکان کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں مگر افسوس ہی کہ میری یادداشت دیمک کی خوراک بن چکی ہی۔ خلاصہ یہ ہی۔

"یمکان ایک مستحکم شہر ہی اور بدخشاں کے قریب پہاڑوں کے وسط میں آباد ہی جس کا فتح کرنا بھی مشکل ہی، ناصر نے بلخ سے آکر یمکان میں عجیب و غریب عمارتیں تیار کرائی تھیں جو متحرک نظر آتی تھیں۔ باغ اسقدر وسیع تھا کہ تمام شب چلکر

اس کے اخیر تک پہنچے تھے۔

اور حمام عجایبات عالم میں شمار ہوتا تھا۔ بغیر ادائے اجرت حامی خدمت کرتے تھے اور غسل کے تمام لوازمات (لنگی، آئینہ، کنگھی وصابون وغیرہ) موجود رہتے تھے۔ چنانچہ یہ آثار صدیوں تک باقی رہے۔"

انسائکلوپیڈیا کی روایت ہی کہ ناصر نے یمکان میں داعی ہونیکا اعلان کیا تھا

۲- ناصر یمکان میں

ناصر کی خود نوشت سوانح عمری جو دیوان (مطبوعہ بمبئی) کے ساتھ شایع ہوی ہی۔ اس میں یمکان کی آمد کا ایک دلچسپ واقعہ ہی، جس سے ناصر کی مذہبی زندگی پر روشنی پڑتی ہی۔ لکھتا ہی۔

تہستان سے روانہ ہوکر میں نیشاپور کی ایک مسجد میں مقیم ہوا اور میرا ایک شاگرد بھی ساتھ تھا۔ نیشاپور میں کوئی مجھ سے واقف نہ تھا چنانچہ ایک دن میں سیر کو نکلا مساجد اور مدارس میں بھی گزر ہوا تو میں نے سنا کہ ہر شخص میرے نام پر لعنت بھیجتا ہی اور میں کافر و زندیق کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہوں۔"

ایک دن میں بازار کی سیر کر رہا تھا کہ ایک مصری باشندے نے مجھے پہچان لیا اور مخاطب کر کے کہا کہ آپ ناصر ہیں اور یہ آپ کا بھائی ابو سعید ہی!

میں نے بھی اقرار کیا اور اس شخص کو باتوں میں لگا کر قیام گاہ تک لے گیا اور کثیر مقدار میں سونا طلا، دیکر اخفائے نام کی تاکید کی اور اس ترکیب سے نیشاپور میں محفوظ رہا۔"

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک دن جوتہ گٹھوانے بازار گیا ہوا تھا، موچی اپنے کام میں مصروف تھا کہ یکایک غور بلند ہوا۔ موچی بھی بھاگا ہوا گیا کچھ دیر بعد دیکھا کہ ابو سعید تنہا چلا آتا ہے اور اس کے پیچھے موچی بھی سوتالی (درفش) کی نوک میں ایک گوشت کی بوٹی لیے آرہا ہے۔ حال پوچھا تو موچی نے کہا کہ "ناصر خسرو کا ایک شاگرد کسی عالم سے مباحثہ کر رہا تھا۔ اس کی تقریر کو عالم نے روک دیا اور دلائل پیش کرنے کی ہدایت کی شاگرد نے اثبات دعوے میں ناصر کے ملحدانہ اشعار سنائے چنانچہ بنظر ثواب اس عالم نے شاگرد مذکور کو قتل کر دیا اور جسم کی بوٹیاں کر ڈالیں اور سب ایک ایک بوٹی تبرک کی طرح لے گیے اور دیکھو میں بھی یہ ایک بوٹی لایا ہوں۔"

یہ سنتے ہی میں اپنا جوتہ لیکر بھاگا کہ جس شہر میں میرے نام کے سبب سے شاگرد کا یہ حال ہوا تو میرا کیا ٹھکانا ہے؟

چنانچہ ابو سعید کے ہمراہ فرار ہو کر، جنگل اور پہاڑوں میں چھپتا ہوا۔ بدخشاں پہنچا۔ یہاں مجھکو اس قدر آرام ملا کہ میں بغداد اور مصر کو بھی بھول گیا۔ کچھ مدت کے بعد حکیم نصراللہ مادری جو سنی المذہب اور صوفی بھی تھا وہ میرا دشمن ہو گیا اور علی بن اسد عکوی سے جو بدخشاں کا فرمانروا تھا، میرے قتل پر اصرار کیا۔ میں یہ خبر سنتے ہی بدخشاں سے یمکان چلا گیا۔ یہ سادات کی بستی تھی۔ عامل یمکان نے مجھے مہمانوں کی

طرح رکھا لیکن فقہائے خراسان و بدخشاں ہنوز میرے خلاف تھے یمکان کی فضا مجھے بہت پسند آئی۔ لہذا سکونت کے لیے میں نے غار میں مکان بنایا اور گوشہ گیر ہو کر مصروف عبادت ہوا اور پچیس سال تک یمکان میں قیام رہا۔"

اسی سلسلے میں ناصر خسرو کے اشعار ذیل بھی قابل ملاحظہ ہیں۔

گویدت فلاں کز چنیں سخن ہا — ماندہ است فلاں فلاں بہ یمگاں
منکر بہ سخن ہائے او از یراک — تر کانش براندند از خراساں
نہ میر خراساں پسند داورا — نہ شاہ سجستان نہ میر ختلاں
طعنہ چہ زنی مرمرا بداں کم — از خانہ براندند اہل عصیاں
زیرا کہ براندند مصطفےٰ را — ذرّیت شیطان از اہل و اوطاں
بر نوح نبی سرزنش نباید — کو رفتہ بہ کوہ از میان طوفاں
دردیں بہ خراسان کہ شست جز من — رخسارۂ دعوی بآب برہاں!

من شیعت اولاد مصطفےٰ ام
دردیں نزوم جز براہ ایشان

دیوان صفحہ ۲۳۹

۳۔ قیام یمگان کے تاریخی اسناد

روضۃ الصفا وغیرہ کی روایت ہے کہ ناصر بیس[۲] سال تک یمگان میں رہا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ [۲] ۴۵۳ھ/۱۰۶۱ء میں وہ یمگان میں داخل ہوا تھا اور اسی جگہ ۴۸۱ھ/۱۰۸۸ء میں فوت ہوا لہذا مستقل قیام ۲۸ سال تک قرار پاتا[۳] ہے۔ جو میرے نزدیک صحیح ہے اور اختلاف سنین قابل لحاظ نہیں ہیں کیونکہ ناصر کا یہ بھی اصول ہے کہ وہ اپنی نقل و حرکت کے سنہ و سال اشعار میں

ذکر کرتا ہی اور دو تین سال کے بعد اپنی عمر بھی ظاہر کرتا ہی چنانچہ ایک قصیدے میں لکھتا ہی۔

پانزدہ سال بر آمد کہ بہ یمکانم
چون واز بہر چہ زیرا کہ بز ندانم
صفحہ ۲۰۲

کانِ علم و سخن حکمت یمکان است | تا من اے مرد خردمند بہ یمکانم

ایک دوسرے موقع پر عمر کا اظہار اس طرح پر کیا ہی۔

شصت[۶۲] و دو سال است کہ گویدہمی | روز و شبان در فلکے ہاونم
چشم ہمی دارم ہموارہ تا | کی بود از کوفتنش رستنم
تو تامے با دبیمائی شب و روز | در این خانہ بر آمد سال ہفتاد

یمکان میں پندرہ سال قیام اور ستر سال کی عمر کے بعد اور اشعار نہیں ملے، اس کے دو سبب ہیں یا تو بڑھاپے کی سبب سے ناصر نے شاعری ترک کردی تھی یا موجودہ دیوان (مطبوعۂ طہران) کلیات کا انتخاب ہی جس کا اخیر حصہ تلف ہو چکا ہی، کیونکہ یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ ناصر نے پانچ دیوان یادگار چھوڑے تھے اور جب یہ تحقیق ہی کہ ناصر، یمکان میں پانوں توڑ کر بیٹھا اور خانقاہ یمکان سے اس کا جنازہ اٹھا تو ایسی حالت میں قیام یمکان کی تنقید بھی فضول ہی۔ اور سنہ رحلت [۴۸۱ھ / ۱۰۸۸ع] قطعی صحیح ہی۔

۴۔ یمکان میں ناصر خسرو کے مصائب و آلام

یمکان پہنچ کر ناصر کو دشمنوں سے امن و امان ملنا چاہئے تھا لیکن یمکان بھی اس کے حق میں قیدخانہ بن گیا۔

۱-۲-۳ صفحہ ۲۰۲-۲-۷۱

شمس العلماء حالی، مقدمۂ سفر نامہ میں لکھتے ہیں۔

امیر ناصر چوں از مصر مراجعت کردہ باز بخراسان (بلخ وغیرہ) رسید مردم را بخلافت مستنصر (فاطمی) و روش اسمٰعیلیہ دعوت میکرد اعدا قصد وے کردند۔ خوف وہراس بر او استیلا یافتند و در جبلے از جبال بدخشاں پنہاں گشتہ، لبست سال بہ آب و گیاہ قناعت نمود" (بحوالۂ روضۃ الصفا وغیرہ)

اما چنانکہ ذکر کردہ شد ازاں قدر انکار نتواں کرد کہ ناصر خسرو۔ رہ آوردے کہ از مصر برائے اہل وطن آورد محبت علویہ مصر بود دعلی الخصوص از مناقب مستنصر باللہ سینہ و دل لبریز داشت ..... بہ دعوت روشش اسمٰعیلیہ و نشر مناقب اقدام کردہ باشد۔

پس علمائے خراسان و ماوراء النہر کہ با خلفائے بغداد غایت عصبیت داشتند و علویۂ مصر را غاصب خلافت و ضال و مضل مے شمردند البتہ این صدائے غریب را گوش کردہ با حکیم در آویختہ باشند و اہالئی ملک و ولاۃ عہد را بخلاف وے برانگیختہ۔

راس و رئیس مدعیان حکیم (ناصر) یکے مفتئ خراسان بود حنفی المذہب و دیگر حاکم بلخ کہ در اکثرے از اشعار وے روئے شکایت با ایشاں است"

دیباچہ سفر نامہ صفحہ ۱۳ و ۱۴

مصر کہ ہماں اوقات در حوائی عمان و بصرہ و سواد کم کم بالامی گرفت خیلے اندیشہ داشتند و ہمیں سبب شد کہ ناصر خسرو ولبعد از مدت بسیار کمی مجبور بترک دار و دیار خود گردید یعنے تبعید ش کردند و شاید تبعید او بامر و اشارۂ خلیفۂ بغداد بودہ است۔ چنانکہ یکے از شعرہایش اشارہ بداں کردہ و گوید[۱]۔

اے خداوند ایں کبود خراس | برتو از بندہ صد ہزار سپاس
دادِ من بے گماں بحق بدہی | روز حشر از نبیرۂ عباس

اقتباس مذکورہ کا خلاصہ یہ ہے کہ واپسی مصر کے بعد ناصر نے ایک آتشیں مبلغ کی حیثیت سے امرا اور علمار اہل سنت بلخ و خراسان کے خلاف پر جوش وعظ کہا اور مجادلۂ مذہبی میں اپنی زندگی وقف کردی اور ایک داعی کے لباس میں اسمٰعیلیہ یا فاطمیہ کے حق میں غیر معمولی طریقے سے تبلیغ کی جس کے باعث وہ یمکان میں گوشہ گیر ہوگیا۔ اور جب تک زندہ رہا اپنے مخالفین کو گالیاں دیتا رہا اور یمکان کو بجائے دوزخ کے جنت سمجھا۔

۵۔ یادِ وطن بجائے بلخ کے اکثر و بیشتر ناصر خسرو خراسان کو مخاطب کرکے اپنے دردِ دل کا اظہار کرتا ہے، اور اس میں کوئی مصلحت ضرور ہوگی۔ لیکن خراسان سے نکلنے کا اس کو مرتے دم تک افسوس رہا۔ چنانچہ کہتا ہے اور خود ہی دل کو تسکین دیتا ہے۔

۱۔ گر خاک خراسانت نہ پذرفت مخور غم | خوشنودیٔ ایزد بہ از خاک خراساں
۲۔ کہ پرسد زیں غریب خوار و محزوں | خراساں را کہ بے من حال تو چوں
سلام کن زمن اے باد مر خراساں را[۲] | بر اہل فضل و خرد را نہ عام و ناداں را

---

[۱] دیوان مطبوعہ صفحہ ۴۸۶، [۲] دیوان از صفحہ ۷۔

عنی[51] زادہ جو پروفیسر براؤن انگلش کا شاگرد ہی۔ وہ سفرنامے کے دیباچہ میں لکھتا ہی۔

ناصر از تمام دنیا قطع علاقہ نمودہ وخویشتن را بہ کلی وقف مجادلات مذہبی کردہ دیک داعی آتشین خلفائے مصر شدہ است ولے مشارٌ الیہ در تصانیف خودش تا آنجاکہ بنظر ایں بے مقدار رسیدہ بہیچ وجہ اسمے از اسمٰعیلیہ نبردہ بلکہ ہمیشہ خود را فاطمی و حجت مستنصری یا حجت خراسان یا اینکہ تنہا حجت مے نامد وگوید۔

۱۔ فاطمیم، فاطمیم، فاطمی	تا تو بہ میری زغم اے ظاہری
۲۔ مر عقلا را بخراسان منم	بر سفہا رحجت مستنصری

۳۔ اے حجت زمین خراسان تو	ہرچند قہر کردہ غوغائی
۴۔ اے حجت علم و حکمت لقمان	بگزار بلفظ خوب حسانی

بہر صورت پس از مراجعت ناصر خسرو بوطن خودش عقیدۂ جدید او کہ بایک حرارت فوق العادۃ شروع بترویج وانتشار آں کرد اصلا برخلاف میل و مصلحت امرائے خراسان بر ضد عقائد طائفہ علمائے اہل سنت بود و بدیں جہت در انظار خوش نہ نمود و امرائے خراسان کہ متابع ظاہری خلفائے بغداد بودند وخود را ہنوز موالی[52] امیر المومنین نامیدند از پیشرفت نفوذ رواج امر فاطمیون

---

[51] دیباچہ سفرنامہ صفحہ ۱۲-۱۳ مطبوعہ ہرتی۔ [52] غلام

اے صبا اہلِ خراساں کو مرا پہنچا سلام
اہلِ علم و فضل ہیں اُس میں نہ جہال و عوام

خبر بیاور از ایشاں بمن چو دادہ بوے   ز حالِ من بہ حقیقت خبر مر ایشاں را

آ کے اُن کی بھی حقیقت سے مجھے آگاہ کر
دے چکے جس وقت جا کر ان کو یہ میرا پیام

بگوئی شاں کہ جہاں سروِ من چو چنبر کرد   بمکرِ خویش خود این است کارِ گیہاں را

دہ مرا بوٹا سا قد جھک کر کیا وہ ہو گیا
گردشِ گردونِ گرداں سے پڑا مجھکو بھی کام

نگر کہ تاں نکند غرہ عہد و پیمانش   کہ او وفا نکند ہیچ عہد و پیماں را

عہد و پیماں پر زمانے کی نہ بھولو دوستو
نقضِ عہد اُس کی ہے عادت بے وفا ہے اُس کا نام

نگہ کنند کہ در دست این و آں چو خراس   بہ چند گونہ بدید ند مر خراساں را

اس خراساں ہی کی آخر پائمالی دیکھ لو
آسماں نے اِس سے رہ رہ کر لیا ہے انتقام

بملکِ ترک چرا غرہ اید یاد کنید   جلال و دولتِ محمود زاولستاں را

غرہ ترکوں کی حکومت پر تو کرتے ہو مگر
یاد ہے محمود کا تم کو جلال و احتشام؟

کجا است آنکہ فریغونیاں ز ہیبتِ او   ز دستِ خویش بداد ند[1] گورگوناں را

(اہلِ فرغانہ)

---

[1] ہیتل فرمانروایان کو خوش رکھنے کے لئے اہلِ فرغانہ شاہزادوں کو خود بھی جاگیریں دیا کرتے تھے۔

کانپتے تھے جس کی ہیبت سے فریغونی امیر
جس کی صولت نے بنایا تھا ہزاروں کو غلام

چو ہند را بہ سُم اسپ ترک ویران کرد — بپائے پیلاں بسپرد خاکِ ختلان را

خاک ختلاں روند ڈالی جس کے بیل مست نے
ہند تک پہنچا تھا جس کا توسن محشر خرام

شما فریفتگان پیش او ہمی گفتید — ہزار سال فزوں باد عمر سلطاں را

تم خوشامد سے کہا کرتے تھے اسکے سامنے
دے خدائے پاک سلطاں کو حیات مستدام

پریر قبلۂ احرار زاولستاں بود — چنانکہ کعبہ ہست امروز اہل ایماں را

ذکر کل کا ہے کہ غزنین قبلۂ حاجات تھی
اہل ایماں کیلئے جس طرح ہو بیت الحرام

کجاست اکنوں آں مرد آں جلال و جاہ — کہ زیر خویش ہمی دید برج سرطاں را

اب کہاں ہے اس کی سطوت اور کہاں ہے اسکا شکوہ
برج سرطاں سے بھی اونچا تھا کبھی جس کا مقام

بترس سخت ز سختی چو کار آساں شد — کہ چرخ زود کند سخت کار آساں را

خوف دشواری عناں گیر ہر آسانی ہوا
اسلئے جمعیت خاطر ہے اک امید خام

بروں کند چو در آمد بخشم گشت زماں — ز قصر قیصر را و ز خانماں خاں را!

آسماں نے اختیار قیصر و فغفور سے
دولت اقبال کی پل بھر میں چھینی ہے زمام

برآسماں ز کسوف سیہ ہالش نیست — مر آفتاب درخشان و ماہ تاباں را

آسماں پر بچ نہیں سکتے گہن کے داغ سے
اس درخشانی پہ مہر انور و ماہ تمام

زچیز ہائے جہاں ہر چہ خوار ارزاں شد
گراں شدہ شمر آں چیز خوار وارزاں را

ایک دن تقدیر گھوڑے کی بھی جاتی ہے پلٹ
آج جو رسوا ہے کل ہوگا اسی کا احترام

میانہ کارے باش اے پسر کمال بجوئے
کہ مہ تمام نشد جز زبہر نقصاں را

چاند سے سیکھو کہ ہے اوساطہا خیر الامور
بدر کیوں گھٹتا اگر پہلے ہی رہتا نا تمام

اگر شراب جہاں خلق را چو مستاں کرد
تو شاں رہا کن چوں ہوشیار مستاں را

بادۂ پندار سے گر اہل عالم مست ہیں
دور ہی سے تجھ کو لازم ہے انہیں کرنا سلام

نگاہ کہ بہ حیلت ہمی ہلاک کنند
زبہر پر نکوطاؤساں پراں را

چونکہ ہیں طاؤس کے پر دیدہ زیب و دلفریب
کام کرتا ہے شکاری اس لیے اس کا تمام

جہاں زمین و سخن تخم و جانت دہقانست
بہ کشت باید مشغول بود دہقاں را

ہے زمیں دنیا عمل بیج اور دہقاں جاں تری
چاہئے دہقاں کو کھیتی میں بہت ہی اہتمام

تر اکنوں کہ بہار است جہد آں بکنی
کہ تا نکے بکف آری مگر زمستاں را

خوشہ چینی آج کل کر لو کہ ہے فصل ربیع
تاکہ جاڑوں کے دنوں میں آئے یہ سرمایہ کام

ل؎ مقدمہ حالی صفحہ ۱۸۔

یہ واقعہ ہے کہ فقہائے خراسان نے ناصر کو بہت زیادہ بدنام کیا ورنہ وہ توحید رسالت، اور حشر و نشر کا مرتے دم تک قایل رہا اور اس کے قبل فلسفے کے اثر سے عقاید میں جو لغزشیں ہو گئی تھیں اُس سے تایب ہو گیا تھا البتہ فاطمی مذہب کا معتقد تھا اور یہی اس کا ایمان تھا چنانچہ اشعار ذیل میں عقائد کا اعلان کرتا ہے۔

بنالم بتو اے قدیم و قدیر | زاہل خراساں صغیر و کبیر
چہ کردم کہ از من رمیدہ شدند | ہمی خویش و بیگانہ بر خیر خیر
مقدم بہ فرمان پیغمبرت! | نہ انباز گفتم ترا نے نظیر
بامت رسانید پیغام تو | محمد رسولت بشیر و نذیر
نیاورد قرآں بہ پیغمبرت | مگر جبرئیل آں مبارک سفیر
مقرم بہ مرگ و بحشر و حساب | کتابت زبر دارم اندر ضمیر

۸۔ مدح مستنصر باللہ فاطمی | ناصر نے وعدہ کیا تھا کہ وہ جب تک زندہ ہے، امام وقت کی مداحی میں اُس کا قلم چلتا رہے گا چنانچہ قیام یمگان میں اُس نے جسقدر قصاید لکھے ہیں، امیر المومنین مستنصر باللہ کی مدح ہیں، وہ اشعار موجود ہیں جو مذہبی جذبات سے معمور ہیں اور دیگر قصاید نگار شعراء کی طرح مبالغہ آمیز تعریف سے خالی ہیں، مثلاً اشعار ذیل ملاحظہ ہوں۔

طلعت مستنصر از خدائے جہاں را | ماہ منیر ہست وایں جہاں شب تار ست

صفحہ ۳۶

بشتاب سوئے حضرت مستنصر | رہ راز فخر جز ثمرہ مسپر
آنجاست دین و دنیا را قبلہ | وآنجاست عز و دولت را مشعر

لہ مقدمہ خاکی صفحہ ۱۸

موزون شد به علم تو دین زیرا — دین عود بود و خاطر تو مجمر

صفحہ ۱۲

باطلعت مبارک مسعود از سعد — خالی است مشتری را در قوس طلعتش

یارب بفضل خویش تو توفیق ده مرا — تا روز و شب بدارم طاعت به طاعتش

مستنصر معالی و حکمت به نظم و نثر — بر امتش که خواند الا که حجتش

صفحہ ۱۰۴

مستنصر بالله که او فضل خدای است — موجود و مجسم شده در عالم فانیش

در عالم دین او سوئے ما قول خدای است — تو لیکه همه رحمت و فضل ست معانیش

صفحہ ۱۶۰

مستنصر از خدای دهر نصرت — زین پس به اولیائے شیاطینم

خورشید بشیکار و قمر ساقی — لالہ سماک و نرگس پر وینم

صفحہ ۱۹۱

بجہان من چو نور امام زمان بتافت — لیل السرار بودم و شمس الضحی شدم

صفحہ ۱۹۳

ملک امامت سوئے کسے ہست کہ او راست — ملک سلیمان و علم و حکمت لقمان!

۹۔ خلفائے عباسیہ کی تحریک بربادی

ناصر کو خلفائے عباسیہ سے کس قدر عداوت تھی اس کا اندازہ اشعار ذیل سے ہو گا۔

گر بہ بیند چشم تو فرزند زہرا را بمصر — آفرین از جانت بر فرزند و بر مادر کنی

اے خداوند زمان و فخر آل مصطفیٰ — خنجر گلگونت را گہ سر سوئے خاور کنی

جان اسکندر ز شادی سر بگردون برد — گر تو نعل اسپ خویش از تاج اسکندر کنی

وقت آں آمد کہ پرزکیں چو خاکِ کربلا — آب را در دجلہ از خونِ عدو احمر کنی
اے بنیرہ آنکہ زد شد در جہاں خیبر بسر — دیر بر ناید کہ تو بغداد را خیبر کنی
منظرِ اعدائے دیں را بر زمین ہاموں کنی — منظرِ خویشش از فراز برج دو پیکر کنی
دشمناں را در خورِ کردار شاں بدہی بہ عدل — عدل باشد چوں برائے خاک خاکستر کنی
بندہ را سند بخشی پیش کاری را طراز — کہترے را بر زمین باخاوراں مہتر کنی
زیں چنیں پرزرد گوہر مدّاح حجت رقاست — گر تو جان و دریں خویش را زیور کنی

صفحہ ۳۱۳

۱۰۔ گوشۂ عزلت اور علم و عمل

ذیل کے قصیدے میں ناصر خسرو نے خانقاہ یمگان میں اپنی عملی زندگی کی اس طرح تصویر کھینچی ہے۔

تیز نہ گیرد جہاں شکار مرا
نیست دگر با غمانش کار مرا

شاید اگر نیست بر درِ ملکے — جز بہ در گاہ کردگار مرا

قیصر و سلطان کی چوکھٹ پر نہ رکھوں گا میں سر
میری پیشانی ہے وقفِ آستانِ کردگار

بار نخواہم سوئے کسے کہ کند — منت او پشت زیر بار مرا

بھول کر بھی میں نہ جاؤں گا کبھی اسکی طرف
بار احساں سے ہو جس کی پشت میری زیر بار

خواندن فرقان و زہد و علم و عمل — مونس جانند ہر چہار مرا

زہد اور ترتیلِ قرآن علم اور اس کا عمل
ہیں یہ چاروں میرے ہمدم اور میرے غم گسار

چشم و دل و گوش ہر یکے ہمہ شب
پند دہد با تن نزار مرا!
چشم گوش و دل کا راتوں کو سنا کرتا ہی وعظ
جسم بے طاقت میرا، از بسکہ ہی شب زندہ وار

چشم ہمی گوید از حرام و حرم
بستہ ہمی دار زینہار مرا
آنکھ کہتی ہی بچا مجھکو حرام و فحش سے
سات پردوں کی طرح تو بھی ہو میرا پردہ وار

گوش ہمی گوید از محال و دروغ
راہ بکن سخت و استوار مرا
کان کہتا ہی کہ مجھکو لغو سے محفوظ رکھ
جھوٹ اور غیبت نہ سننے دے مجھے تو زینہار

دل چہ گند گویدم ہمی ز ہوا
سخت نگہدار مرد وار مرا
نفس امارہ کی گھاتوں سے ڈراجاتا ہی دل
اور اماں حرص و ہوا سے مانگتا ہی بار بار

عقل ہمی گویدم موکل کرد
بر تن و بر جانت کردگار مرا!
عقل کہتی ہی موکل جان اور تن کی ہوں میں
مجھکو یہ منصب ملا من جانب پروردگار

نیست ز بہر تو با سپاہ ہوا
کار مگر حرب و کارزار مرا
جنگ کرنے کو ہوں میں تیری طرف سے مستعد
گر بڑھے فوج ہوا و حرص بہر کارزار

سر نکمند خرد چگونہ کنم
فضل خرد داد بر حمار مرا
عقل کے احکام سے کس طرح سرتابی کروں
جانور ہوں میں نہ ہو دانش اگر میرا شعار

دیو ہمی بست بر قطار سرم   عقل بر دل کرد از قطار مرا

نفس امارہ مجھے کرنے کو تھا بے راہ رو
عقل نے تھامی وہیں آکر مگر دل کی مہار

گر نہ خرد بستندے مہارم ازو   دیو کشاں کردہ بُد مہار مرا

عقل میری دستگیری گر نہ کرتی تنت پر
بھوت میرے سر پہ آکر ہو گیا ہی تھا سوار

غار جہاں گرچہ تنگ و تار شدہ است   عقل پسندہ است یار غار مرا

گرچہ دنیائے دنی کا غار تنگ و تار ہے
کچھ نہیں ڈر مجھکو جب ہے عقل میری یار غار

ہیچ مکن اے پسر ز دہر گلہ   کز وے شکر است صد ہزار مرا

مجھ سے ہو سکتا نہیں ہرگز زمانے کا گلہ
بلکہ مجھکو شکر کرنا چاہیئے اُس کا ہزار

ہست بدو گشتم و زبان و سخن   ہر دو بدیں گشت پیش کار مرا

ہے زمانہ میرے نطق اور میری ہستی کا کفیل
کی اساس دین ان دونوں سے میں نے استوار

پیش روم عقل بود تا بہ جہاں!   کرد بہ حکمت چنین مشار مرا

عقل کی شمع ہدایت رہ نما میری بنی
میری حکمت کا دیا دنیا میں اس نے اشتہار

بر سر من تاج دین نہادہ خرد   دیں ہنرے کرد و برد بار مرا

میرے سر پر اُس نے رکھا دین پیغمبر کا تاج
با ہنر اس کی بدولت میں ہوا اور بردبار

چوں نہ کنم جان فدائے آنکہ بہ حشر　　آسماں گرد و بد و شمار مرا

کیوں نہ میں اس پر کروں قربان اپنی جان کو
جس نے آساں مجھ پہ کر دی مشکل روز شمار

لاجرم اکنوں جہاں شکار من است　　گرچہ ہمی داشت او شکار مرا

ایک دن وہ تھا کہ میں تھا دام عالم میں اسیر
ایک دن یہ ہے کہ خود دنیا ہوئی میرا شکار

گرچہ ہمیں خلق را فگار کند　　کرد نیار د جہاں فگار مرا

گرچہ خلقت کا دل اس کے ہاتھ سے ہے ریش ریش
کر نہیں سکتا مگر مجھکو زمانہ دل فگار

جان من از روزگار برتر شد　　بیم نیاید ز روزگار مرا!

مجھ پہ آلام اور مصائب کا اثر ہوتا نہیں
اس لیے مطلق نہیں ہے مجھکو خوف روزگار

تصنیفاتِ حکیم ناصر خسرو

مختلف تذکروں، تاریخوں، اور رسالۂ ناصر خسرو کی ورق گردانی سے ثابت ہوا کہ اِس نامور حکیم نے عالم شباب سے آخر دورِ حیات تک چھوٹی بڑی ہیں (۲۰) کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں سے بعض اس کی زندگی میں ملحدانہ خیالات کی بنیاد پر، تلف کر دی گئی تھیں۔ اِس کے بعد جو باقی رہیں اُن میں سے بعض شرکت کاویانی (برلن)، طہران اور تبریز سے شائع کی گئیں، اور بعض قلمی نسخے یورپ کے لائبریریوں میں محفوظ ہیں جن کی

اشاعت کا ابھی کوئی اہتمام نہیں ہوا ہے۔ اب نمبر وار ان کتابوں کی تفصیل لکھتا ہوں، جو طبع ہو چکی ہیں اور میرے پیش نظر ہیں۔

۱۔ سفر نامۂ سیاحت مغرب

یہ وہی سفرنامہ ہے جو اس وقت آپ کے زیر مطالعہ ہے اور جس پر تفصیل سے تنقید ہو چکی ہے۔

۲۔ مثنوی روشنائی نامہ

خانقاہ یمکان میں گوشہ نشین ہوکر، ناصر خسرو اکثر غور و فکر اور مکاشفے میں مشغول رہا کرتا تھا، چنانچہ ایک دن یکایک افکار و خیالات سے بیدار ہوکر ناصر نے ایک مثنوی لکھنا شروع کی، اور چوں کہ وہ عالم ظلمت سے نور کی طرف آیا تھا اس مناسبت سے مثنوی کا نام "روشنائی نامہ" رکھا۔ [۱]

۱۔ سنہ تصنیف | یہ مثنوی کس زمانے میں لکھی گئی، اس میں اختلاف ہے۔ مسٹر پرٹش (DERTSCH) نے کتب فارسی موجودہ گوتھا (GOTHA) لائبریری کا جو کیٹلاگ (فہرست مکمل) مرتب کیا ہے، اس کے صفحہ نمبر ۱۴۳ میں سنہ تصنیف سنہ ۴۲۰ھ / ۱۰۲۹ء درج ہے اور فہرست برٹش میوزیم لندن جلد نمبر ۲ صفحہ ۱۰۸ میں ۳۴۳ھ / ۹۵۴ء ہے۔ لیکن [۲] یہ سال قطعی غلط ہے، کیونکہ ناصر خسرو کی ولادت اصح روایات کے مطابق سنہ ۳۹۴ھ / ۱۰۰۴ء میں ہوئی ہے علاوہ بریں میرے پیش نظر جو مطبوعہ نسخۂ برلن ہے۔ اس میں سال تصنیف سنہ ۴۴۰ھ درج ہے۔ لہذا صرف دو سال تحقیقات طلب ہیں یعنی سنہ ۴۲۰ھ / ۱۰۲۹ء اور سنہ ۴۴۰ھ / ۱۰۴۸ء پہلا سنہ تو قابل لحاظ نہیں ہے کیونکہ یہ زمانہ ناصر خسرو کی تعلیم و تربیت کا تھا اور ابھی تک اُس نے شاعری شروع بھی نہ کی تھی۔ باقی رہا سنہ ۴۴۰ھ یہ زمانہ اس کی سیاحت مصر کا ہے لہذا

---

[۱] ناصر کے حالات شاعری میں بھی مثنوی کا ذکر ہو چکا ہے۔

[۲] بعض نسخوں میں ۳۴۳ھ ہے۔

تا دیلاً یہ کہہ سکتے ہیں کہ حج کے بعد ہی ناصر نے یہ مثنوی لکھنا شروع کی ہوگی۔ جو زمانۂ سیاحت میں ختم نہ ہو سکی لیکن یہ واقعہ ہی کہ مثنوی مذکور ایک کمرے کے اندر خانقاہ یمکان میں ختم کی ہی۔[1] اور ناصر ۴۵۲ھ/۱۰۶۰ء میں داخل یمکان ہوا تھا، اور یمکان میں جس قدر قصاید وغیرہ ناصر نے لکھے ہیں ان سب میں لفظ حجت بطور تخلص استعمال کیا گیا ہی۔ چنانچہ ناصر اس مثنوی میں بھی فخریہ لکھتا ہی۔

زحجت این سخن را یادمی دار
کہ در یمکان نشستہ بادشہ وار

لہذا جو نظم لفظ حجت سے خالی ہی، وہ یمکان کی پیداوار ہی نہیں ہی۔ ایسی صورت میں مثنوی روشنائی نامہ ۴۵۲ھ یا اس کے بعد ہی تصنیف کی گئی ہی۔ اور مثنوی کی سند میں جو شعر موجود ہی۔ اس میں غلطی ہوئی ہی۔

۲۔ سبب تصنیف

امانم داد چنداں دَور گردوں
کہ سفتم این مبارک دُرِّ مکنوں

شبے ہم چوں دلِ نااہل تیرہ
دو چشم از کار گیتی ماندہ خیرہ

شدہ در پردہ مہر عالم افروز
کشادہ شب، کمیں بر لشکر روز

ہمہ در خواب و من بیدار ماندہ
خرد در کار و چشم از کار ماندہ

ہمی کردم نظر در ظلمت و نور
ز جام فکر جانم گشتہ مخمور

گہے مستغرق بحر تفکر
گہے اندر خیالات تدبّر

---

[1] غنی زادہ دیباچہ سفر نامہ میں لکھتا ہی۔ معلوم است کہ ناصر خسرو بعد از مراجعت از سفر مکہ، ہدف تعرض پیشوایان و علمائے اہل سنت بودہ، و در عین زنزوا یا متواری بودن خود در یمکان بر ضد آنہا اغلب با تندی و خشونت نوشتہ است۔

[2] از صفحہ ۲۲ تا صفحہ ۳۵ روشنائی نامہ۔

گہے بودم بہ مشرق گہ بہ مغرب — گہے برتر ز جرم کواکب
نہادم ایں کتاب روح پرور — کشادم بر دلِ اہل خرد در
بہ شعر خوب و شیریں جاں فزایم — بہ حکمت در سخن معجز نمایم
رسیدہ جرم خور در برج ماہی — گرفتہ در حمل مہ بادشاہی
کہ کردم ختم ایں فرخندہ دفتر — بروں آوردم ایں پاکیزہ گوہر
خدا داند کہ ایں نو بادہ بکر است — زمن زادست و اور ادایہ فکر است
نہ دستِ ہیچ کس بروئے رسیدہ است — بجز من روئے اوراکس ندیدہ است

ناصر کہتا ہے۔ کہ اس مثنوی کے جملہ مضامین اچھوتے ہیں۔ اور مجھ سے پہلے ان خیالات کو کسی نے ظاہر نہیں کیا ہے۔

سب سے پہلے ڈاکٹر ایتھی نے روشنائی نامے کو شائع کیا تھا۔ اور آخر میں شرکت کاویانی نے ۱۳۴۱ھ (۱۹۲۲ء) میں سفر نامے کے ساتھ شائع کیا۔

اس مثنوی کی اشاعت پر علماء اس کے قتل کے درپے[۱] تھے کیونکہ اس کے بعض مضامین عقاید اسلام کے خلاف تھے اور ناصر نے بھی فلسفۂ مادیات پر زیادہ زور دیا تھا۔ مثلاً اشعار ذیل ملاحظہ فرمائیے۔

۲۔ در عقلِ کل و نفسِ کل

زاول[۲] عقلِ کل را کرد پیدا — کجا عرش الٰہش گفت دانا
گروہے علت اولیش گفتند — گروہے علت معنیش گفتند

---

۱ ایک روایت یہ ہے کہ جب ناصر خسرو کے خیالات قصاید کی صورت میں یمکان سے شائع ہونے تو اس کے ملحدانہ خیالات پر علمائے عصر نے مختلف قسم کے ۹۱ سوالات لکھ کر اس کے پاس بھیجے جس کے جواب میں ناصر نے مثنوی روشنائی نامہ لکھی اور اپنے مذہبی خیالات کا اظہار کیا۔ چنانچہ واقعات سے یہ روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔

۲ صفحہ ۱۳ روشنائی نامہ۔

زاول عقل کل چوں شد مشہر | زیک دیگر بزادند آں دو دیگر
زعقلِ کل وجودِ نفس کل زاد | ہمی حوائے ہستی خواندش استاد
بداں گر جانت باعقل آشنا شد | کہ ایں حوا و آں آدم چرا شد
اگر معنی نامش باز دانی! | ورا جمع ملایک نام خوانی
ہم او شد فاعلِ افلاک و انجم | ہم او بحر محیط و جانِ مردم
ہم او لوح و ہم او کرسئ یزداں | ہم انسان دوم ہم روح انساں
ازاں آمد فروغ عقل دانائے | کہ زیر تخت کرسی را بود جائے

اور ایک دوسرے موقع پر کہتا ہے کہ

نہ گویم صانع ہفت و چہار اوست | ولیکن عقل را پروردگار ست
چہ مقدار آفتاب و آسماں را | بدو منسوب نتواں کرد آں را
چرا گوئی زر و لعل و جواہر | زخاک و آب و سنگ اورد ظاہر
نبات از گِل تو گوئی او برآورد | نشاید ایں چنیں او را صفت کرد
کہ روح نامیہ این کار دارد | گل و شمشاد بر خاک او نگارد
تو عقل و جان ز حق داں سیم و زر چیست | مکن صورت پرستی باو سر چیست

ان مسائل کے بعد تخلیق و فطرت انسان کے متعلق ناصر کے خیالات یہ ہیں
کہ رحم مادر میں انعقاد نطفہ کے بعد اُس کی پرورش سبع سیاروں سے متعلق ہے[۱]

چو خونِ ما کہ آں اصل حیاتست | یکے فرزند حیوان و نباتست
دگر بارہ مصفا گردد آں خوں | وزاں خونِ سفید آید بہ بیروں
ورا خوانند نطفہ اہل معنی | کہ پالودہ ازاں خون است یعنی
وزاں پس در شیمہ چونکہ افتاد | فگندش اوستاد چرخ بنیاد

---

[۱] صفحہ ۱۶ روشنائی نامہ در فطرت انسان۔

زحل یک ماہ اورا تربیت کرد | دگر مہ مشتریش تقویت کرد
بشد ماہ سوم بہرام یارش (مریخ) | چہارم ماہ خور صورت نگارش (خورشید)
چو از خورشید تاباں زندگی یافت | درآنجا قوت جنبیدگی یافت
مہ پنجم کند زہرہ ورا کار | عطارد باشدش ماہ ششم یار
بہ ہفتم یار با او ماہ باشد | بہ ہشتم زوزحل آگاہ باشد
دراں زندانِ تنگ اندر کشاکش | بود جانش میانِ آب و خورِ خوش
پس از نہ ماہ زاؤوشش خجستہ[51] | بروں آرد ورا زاں راہ بستہ
ازاں تاریک جا آید دریں جائے | جہاں بیند خوش و خوب و دل آرائے
سرای بس، فراخ و مسکن خوش | ہوای بس لطیف و خوب و دلکش

اس مثنوی میں بھی ناصر نے پیشہ ور شعراء کی مذمت کی ہے۔ وہ ارباب دولت کی مدح و ہجو دونوں کو برا جانتا ہے

خرد بر مدح نا اہلاں بہ خندد | کسے بر گردنِ خر ہرہ بندد
ترا از خویشتن خود شرم ناید | کہ ہر جایت دروغے گفت باید
بپا استادن د بر خواندن او | فرو ریزد سراسر آبت از رو
بمدح و ہجو کس بکشائے لب را | مرنجاں خاطر معنی طلب را
زمعنی جانِ ایشاں را خبر نیست | سخن شاں جز برائے سیم و زر نیست
امیران کلام اند اہل اشعار | خدا شاں تو بہ بدہ از چنین کار[52]

۳۔ مثنوی سعادت نامہ

شاعری کے تذکرے میں اس مثنوی کا بھی ذکر آچکا ہے۔ یورپ کے بعد

---

[51] زاؤوش بروزن خاموش و زاووشش بروزن خامشش نام کوکب مشتری ہے (برہان قاطع)
[52] امیر المومنین مستنصر باللہ فاطمی اسمٰعیلی مراد ہے۔

تیسری مرتبہ یہ مثنوی ۱۳۴۱ھ میں برلن سے سفرنامے کے ساتھ شایع ہوئی ہے۔ اور اٹھارہ صفحات پر ختم ہوئی ہے۔

اس مثنوی کے مضامین فلسفیانہ مسائل اور عقاید اسماعیلیہ سے خالی ہیں روزمرہ کی زبان میں سادہ اخلاقی امور بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً سودخواروں کے حق میں لکھا ہے۔

ربا خوارہ ز اہل نار باشد ۔۔۔ کجا از خلد برخوردار باشد
بود با ہر عزیز اہل ربا خوار ۔۔۔ شرف دارد بلے سگ بر رباخوار
چہ ایماں خواہی آنکس را کہ خواہد ۔۔۔ کہ تا نانے خورد جانش بکاہد
مخور نانش اگر خود نفع جانست ۔۔۔ کہ گرد آوردۂ خون مفلسانست
زمین و چرخ با عار اند ازوے ۔۔۔ خدا و خلق بیزار اند ازوے

کند صد سال اگر دوزخ نشینی
نہ مالک بخشش آرد نے خزینی

اس مثنوی کے عنوان پر بجائے حکیم ناصر خسرو کے صرف "امیر سیّد ناصر" درج ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ مثنوی عالم شباب کی یادگار ہے جو غالباً مرو میں تصنیف ہوئی۔ شیخ سعدی شیرازی نے بوستان میں سعادت نامہ کا تتبع کیا ہے۔ اور یہ مثنوی اس قابل ہے کہ سررشتۂ تعلیم کے اعلیٰ نصاب فارسی میں داخل کی جائے۔

۴۔ زاد المسافرین

اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ فرانس کے قومی کتب خانے میں موجود تھا جس کو علامۂ براؤن انگلش اور ہندوستان کے مایۂ ناز فرزند پروفیسر ڈاکٹر

محمد بذل الرحمن ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی۔(کینٹب) نے تصحیح وتحشیہ سے مزین کیا اور شرکت کاویانی (برلن) نے ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء میں شایع کیا۔چنانچہ یہی نسخہ میرے سامنے ہے۔

ناصر خسرو کی تصنیفات میں یہ کتاب سب سے بڑی اور مسایل اور فلسفہ ومعقولات میں لاجواب سمجھی جاتی ہے۔

سب سے پہلے اس کتاب کا نام دیوان[1] ناصر خسرو میں نظر آیا، فخریہ کہتا ہے۔

زتصنیفات من زاد المسافر — کہ معقولات را اصل است وقانون
اگر برخاک افلاطوں بخوانند — ثنا خوانند مرا خاک افلاطوں

چنانچہ ان اشعار کے حوالے سے کتاب کی تلاش ہوئی اور زاد المسافرین کا قلمی نسخہ مل گیا۔اس کتاب کا سنہ[2] تصنیف ۴۵۳ھ/۱۰۶۱ء ہے اور اسکو ناصر نے امیر المومنین المستنصر باللہ فاطمی کے نام ہدیہ کیا ہے۔جسکو وہ امام برحق اور خداوند زماں سمجھتا تھا۔یہ بھی یمگان میں تصنیف کی تھی اور وقت رحلت برادر عزیز[2] عبد الجلیل کو وصیت کی تھی کہ اصل نسخہ سید الحکما علی بن اسد علوی فرمانروائے بدخشاں کی خدمت میں بھیج دیا۔

ناصر اس کتاب کو توشۂ آخرت سمجھتا تھا۔یا یہ کہ محض بطور استعارہ یہ نام رکھا تھا چنانچہ خود بھی لکھتا ہے۔

مقصود ما از تالیف این کتاب آنست کہ درآں مقصود بیان است
از آں کہ نفس چرا بر مثال مسافر است اندریں عالم و از کجا همی

---

[1] دیوان مطبوعہ طہران صفحہ ۳۳۸۔
[2] مقدمہ سفر نامہ مطبوعہ برلن صفحہ ۱۶۔و زاد المسافرین مطبوعہ کاویانی صفحہ ۲۸۰۔

آید و کجا ہمی شود و اندریں سفر زاد او چیست ؟

چنانچہ اس خیال کے مطابق زاد المسافرین بہت اچھا نام تھا۔ میرزا محمود ملقب بہ ملا غنی زادہ ، مثنوی روشنائی نامہ پر ریویو کرتے ہوئے لکھتا ہے[1]

علاوہ بریں اشعار دیگر روشنائی نامہ ہست کہ مدلل
میدارند کہ مصنف آنہارا در مواقعے کہ با معارضین خود سخت
مشغول مجادلہ بودہ است بہ نظم آوردہ و عیناً ہمان لحن قولے
است کہ زاد المسافرین را نوشتہ (مثل ،

ا۔ ہمین است اعتقاد اندر قیامت — اگرچہ از خراں یابم ملامت[2]

(نیز)

۲۔ زبیجانی دلی بیدارشان را — بجز انکار خاصان کار شان را

بہر حال مثنویات ہوں یا زاد المسافرین ناصر[3] نے ان کتابوں میں ہمعصروں پر دل کھول کر حملے کئے ہیں۔ اور دل کے بخار نکالے ہیں۔

یہ کتاب فلسفے میں ہے ، جو فلاسفۂ یونان کی کتابوں کے بعد لکھی گئی ہے۔ اس کے متعلق غنی زادہ کی رائے[4] ہے کہ۔

از مطالعۂ زاد المسافرین معلوم می گردد کہ توغل زیاد با فلسفہ
می داشتہ و اغلب کتب فلاسفۂ یونان مثل سقراط و افلاطون
و ارسطاطالیس و فلس (فالیس رومی) وغیرہم با وقت تتبع نمود
و خود زاد المسافرین کہ تقریباً شاہکار او ست میرساند کہ ید طولی
در فلسفہ داشتہ و خود از بزرگان فلاسفۂ آں عصر بہ شمار می رفتہ

---

[1] دیباچہ سفر نامہ صفحہ ۱۲۔ [2] روشنائی نامہ صفحہ ۱۸۔۲۱۔ [3] اس نام کی ایک مشہور مثنوی اور بھی ہے۔ جو میر حسینی ابن عالم بن حسین غوری (متوفی سنہ ۷۱۸ھ) کی تصنیف ہے فہرست برٹش میوزیم میں یہ مثنوی بہ نمبر ۲۵۰ موجود ہے اور سنہ ۱۱۱۸ھ کی مکتوبہ ہے۔ [4] مقدمہ سفر نامہ صفحہ ، مطبوعہ برلن۔

نامیدہ شدہ است۔"

غنی زادہ نے حکمائے یونان میں صرف تین فلسفیوں کے نام لئے ہیں۔ جو حقیقت میں ارکان فلسفہ تھے۔ چنانچہ فلسفۂ یونان کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ اس فلسفے کا بانی حکیم تھیلز (طالیس) تھا جو مسیح علیہ السلام سے ۶۲۰ سال قبل پیدا ہوا اور مصر میں تعلیم پائی تھی۔ اس کا مذہب تھا کہ تمام اشیاء پانی سے پیدا ہوئی ہیں فلسفۂ یونان کا یہ سلسلہ ۵۲۲ء تک قایم رہا اور پھر اس میں متعدد شاخیں پیدا ہو گئیں۔ چنانچہ ان حکماء میں سقراط افلاطون، ارسطا طالیس نہایت نامور فلسفی گزرے ہیں۔

۱۔ سقراط متوفی سنہ ۳۹۹ ق۔م | یہ فلسفے کا باپ مشہور ہوا اور اس کے بیش قیمت لکچر رسایل کی صورت میں ہنوز یادگار ہیں۔ جن کے عربی تراجم بھی موجود ہیں۔

۲۔ افلاطون متوفی سنہ ۳۴۷ ق۔م | اپنے استاد کی رحلت پر مصر جاکر شاگردان فیثاغورث سے بھی تعلیم حاصل کی اور ایک نئے فلسفے کا موجد قرار پایا۔ مصر سے واپسی پر ایتھنز میں دارالعلوم قایم کر کے فلسفے پر لکچر شروع کئے۔ اُس نے فلسفے کے علاوہ دیگر علوم فنون میں۔ بھی کتابیں تصنیف کیں۔ جو عربی میں ترجمہ ہو چکی ہیں یہ حکیم کتاب کے مطالب کو جان بوجھ کر نہایت ادق اور پیچیدہ عبارت میں لکھتا تھا اور اسی وجہ سے خود یونانیوں نے مطالب میں غلطیاں کی ہیں لیکن یونانیوں پر معلم ثانی ابو نصر فارابی کا یہ احسان عظیم ہے کہ اُس نے افلاطونی فلسفے کو صحت و خوبی سے حل کیا۔

۳۔ ارسطا طالیس المتولد سنہ ۳۸۴ ق م | یہ حکیم افلاطون کا شاگرد تھا۔

متاخرین میں ارسطاطالیس امام الفلسفہ تھا۔ علمائے اسلام نے اس کے فلسفے کو بہت پسند کیا اور غالباً منجملہ دیگر اسباب کے اِس اعتنا کا یہ سبب تھا کہ فلسفۂ ارسطاطالیس، فلسفۂ اسلام کے مماثل تھا۔

یہ حکیم توحید، صفاتِ باری تعالیٰ، حشر و نشر، عذاب و ثواب کا قایل تھا۔ چنانچہ مسلمانوں نے اس نامور حکیم کے جملہ تصانیف کو عربی قالب میں ڈھالا جس سے اہل یورپ اب تک مستفید ہو رہے ہیں[1]۔ ارسطاطالیس کے شاگرد، خدا کی ذات و صفات میں کسی قسم کا تغیر نہیں مانتے تھے۔ ستاروں کو روحانی اجسام تسلیم کرتے تھے اور خدا کے مدبر عالم ہونے کے قایل تھے شرح حکمتہ الاشراق مصنفۂ ابو نصر فارابی میں استاد اور شاگرد کے فلسفہ (جمع آرا) کو دیکھنا چاہیے۔ الغرض مامون الرشید عباسی کی خلافت تک علمائے اسلام اِن ارکان ثلاثہ کے فلسفے سے واقف ہو چکے تھے۔ ناصر خسرو نے اصل یونانی اور تراجم سے استفادہ کیا تھا جس کی تصدیق مضامین زاد المسافرین سے ہوتی ہے۔ اس کتاب میں ناصر نے اپنے نفسیاتی خیالات کو تفصیل سے بیان کیا ہے، لیکن یہ مضامین منتشر ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ایک مضمون کے لئے پوری کتاب کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے، کیونکہ وہ ایک خاص مذہب کا داعی تھا، لہذا اپنے خیالات کو حسب موقع بیان کر جاتا ہے۔ تاہم طرز بیان اس درجہ صاف ہے۔ کہ اس کا تعلیمی مقصد کہیں فوت نہیں ہوتا ہے۔

بحث نفس کلی — مکمل بحث تو زاد المسافرین میں ہے لیکن مثنوی روشنائی نامہ اور دیوان[2] میں بھی مجملاً اظہار خیال کیا ہے۔

۱۔ بمیدان حکمت بر اسپ فصاحت — مکن جز بہ تنزیل و تاویل جولاں

---

[1] تفصیل تراجم کے لئے طبقات ابن ابی اصبعہ دیکھنا چاہیے۔

[2] دیوان صفحہ ۲۲۸

۲۔ مدد یابی از نفس کلی بہ حجّت — کہ جوئی بدل نصرت اہل ایمان

۳۔ نہ بینی کہ پولاد را چوں ببرد — چو صنعت پذیر د ز حداد سوہان

۴۔ ترا نفس کلی چو بشناسی او را — نگہدارد از جہل و عصیان و نسیان

۵۔ ہر انساں کہ زنجیں گل و یاسمیں را — نشاندہ ہست دہقاں بر اطراف بستاں

۶۔ زر و سیم و گوہر شد ارکانِ عالم — چو پیوستہ شد نفس کلی بہ ارکان

۷۔ اگر جاں نہ بودے بہ سیم و زر اندر
بصد من درم کس نداشے یکے ناں

زاد المسافرین کی اشاعت میں پروفیسر بذل الرحمٰن ہندی کی عالمانہ کوشش کا ذکر ہو چکا ہی لیکن کتاب کی اشاعت کے بعد پروفیسر موصوف کے چھوٹے بھائی پروفیسر معتضد ولی الرحمٰن ایم اے استاد نفسیات جامعہ عثمانیہ نے رسالہ معارف اعظم گڑھ سنہ ۱۹۲۳ء میں نفسیات ناصر خسرو پر مفصل تبصرہ کیا ہی۔ جو فلسفۂ قدیم و جدید پر مشتمل ہی۔ ارباب شوق اسے مطالعہ فرمائیں۔

۵۔ وجہ دین ناصر خسرو کی یہ کتاب علم الفقہ میں ہی، جس میں مذہب اسماعیلیہ کے مطابق وہ قرآن و حدیث کی روشنی میں مسایل حل کرتا ہی۔ جس کا اصطلاحی نام، تنزیل اور تاویل ہی اس کتاب کا سنہ تصنیف تحقیق نہیں ہوا، لیکن یہ واقعہ ہی کہ واپسی حج کے بعد جب وہ یمکان میں گوشہ نشین ہوا ہی، اسی زمانے میں یہ کتاب بھی لکھی گئی ہی اور بغیر کسی شک و شبہہ کے "وجہ دین" ناصر ہی کی تصنیف ہی۔ کیونکہ دسویں صدی ہجری کی بعض تصانیف (بیان الادیان) میں وجہ دین کا حوالہ موجود ہی اور مزید ثبوت یہ ہی کہ اس کتاب کے دو قلمی نسخے بخارائے قدیم سے حاصل ہوئے ہیں (اسماعیلی فرقے کے اکثر اشخاص اس ملک میں پائے جاتے ہیں) اور ایک روسی عالم

[1] مختصر مقدمہ کتاب وجہ دین۔ صفحہ ۲ مطبوعہ برلن۔

نے یہ نسخے بخارا سے لاکر کتب خانۂ پٹروگراڈ میں داخل کئے ہیں اور انھیں نسخوں سے صحت کر کے شرکت کاویانی نے ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۴ء میں یہ کتاب شایع کی ہی۔

اور اس کتاب کی صحت کی مزید دلیل یہ ہی۔ کہ اس کی عبارت زادالمسافرین اور سفرنامے سے ملتی ہوئی ہی۔ اور جو اصحاب ناصر کے طرز انشا سے واقف ہیں وہ ایک صفحہ پڑھکر وجہ دین کی صحت تسلیم کرلیں گے

یہ کتاب اکیاون گفتار (اقوال) پر ختم ہوی ہی۔ اور ہر گفتار (قول) میں ایک مذہبی مسئلہ بیان کیا گیا ہی اور ناصر نے دیباچے میں لکھا ہی۔ کہ "وجہ دین میں اکاون گفتار کی تخصیص اس لئے کی گئی ہی کہ مسلمان دن رات میں جو نمازیں پڑھتے ہیں اُن کی رکعات کی تعداد بھی اکاون ہی۔ اور اس کتاب سے ان کو ہر عمل شرعی کی تاویل ظاہر ہو جائے گی متوسط تقطیع کے ۳۰۴ صفحات پر ختم ہوئی ہی۔

منجملہ اکیاون مقالات کے نماز، روزہ، حج و زکوۃ پر ناصر نے جن خیالات کا اظہار کیا ہی وہ اکثر عقائد اسلام کے خلاف ہیں لہذا ایسے مضامین کا فی زماننا شایع کرنا باعث فتنہ و فساد ہوگا۔ شایقین اصل کتاب ملاحظہ فرمائیں۔

ناصر خسرو کی انشا کا نمونہ

ناصر کی نثر نگاری کا کوی مکمل نمونہ (باستثنائے چند سطور سفرنامہ) اس وقت تک پیش نہیں کیا گیا ہی۔ لہذا وجہ دین سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہی جس سے علاوہ طرز انشاء کے یہ بھی واضح ہوگا۔ کہ فقہ کے مسایل کو وہ قرآن و حدیث سے کیونکر اخذ کرتا ہی۔

گفتار سی و ششم، اندر تاویل واجب اطاعت امام زمان و بیان آں

گوئیم بتوفیق خدائے تعالیٰ که مردم گوهریست لطیف بر ساخته هر گوهر کثیف و مرکب است از دو عالم محسوس و معقول. یکے جسم مردم که دیدنی و شنودنی ست و دیگر نفس مردم که دیدنی و شنودنی نیست. و جسم مردم که دیدنی و شنودنی است همی ساخته نشود مگر بمیانجی دو هم جنس که او سوم ایشاں است که آں پدر و مادر او ست پس لازم (آید) که آں گوهر لطیف که بااین گوهر کثیف جفت است اندریں کالبد آراسته و ساخته نشود مگر بدو هم جنسی که او سوم ایشان است چون جسم را تمامی اندر آں بود که بخورشهائے ایں جهانی برسد از لذات جسمانی بمیانجی پدر و مادر گفتیم که تمامی نفس نیز اندر آں باشد که او بلذات عالم روحانی برسد بمیانجی پدر و مادر نفسانی پس بحکم ضرورت اثبات شد مر نفس مردم را از پدری و مادری هم چناں که جسم مردم را از پدر و مادر چاره نیست و چوں پدر جسمانی مردم فایده دهنده بود و مادرش فایده پذیرنده بود گفتیم که پدر روحانی نیز فایده دهنده باشد پس گفتیم که آں پدر دینی که او مر نفس مومن را بمحل پدر است رسول است صلی الله علیه و آله وسلم و آں مادر دینی که او مر نفس مومن را بمحل مادر است وصی او ست و تنزیل ناطق مر صورت نفسانی مومن را بمرتبه نطفه پدر است و تاویل وصی مر آں

صورت نفسانی را بمرتبت نطفہ مادر است وبفراز آمدن دو
نطفہ جسمانی برآراستہ صورتے پدید آید مر عالم جسمانی را وگواہی دہد
بر دوستی ایں حال گفتار رسول علیہ السلام کہ گفت انا وانت
یا علی ابو وام[1] المومنین. گفت یا علی من وتو پدر ومادر مومنانیم
واستوار کرد مر ایں خبر را قول خدائے تعالیٰ کہ گفت النبی
اولیٰ بالمومنین من انفسہم وازواجہ امہاتہم گفت
پیغمبر سزاوار تر است بگرویدگان از نفسہائے ایشاں بدیشاں
وزنان او مادران ایشانند وچوں زنان پیغمبران مادر مومناں
باشند پیغمبر پدر ایشان باشد چنانکہ رسول علیہ السلام گفت
الارض امکم وھی بکم برۃ[2] یعنی زمین مادر شماست واو
بہ شما نیکو کردار است پس بحکم ایں حدیث درست شد کہ
رسول آسمانست واو پدر است مومنان را از بہر آنکہ زنان
پیغمبر را خدائے تعالیٰ مادر مومناں گفت وپیغمبر گفت مادر شما زمین است
پس درست شد کہ رسول آسمان است وپدر است وزنان او مثل
زمین اند ومادر مومنانند نیکوئی کہ باشند ونیکوئی جز از خردمنداں
نیاید واگر بیاید مر آنرا نیکو گویند۔

اس کتاب میں جسقدر ابواب ہیں اور ان میں جن آیات قرآنی اور

---

[1] این حدیث این طور کہ در متن است از حیث عبارت بسیار رکیک واز اسلوب عرب بہ
کلی دور ونحواً غلط یا ضعیف است چہ اضافت دو مضاف بیک مضاف الیہ باہیچ جائز نیست
ومشہور نزد شیعہ متن ایں حدیث ایں طور است "انا وعلی ابوا ھذہ الامۃ"
(از دیباچہ نگار وجہ دین)

[2] ایں حدیث با اندک اختلافے در نہایا ابن اثیر ولسان العرب در مادہ ب ر ر مذکور است

احادیث سے استدلال کیا ہی۔ ان سب میں تاویل سے کام لیا گیا ہی اور یہی ناصر کا دین اور ایمان ہی۔ وہ ہر آیت سے پیغمبران ناطق ایمہ محبان اور داعیان مذہب کا وجود ثابت کرتا ہی اور جملہ مسایل میں ناصر کا طرز تحریر فلسفیانہ ہی۔

۶۔ دیوان عربی ناصر کا ایک بھی عربی شعر کسی تذکرے میں درج نہیں ہی۔ اگر وہ دیوان فارسی میں عربی دیوان کا اشارہ نہ کرتا تو پھر عربی کلام کا ثبوت بھی مشکل تھا۔ چنانچہ دیوان فارسی میں اشعار ذیل قابل لحاظ ہیں۔

۱۔ بخوان ہر دو دیوان من تا بہ بینی ۔۔۔ یکے گشتہ با عنصری بحتری را

۲۔ اشعار بپارسی و تازی ۔۔۔ برخوان و بدار یادگارم

۳۔ نظام سخن را خداوند گیہان ۔۔۔ دل عنصری داد و طبع جریرم

ناصر جریر اور بحتری کو اپنا مدمقابل سمجھتا ہی۔ لہذا اس دعوے سے اندازہ ہو سکتا ہی کہ اس کا عربی کلام کس پائے کا ہوگا؟

۷۔ دیوان فارسی ناصر کی وصیت کے مطابق یہ دیوان جہاں شاہ بن کیو حاکم یمکان کے پاس ہدیۃً روانہ کر دیا گیا تھا۔

اس دیوان کی خصوصیت یہ ہی کہ مسایل حکمت و فلسفہ سے مالا مال ہی غزل ایک بھی نہیں ہی۔ لہذا تمام دیوان عاشقانہ جذبات اور موسیقی کی چاشنی سے خالی ہی۔ لو خیز ایرانیوں کے لئے ناصر کا کلام مونگ کی اُبالی کھچڑی کے برابر ہی۔ دوسری خصوصیت یہ ہی۔ کہ جملہ قصاید ایمۂ اطہار اور امیر المومنین مستنصر باللہ کی مدح میں ہیں اور کسی بادشاہ کی شان میں ایک رباعی یا قصیدہ بھی نہیں ہی۔ اور چونکہ ناصر فاطمین مصر کا داعی ہی۔ لہذا اکثر

قصاید میں مذہبی عقاید اور اس کا فلسفہ بیان کرتا ہے اور دیوان میں اس قسم کے جو مسایل ہیں اُس کی تفصیل زاد المسافرین میں ہے۔

مستشرقین یورپ میں سے جو بل کی رائے کے مطابق شاعری کو گوشہ نشینی کا ثمرہ سمجھتے ہیں وہ ناصر کے دیوان کو غور و فکر سے مطالعہ کرتے ہیں کتبِ متذکرہ کے علاوہ جو دوسری کتابیں ناصر خسرو سے منسوب ہیں اور ان کے قلمی نسخے یورپ کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۸۔ المستوفی | فقہ میں یہ بڑی کتاب تھی جو حج کے بعد ہی تصنیف کی گئی تھی لیکن ناصر کے حیات ہی میں فقہا کے مجبور کرنے پر نذرِ آتش کر دی گئی۔

۹۔ اکسیر اعظم | صاحب آتش کدۂ آذر نے لکھا ہے کہ یہ کتاب فلسفے میں ہے اور سرگزشت ناصر کی صراحت کے مطابق منطق اور حکمت میں ہے۔

۱۰۔ قانون اعظم | یہ کتاب سحر اور علوم فوق الطبیعہ میں ہے ناصر نے وصیت کی تھی کہ یہ کتاب اس کے چچا زاد بھائی منصور کے پاس روانہ کر دی جائے۔

۱۱۔ دستور اعظم | یہ کتاب بھی فقہ میں تھی جو حسب وصیت قاضی نصر اللہ بدخشی کے پاس ہدیۃً بھیجی گئی، رضا قلی خاں نے تذکرۂ مجمع الفصحا میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

۱۲۔ تفسیر القرآن | سرگزشت ناصر میں لکھا ہے کہ "شاہِ ملاحدہ (مازندران) کے حکم اور رجحان کے خوف سے عقاید اسمٰعیلیہ کے

مطابق یہ تفسیر القرآن لکھی گئی تھی اور اس کی دو تین نقلیں بھی شایع ہو چکی تھیں ۔"

لیکن تاریخی نقطۂ نظر سے یہ واقعہ محض غلط ہے ۔ زمانۂ مابعد میں اس کتاب کا فرضی اضافہ اُس کی تصنیفات میں کیا گیا ہے۔ جس کی بڑی دلیل یہ ہے۔ کہ ناصر کے زمانے میں بمقام ماژندران، ملاحدہ کی کوئی حکومت قایم نہ تھی بلکہ ناصر کی رحلت (۴۸۱ھ ہجری) پر ۴۸۳ھ/۱۰۹۰ء میں حسن صباح نے قلعہ الموت (نواح گیلان) میں ایک شاندار حکومت قایم کی تھی ۔ اور علاؤالدین محمد بن جلال الدین ملقب بہ محمد ثالث نے جو حسن صباح کے جانشینوں میں تھا ۔ علامہ نصیرالدین محقق طوسی کو قلعے میں مہمان رکھ کر اپنے عقاید کے مطابق ایک تفسیر لکھوائی تھی چنانچہ پروفیسر براون نے کامل تحقیقات کے بعد لکھا ہے کہ "اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ یہ روایت اس واقعے کی مسخ شدہ صورت ہے جو حقیقت میں حکیم نصیرالدین طوسی مشہور ہیئت دان کو پیش آیا تھا ۔ یعنی اسے ملاحدہ نے بہ جبر اپنا مہمان بنایا تھا اور نصیرالدین نے اپنی کتاب اخلاق ناصری فرقہ حشاشین کے آخری سردار رکن الدین خورشاہ کے نام سے معنون کی تھی چنانچہ اخلاق ناصری کے بعد کی اشاعت میں وہ اس واقعے کے لحاظ سے معذرت بھی کرتا ہے ۔"

میری تحقیقات[1] کے مطابق بھی یہی صحیح ہے۔ کیونکہ علامہ نصیرالدین ۔ علاؤالدین مذکور کے عہد (۶۱۶ھ/۱۲۱۹ء لغایت ۶۵۲ھ/۱۲۵۴ء) میں داخل قلعہ ہوئے تھے اور رکن الدین خورشاہ کے زوال حکومت (۶۵۴ھ/۱۲۵۶ء) پر قلعہ الموت سے نکل کر وطن کو روانہ ہوئے تھے ۔

---

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کتاب نظام الملک طوسی تذکرۂ حسن بن صباح ۔

۱۳- **بستان العقول** | اس کتاب کا دوسرا نام بستان العقل بھی ہے۔ زاد المسافرین (صفحہ ۳۳۹) میں ناصر نے اِس کتاب کا ذکر کیا ہے مستشرقین یورپ اور سالنامۂ پارس کی روایت ہے کہ یہ کتاب بھی مفقود الاثر ہے۔

۱۴- **خوانِ اخواں** | مسجد ایا صوفیہ (استنبول) کے کتب خانے میں اس کتاب کا ایک نسخہ بہ نمبر ۲۷۰۸، درج فہرست ہے جو سنہ ۱۴۵۷ء (۸۶۲ھ) کا مخطوطہ ہے۔ اور غالباً یہ نسخہ بھی بلحاظ نوعیت فرد ہے۔

۱۵- **دلیل المتحیرین** | ناصر کی کسی تصنیف میں اس کا ذکر نہیں ہے لیکن بعض تذکروں میں یہ نام ہے اور ایک مستشرق روس کو اس کا ایک نسخہ ناحیہ سمگان (بخارا قدیم) میں ملا ہے جو کتب خانۂ سینٹ پیٹرس برگ میں داخل ہے۔

۱۶- **رسالہ در علوم یونان** | یہ رسالہ علوم یونان پر تھا جس کو عبد الجلیل نے ناصر کی اجازت سے جلا دیا تھا۔

۱۷- **رسالۃ الندامہ فی زاد القیامہ** | یہ رسالہ ذات القیامہ کے نام سے بھی مشہور ہے۔ آزاد دہلوی تذکرہ نگارستان فارس میں[۱] لکھتے ہیں کہ نواح یمکان میں تین کتابیں ذات القیامہ، مجموعہ فضائد اور اشعار پائی جاتی ہیں۔ (اخیر نام قطعاً غلط ہے) نقی الدین محمد قاجی نے روسی ترجمے کے ساتھ یہ رسالہ شایع کیا ہے۔ دوسری[۲] روایت یہ ہے کہ عربی سے فارسی میں اس رسالے کا جو ترجمہ ہوا ہے وہی سرگزشت ناصر خسرو ہے۔

---

[۱] نگارستان صفحہ ۲۹ مطبوعہ لاہور۔

[۲] سالنامہ پارس مطبوعہ ۱۳۱۲ھ

۱۸۔ کنز الحقایق | یہ رسالہ بھی مذہبی تحقیقات میں ہے۔ اکثر تذکروں میں اس کا نام آیا ہے۔

۱۹۔ آفاق نامہ | یہ رسالہ تصوف میں ہے۔ اور صرف سالنامۂ پارس میں اس کا ذکر ہے۔

۲۰۔ رسالہ سرگزشت ناصر خسرو | اس رسالے پر تفصیل سے ابتدائی اوراق میں بحث ہو چکی ہے۔

۸۔ ناصر خسرو کی وفات

تاریخ اور تذکروں میں ناصر خسرو کے سنہ ولادت میں جسقدر اختلاف ہے، اس سے زیادہ سنین وفات مختلف فیہ ہیں لہذا ان اقوال کا نقل کرنا ہی بیکار ہے البتہ جس طرح سنہ ولادت کا فیصلہ اس کے دیوان سے ہوا ہے اسی طرح سنہ رحلت کی بھی تنقید کی جائےگی۔

سنہ ولادت اور سنہ وفات | اس کے قبل لکھا جا چکا ہے۔ کہ ناصر کی ولادت سنہ ۳۹۴ھ میں ہوئی ہے اور مستشرقین یورپ نے تقویم التواریخ کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ وہ سنہ ۴۸۱ھ میں فوت ہوا، اس حساب سے ناصر کی عمر ۸۷ سال قرار پاتی ہے۔ اور بقیہ روایات ۱۲۵ یا ۱۴۰ سال کی محض غلط ہیں۔

ایک خاص اصول | ناصر کی عادت ہے کہ وہ اپنی زندگی کے سنین کو مسلسل بیان کرتا ہے چنانچہ جب اسکی عمر ۵۰ سال کی ہوگئی تو اشعار ذیل لکھے۔

بس کن آن قصۂ رباب کنوں | زر دو نالاں شدی چو رود رباب
چوں نہ بینی کہ مے بدر ندست | طمع و حرص و خوئے بد چو کلاب

پس خویشتن کشید بنجہ سال | برامید شراب و آب سراب
گر نئی مست وقت آں آمد
کہ بدانی سراب راز شراب

اس دور کے بعد جب بڑھاپے کا آغاز ہوا تو حسرت سے کہتا ہی

شصت بار آمدہ نوروز مرا مہماں | جز ہماں نیست اگر شش صد بار آید

اور جب ساٹھ سال سے کچھ اور زیادہ عمر ہوگئی اس وقت یہ شعر کہا

بآب پند باید شست دل را | چو سالت برگزشت از شصت و از اند[1]

اس کے بعد ۶۲ سال کے بھی مختلف اشعار ہیں اور اس اخیر عمر کے بعد خانقاہ یمکان میں وہ مسلسل پندرہ سال مقیم رہا جس کا تذکرہ حالات یمکان میں ہو چکا ہی چنانچہ اس تفصیل کے مطابق ناصر کی عمر ستتر سال کی ہوتی ہی لیکن یہ تاریخی فیصلہ ہی کہ یمکان کے داخلے کے بعد پھر ناصر خانقاہ سے باہر نہیں نکلا لہٰذا منجملہ ۷۰ سال کے صرف دس سال کی تصدیق دیوان سے نہ ہو سکی چنانچہ اس کا وہی جواب ہی جو اوپر لکھا جا چکا ہی۔ یعنی یا ضعف پیری کی وجہ سے ناصر شاعری سے تائب ہو گیا تھا یا دیوان کا آخری حصہ تلف ہو چکا ہی۔ لہٰذا ۴۸۱ھ / ۱۰۸۸ء میں اس کا فوت ہو جانا یقینی ہی۔

تجہیز و تکفین کا فسانہ ناصر خسرو کی تجہیز و تکفین کے جو حالات سرگزشت ناصر میں درج ہیں وہ عجائب پرستی کا ایک دلچسپ[2] مجموعہ ہیں۔ چنانچہ یہ روایت اس طرح شروع ہوئی ہی کہ ناصر نے اپنی موت سے

---

[1] اند کے "قدرے زاید" مراد ہی۔ اور بعض اوقات ۳ سے ۹ سال کی مدت شمار کی جاتی ہی۔

[2] مذہبی عقاید و خیالات کے علاوہ جو حد جنہ (جمع جن) اور ما فوق الفطرت واقعات سے متعلق ہی وہ سب فرضی اور الحاقی ہی جس کو دور حاضرہ کی تحقیقات نے غلط ثابت کیا ہی۔ خصوصاً غار یمکان کے اندر سے خانقاہ اور قبر کا غائب ہو جانا۔

ایک دو روز قبل اپنے چھوٹے بھائی خواجہ ابو سعید کو بلا کر حسب ذیل تقریر کی۔

برادرم سعید! حق سبحانہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اور تمام صفات کمال سے موصوف ہے اور اس کی ذات زوال و نقصان سے منزہ ہے۔

آسمانی کتابیں اور ملایکہ برحق ہیں، حشر اجساد اور یوم الحساب بھی برحق ہے اور خدا جزئیات و کلیات کا خالق ہے جبرئیل امین کا وحی لے کر آنا اور میدان قیامت میں اعمال کی جانچ ہونا اور صراط مستقیم کا قایم ہونا بھی سچ ہے۔ اور عذاب قبر بھی مسلم ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم افضل انبیاء ہیں اور خلفائے راشدین میں میرے بزرگوار علی بن ابی طالب علیہ السلام سب سے اکرم، افضل اور اشجع (بڑے بہادر) ہیں۔ برادر عزیز! ہاتف غیب آواز دے رہا ہے کہ میری عمر میں اب صرف ڈیڑھ (۱½) دن اور باقی ہے۔ لہٰذا یہ میری مدد کا وقت ہے خدا سے دعا کر کہ وہ میری مغفرت کرے۔

مجھے اپنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، صدقات مجاہدات پر ذرہ برابر بھی بھروسا نہیں ہے۔ اور نہ میں ان اعمال پر مغرور ہوں اب تو صرف رب العالمین سے امید ہے کہ وہ مجھے نہ تو ضایع کرے گا نہ میری آبروریزی کریگا۔ کیونکہ خود اُس کا ارشاد ہے "لَا نُضِیعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلَا" اور نیز اعمالِ حیات میں ایمان سب سے بالاتر ہے۔

برادر عزیز! جب میری روح قالب سے پرواز کر جائے اور جب تک تو اپنے ہاتھ سے غسل نہ دے چکے، اس وقت تک میری موت کا اعلان نہ کرنا اور میری قبر اسی غار (کوہ یمکان) کے اندر بنانا اور یہ بھی یاد رکھ کہ جس وقت تو گورکنی میں مصروف ہوگا اس وقت دو نفر جن (جو عالم فاضل بھی ہیں) تیرے پاس حاضر ہوں گے وہ ہر قسم کی امداد کریں گے تو اُن سے کسی قسم کی مخالفت نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ہر مصیبت میں رفیق کار رہوں گے اس کے بعد یمکان کے علمار، فضلار، اور عوام کو میری موت سے آگاہ کرنا نمازِ جنازہ کے بعد جب سب لوگ چلے جائیں تو میری میت کو جنوں کی مدد سے قبر میں اتارنا اور عجز و انکسار سے بارگاہِ خداوندی میں عرض کرنا کہ "اے میرے مولا! تیرا گناہ گار بندہ در دولت پر حاضر ہے۔ اُس پر اپنی رحمت نازل فرما اور قبر میں اتارتے وقت کہنا بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ" اس کے بعد قبر کو بند کر دینا۔

برادر عزیز! تجہیز و تکفین کے بعد فوراً یمکان کی سکونت ترک کر دینا۔ اور جانے سے قبل غار کے دروازے پر ۱۳×۱۳ (سیزدہ در سیزدہ) کا نقش کھینچنا اور یہ شیشہ جو میں تیرے سپرد کرتا ہوں، اس میں سے تھوڑا پانی لیکر دروازے پر چھڑک دینا اور شیشہ توڑ ڈالنا اس وقت تجھکو قدرت خداوندی کا کرشمہ نظر آئے گا۔

ابو سعید کہتا ہے کہ وصیت کے بعد ناصر نے ایک لمبی مناجات

شروع کی، جب وہ خاتمے پر پہنچی تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ توکلتُ علیٰ ربّ السّماءِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحمّدٌ رّسُولُ اللہ میں نے بھی کئی مرتبہ ان کلمات کا اعادہ کیا اب میں اس امید میں تھا کہ غیب کے واقعات مشاہدہ کروں گا۔ لیکن بھائی جان! مناجات کے بعد خاموش ہو گئے اور میری طرف مطلق التفات نہیں کیا، کیونکہ اب اُن پر عالمِ نزع طاری تھا۔ موتیوں کی طرح پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا تھا اور آنکھیں بند ہوئی جاتی تھیں کہ اسی حال میں ناصر نے پھر آنکھیں کھولیں اور ایک قہقہہ لگایا اس کی بے ساختہ ہنسی سے میں بہت مسرور ہوا اس کے بعد ناصر نے میری طرف شفقت آمیز نظروں سے دیکھا جیسے کوئی عاشق اپنے محبوب کو دیکھتا ہے۔ پھر کلمۂ طیبہ پڑھا "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللہ" پھر اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ میں نے غور سے دیکھا تو روح تن سے جدا ہو چکی ہے یہ حال دیکھ کر میں بے ہوش ہو گیا کچھ وقفے کے بعد جب ہوش آیا تو وصیت کے مطابق تجہیز و تکفین میں مصروف ہوا، اور وہ تمام واقعات رونما ہوئے جن کی برادر مرحوم نے اطلاع دی تھی چنانچہ بعد فراغ تجہیز و تکفین، میں بھائی کی قبر سے لپٹ کر خوب

لہ عجایب خانۂ لندن میں عہد مستنصر باللہ کے جو ریشمی کپڑوں کے ٹکڑے ملے ہیں اُس میں ولی اللہ کے بعد صل... مستنصر باللہ امیر المومنین۔ صلوات اللہ علیہ وعلیٰ آبائہ الاکرمین الطاہرین وابناء المنتظرین کے الفاظ موجود ہیں جس سے ظاہر ہے کہ آئمۂ سلف کے بعد ان پر درود پڑھا جاتا تھا۔ رائل ایشیاٹک جرنل مطبوعہ اپریل ۱۹۰۶؁ لندن ۔"

رویا اور رخصت کے وقت غار کے دروازے پر تیرہ کا نقش کندہ کیا اور شیشے سے پانی چھڑک کر اسی جگہ شیشہ توڑ دیا اس وقت مجھے نظر آیا کہ گویا صبح صادق کا وقت ہے۔

غار کا دروازہ نظر سے اوجھل ہو گیا اور پہاڑوں کی قدرتی دیوار نے قبر کو اپنی آغوش میں لے لیا۔"

یہ دلچسپ کہانی ناظرین کی تفریح کے لئے لکھی گئی ہے اور صحیح واقعہ یہ ہے جو شمس العلما محمد حسین آزاد دہلوی کے الفاظ میں تحریر کیا جاتا ہے۔

راقم[۱] نے سفر بدخشاں (۱۸۸۵ء) میں ناصر کی قبر کو خود جا کر دیکھا ایسی دلچسپ اور دل فزا جگہ ہے کہ وہاں سے اُٹھنے کو جی نہیں چاہتا فیض آباد دارالخلافہ بدخشاں سے یہ مقام دو منزل کنارۂ جنوب و مشرق میں ہے۔ یہ علاقہ یمگان کہلاتا ہے، جہاں ناصر کی اولاد موجود ہے اہل بدخشاں اور دور دراز ملکوں کے لوگ ناصر سے بہت اعتقاد رکھتے ہیں اور خود بادشاہِ وقت نقد و جنس گھوڑے وغیرہ (قبر پر) نذر چڑھاتا ہے۔"

ناصر خسرو کو فوت ہوئے آج تک آٹھ سو اٹھتر سال گزر چکے اور ہنوز اس کی قبر زیارت گاہ خلایق ہے۔ آزاد کی غیبی شہادت کے بعد روایت مذکورۂ بالا کی غلطی ظاہر ہے اور میری رائے میں یہ مخصوص روایت (قبر کا غائب ہو جانا) سرگزشت ناصر خسرو میں الحاقی ہے، کیونکہ اس عہد میں بزرگان دین اور صوفیائے کرام کے حالات میں خرق عادت اور کرامات کا لکھنا لازمی تھا۔

---

[۱] نگارستان فارس آزاد صفحہ ۲۹-۳۰ مطبوعہ لاہور

خاتمہ

شب ِ رفت و حدیثِ ما بپایاں نرسید
شب را چہ گنہ حدیثِ ما بود دراز

حکیم ناصر خسرو علوی، اخیر چوتھی صدی ہجری کی معدنی پیداوار میں ایک درخشاں اور بے بہا کوہِ نور تھا، یہ وہ دور تھا کہ حکیم ابو علی سینا کے فضل و کمال کا آفتاب بڑھاپے سے خراسان میں مائل بہ غروب تھا۔ اور ناصر عالم شباب کی منزلیں طے کرتا ہوا مجلس حکما میں داخل ہو رہا تھا اور یہ واقعہ ہے کہ پانچویں صدی میں اس کا فلسفہ اور شاعری ایک زندہ علمی قوت تھی۔ جس کی بدولت عہد ماضی کی آج یہ شاندار یادگار قایم ہو رہی ہے۔ اور نظام عالم یہی ہے کہ بقائے دوام کے دربار میں جب ایک کرسی خالی ہوتی ہے، تب دوسرا باکمال باستحقاق اس پر متمکن ہوتا ہے۔

ابتدائی اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ مجھے برسوں ناصر خسرو سے شرف ہم کلامی (یہ معنوی نسبت تھی) حاصل رہا ہے، لیکن کچھ مدت کے لیے گفت و شنود کا دروازہ بند ہو گیا تھا، مگر الحمدللہ! کہ ۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء میں گم شدہ رفیق مل گیا۔ اور علمی صحبتیں از سرِ نو گرم ہو گئیں اور میری فرمایش پر اس غریب الوطن حکیم نے اپنی عبرت انگیز سوانح عمری سنائی جو اس کے الفاظ میں تحریر کی گئی ہے[1]

---

[1] تصنیفات ناصر مراد ہیں جو مقدمے کا ماخذ ہیں۔

اس موقع پر میرا یہ بھی فرض ہے کہ مستشرقین یورپ کی علمی زندگی اور قدر دانی کا شکریہ ادا کروں کیونکہ جو کام مسلمانوں کے کرنے کا تھا وہ انھوں نے کیا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انیسویں صدی عیسوی میں ناصر خسرو کو سب سے پہلے پروفیسر ریو اور برٹش نے زندہ کیا اور اس کی بعض تصنیفات پر ریویو کرتے ہوئے ناصر کا اہل مشرق سے تعارف کرایا، اس کے بعد پروفیسر شیفر نے سفر نامہ مغرب کا فرنچ میں ترجمہ کر کے نوٹ و سوانح کے ساتھ شایع کیا۔

ادمان فاگنان فرالنسوی اور اوستاد ہرمان آتہ ڈاکٹر ایتھی نے مثنوی سعادت نامہ اور مثنوی روشنائی نامہ کو فرنچ اور جرمنی میں مع اصل متن فارسی اور سوانح کے اشاعت کی اور ایتھی نے برٹش میوزم کی فہرست کتب فارسی مرتب کرتے وقت دیوان ناصر خسرو کا بھی گہری نظر سے مطالعہ کر کے سب سے اول یہ ثابت کیا کہ اس کی ولادت ۳۹۴ھ میں ہوئی ہے۔ پروفیسر ایڈورڈ براؤن انگلش نے زاد المسافرین کو تصحیح کر کے طبع کرایا اسٹیلا گارڈ اور ڈی ساسی نے ناصر خسرو کے قیام مصر کے مکمل حالات، اور عقاید باطنیہ لکھے افسوس ہے کہ میں مغربی زبانوں سے محروم ہوں بدیں وجہ ان عالمانہ اور محققانہ تبصروں سے مستفید نہ ہوسکا اور مجبوراً ناصر کی سوانح حیات خود لکھنا شروع کی، اس وقت میرے سامنے شمس العلما حالی کا ایک مختصر مقدمہ موجود تھا اور اس کے علاوہ حسب ذیل قدما کی تصنیفات پیش نظر تھیں۔

۱۔ جامع التواریخ رشید الدین فضل اللہ مطبوعہ پیرس

۲۔ حبیب السیر جلد دوم جزو چہارم مطبوعہ بمبئی

۳۔ دبستان مذاہب جلد دوم مطبوعہ کلکتہ

۴۔ تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی مطبوعہ ہالینڈ۔

۵۔ آتش کدۂ آذر۔ مطبوعۂ بمبئی

لیکن ان کتابوں میں بھی ناصر کی حیات کا سرمایہ بہت ہی قلیل تھا۔ چنانچہ اس ضرورت سے تصانیف ناصر خسرو فراہم کی گئیں جس کی تفصیل یہ ہے

۱۔ سفر نامۂ ناصر خسرو مترجمۂ پروفیسر شیفر بزبان فرنچ مطبوعۂ پیرس

۲۔ سفر نامۂ قلمی کتب خانۂ لوہارو۔

۳۔ سفر نامہ مع مقدمۂ خواجہ حالی مطبوعۂ دہلی۔

۴۔ سفر نامہ مطبوعۂ طہران

۵۔ سفر نامہ مطبوعۂ برلن (جرمنی)

۶۔ ترجمہ انگریزی سیاحت مصر و شام مترجمہ GUY LE-STRANGE مطبوعۂ لندن ۱۸۹۳ء

۷۔ سفر نامۂ قلمی ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ[1]

۸۔ مثنوی روشنائی نامہ مطبوعۂ برلن۔

۹۔ مثنوی سعادت نامہ مطبوعۂ برلن۔

۱۰۔ زاد المسافرین مطبوعۂ برلن۔

۱۱۔ وجہ دین ″

۱۲۔ دیوان ناصر خسرو فارسی مطبوعۂ طہران ۱۳۱۴ھ

۱۳۔ منتخب دیوان ناصر خسرو مطبوعۂ بمبئی

۱۴۔ سر گزشت ناصر خسرو (جو شامل دیوان مطبوعۂ بمبئی ہے) ان کتابوں

---

[1] ان سات سفر ناموں کے علاوہ دو قلمی نسخے موجودہ پیرس لائبریری نمبری ۵۴۴۱ و ۵۴۴۰ بھی گویا پیش نظر تھے۔ کیونکہ سفر نامہ مطبوعہ برلن میں ان نسخوں سے حرف بحرف مقابلہ کرکے اختلاف نسخ حاشیے پر لکھ دیا گیا ہے چنانچہ میں نے ترجمہ کرتے وقت ان حواشی سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔

کے مطالعے کے بعد یہ رائے قایم ہوئی کہ ناصر کے سوانح حیات کی بنیاد خود اسی کی تصانیف پر رکھی جائے اور جو کچھ میں نے لکھا ہی بقدر امکان اس کی تصدیق دوسری کتابوں سے بھی کی جائے۔ چنانچہ خدا کا شکر ہی کہ جو اصول قایم کیا گیا تھا اس میں کامیابی ہوئی اور ایک سہ ماہی کی محنت میں مقدمہ مکمل ہو گیا، جو سوانح عمری کی شکل میں نذر ناظرین کیا جاتا ہی۔ لیکن میرا ہرگز یہ دعوی نہیں ہی کہ یہ تذکرہ مکمل ہی۔ البتہ آیندہ زمانے میں ناصر کی بقیہ قلمی تصنیفات شایع ہوئیں تو اس وقت حیات ناصر خسرو پر کسی قدر اضافہ ممکن ہی لیکن یہ اضافہ بھی مذہبیات تک محدود رہے گا۔

اب انجمن ترقی اردو ہند کی جانب سے علمائے یورپ کی خدمت میں یہ ناچیز ہدیہ پیش کیا جاتا ہی۔

ع

گر قبول افتد زہے عز و شرف

خاتمے پر میں اپنے عزیز دوست مولوی محمد حسین محوی لکھنوی کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی تحریک پر ترجمۂ سفرنامہ بعد تکمیل شایع کیا جاتا ہی۔

اس کے بعد مکرمی ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو کا بھی شکرگزار ہوں جن کی ذات گرامی تمام ہندوستان میں خدمات اردو کے لئے ایک مستقل اکاڈیمی کا درجہ رکھتی ہی۔ اگر مولانا کی علمی قدردانی میری دستگیر نہ ہوتی تو برسوں کے لکھے ہوئے اجزا دیمک کی نذر ہو جاتے۔ اب خدائے عز و جل سے یہ دعا ہی کہ مثل "البرامکہ" و "نظام الملک طوسی" کے المالک (ترجمۂ سفرنامہ) کو بھی ملک میں شرفِ قبولیت حاصل ہو۔ آمین۔

المرقوم ۲۷ شوال یوم پنجشنبہ ۱۳۵۹ھ
مطابق ۲۸ نومبر ۱۹۴۰ عیسوی۔

خاکسار: محمد عبدالرزاق مترجم و محشی سفرنامہ
مہتمم تاریخ گورنمنٹ بھوپال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ دولت سلجوقیہ کا آغاز اور ناصر خسرو کی ملازمت

ابو معین الدین ناصر بن خسرو قبادیانی[1]، مروزی (خدا اس کو توبہ کی توفیق دے) عرض کرتا ہی کہ میرا اصلی پیشہ محرری (ملازمت دفتر انشا) ہی اور من جملہ ملازمان مالی و ملکی کے میں بھی (صدر) دفتر مال کا ایک عہدہ دار تھا۔ اور عرصہ تک خدمت مقررہ (مستوفی الملک) پر ممتاز رہ کر میں نے اپنے ہم عصروں میں بھی خاص شہرت حاصل کی تھی، بعد ازاں ربیع الآخر ۴۳۷ھ (اکتوبر ۱۰۴۵ء) میں افسر مال[5] (عامل) ہو کر دار الحکومت مرو (شاہ جان[2]) سے روانہ ہوا، اور پنج دیہ[3] (مضافات مرو رود[4]) میں قیام کیا۔ یہ وہ زمانہ ہی کہ ابو سلیمان[6] جغری بک داؤد بن میکائیل بن سلجوق صوبہ خراسان کا والی (گورنر) ہی۔

میں جس روز پنج دیہ پہنچا ہوں، وہ راس و مشتری کے قِران کا دن تھا۔ (نجومی کہتے ہیں کہ اس ساعت میں جو مراد مانگو، باری تعالیٰ پوری کرتا ہی) لہٰذا میں نے بھی ایک گوشہ میں جاکر دو رکعت نماز پڑھی اور دُعا کی کہ "خداوندا! مجھے بھی اصلی دولت سے مالا مال کردے۔

(نماز سے فارغ ہو کر) جب میں جلسۂ احباب میں آیا تو ایک صاحب فارسی شعر گنگنا رہے تھے، اس وقت مجھے بھی ایک شعر یاد آیا اور جی چاہا کہ اس

---

[5] عہدہ کی تشریح ناصر خسرو کی سوانح حیات میں موجود ہی اور الفاظ سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہی۔

کے پڑھنے کی فرمائش کروں اس لیے ایک کاغذ پر میں نے وہ شعر لکھا۔ لیکن ہنوز پرچہ دینے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ میرے دوست نے وہی شعر پڑھنا شروع کیا۔ چنانچہ اس واقعہ کو میں نے اپنے حق میں مبارک فال سمجھا اور خیال کیا کہ "خداوند تعالیٰ نے میری آرزو پوری کر دی"۔ پھر میں پنج دیہ سے جوزجانان[1] روانہ ہوا اور یہاں تقریباً ایک مہینہ قیام کیا۔

۲- ناصر خسرو کا ایک خواب اور نئی زندگی کا آغاز

میں شراب نوشی کا عادی تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قُوْلُوا الْحَقَّ وَلَوْ عَلٰی اَنْفُسِکُمْ سچی بات کہو اگرچہ وہ تمھارے حق میں مضر ہی کیوں نہ ہو"۔

ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ کوئی شخص مجھ سے کہ رہا ہے کہ "ناصر! یہ شراب جو انسان کی عقل کو زائل کر دیتی ہے، کب تک پیے جاؤ گے؟ اگر آپے میں رہو تو بہتر ہے"۔

میں نے جواباً عرض کیا کہ "شراب کے سوا حکما نے کوئی ایسی شے ایجاد ہی نہیں کی ہے جو غم غلط کرنے والی ہو"۔ جواب دیا کہ "بیخودی اور بے ہوشی میں بھی کہیں راحت ملتی ہے؟ تم اُس کو حکیم مت کہو جو ہوشیاروں کو متوالا بنادے۔ بلکہ حکیم سے ایسی شے مانگو جو عقل و ادراک میں اضافہ کر دے"۔ تب میں نے سوال کیا کہ "وہ شے کہاں سے دستیاب ہو سکتی ہے؟" فرمایا "جو ڈھونڈتا ہے وہ پا ہی جاتا ہے" اور قبلہ کی طرف اشارہ کر کے چُپ ہو رہا۔

جب میں خواب سے بیدار ہوا تو رات کا سماں پیش نظر تھا اس لیے

---

[1] ناصر خسرو افسر مال ہو کر جوزجانان آیا تھا۔ لیکن خواب دیکھتے ہی وہ مکہ معظمہ کو روانہ ہوا اور ملازمت سے استعفا دے دیا۔

مجھ پر پورا اثر ہوا اور دل میں فیصلہ کیا کہ جب میں شب گزشتہ کے خواب سے جاگ چکا ہوں تو خواب چہل[۸] سالہ سے بھی آنکھیں کھولنا چاہیے۔ غور کرنے سے سمجھ میں آیا کہ جب تک میں قدیم عادتیں نہ چھوڑوں گا، کبھی روحانی مسرت حاصل نہ ہوگی۔

پنجشنبہ کے دن چھٹی تاریخ جمادی الثانی ۴۳۷ھ (دسمبر ۱۰۴۵ء) مطابق نصف دی سال[۹] یزدجردی (سنہ ۴۱۴ فارسی) کو میں نے غسل کیا اور مسجد میں جاکر نماز پڑھی اور دعا کی کہ :-

" او بزرگ و برتر خدا! مجھے توفیق دے کہ واجبات ادا کروں اور منہیات شرعیہ سے باز رہوں، کیونکہ تیرا حکم بھی یہی ہے"

پھر جوزجانان سے شبورغان[۹] واپس ہوا، رات کو موضع باریاب[۱۰] (فاریاب) میں قیام کیا۔ یہاں سے سنگلان[۱۱] وطالقان[۱۲] ہوکر مرو رود آیا اور اس منزل سے روانہ ہوکر مرو (شاہ جان) میں داخل ہوا۔ اور ملازمت سے استعفا دے کر جمع خرچ سمجھا دیا اور پوچھنے والوں سے کہہ دیا کہ خانہ کعبہ کا عزم ہے چنانچہ اسباب معیشت سے بقدرِ ضرورت لے کر باقی سب چھوڑ دیا۔

۳- **ناصر خسرو کی سیاحت کا آغاز** تیئسویں[۳] شعبان ۴۳۷ھ (فروری ۱۰۴۶ء) کو سفر نیشاپور[۱۳] کا قصد کرکے مرو (شاہ جان) سے رخصت ہوا۔ اور تیس[۳] فرسنگ طے کرکے سرخس[۱۴] میں پہنچا۔ یہاں سے نیشاپور کا فاصلہ چالیس[۴] فرسنگ ہے۔

۴- **نیشاپور** شنبہ کے دن گیارھویں[۱] شوال (اپریل) کو نیشاپور میں داخل ہوا۔ اس مہینہ کے آخری چہار شنبہ کو سورج گہن پڑنے والا تھا۔ طغرل بک محمد برادر جعفری بک داؤد بہ حیثیت فرمانروا حکمران تھا۔ اور اس کے حکم سے بازار سراجان کے قریب ایک نئے مدرسہ[۱۵] کی عمارت بن رہی تھی۔

اور وہ خود پہلی مرتبہ اصفہان کی مہم پر گیا ہوا تھا۔

قومس

دوسری ذیقعدہ (مئی)، کو نیشاپور سے خواجہ[۱۶] موفق (معتمد دارالانشا سلطان طغرل بک سلجوقی) کے ہمراہ کوان[۱۷] کے راستہ سے قومس[۱۸] میں آیا اور حضرت شیخ بایزید بسطامی[۱۹] قدس اللہ روحہ کے مزار کی زیارت سے مشرف ہوا۔

جمعہ کے دن ۸۔ ذیقعدہ کو قومس سے دامغان[۲۰] روانہ ہوا اور غرہ ذی الحجہ سنہ ۴۳۸ھ (جون) کو آب[۲۱] خوری و چاشت خوران کے راستہ سے سمنان[۲۲] میں داخل ہوا اور یہاں عرصہ تک قیام رہا۔

علی نسائی اور ناصر خسرو کی گفتگو

سمنان میں (لطف صحبت کے لیے) اہلِ علم کی جستجو کرتا رہا، لوگوں نے ایک شخص کا پتہ بتایا جو استاد علی نسائی[۲۳] کے نام سے مشہور تھا۔ میں اُس کی خدمت میں حاضر ہوا یہ ایک جوان آدمی تھا، کاکلیں شانہ پر پڑی ہوئی تھیں اور دیلمی لہجہ میں فارسی بولتا تھا، سامنے طلبہ کا ہجوم تھا۔ ایک جماعت اقلیدس پڑھ رہی تھی، دوسری طب، تیسری حساب۔ اور دورانِ تقریر میں یہ بھی کہتا جاتا تھا کہ "میں نے استاد ابو علی سینا[۲۴] رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح پڑھا ہے اور یوں ہی سنا ہے"۔ اس جملہ سے حضرت کی یہ غرض تھی کہ مجھے معلوم ہو کہ وہ حکیم بو علی سینا کا شاگرد ہے۔ استاد علی نسائی سے جب میرا مباحثہ شروع ہوا، تو کہنے لگا کہ میں مطلق حساب نہیں جانتا ہوں، اس لیے آرزو ہے کہ کسی قدر حساب پڑھوں۔ یہ سُن کر مجھے تعجب ہوا اور حلقۂ درس سے اٹھ کر چلا آیا اور خیال کیا کہ جب یہ خود ہی کچھ نہیں جانتا ہے، تو وہ دوسروں کو کیا سکھائے گا؟

میرے تخمینے کے مطابق بلخ[۲۵] سے رَے[۲۶] تک ساڑھے تین سو فرسنگ کی مسافت ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ رے سے سادہ[۲۷] تیس فرسنگ ہے اور سادہ سے

ہمدان[۲۸] بھی اسی قدر ہے اور رے سے سپاہان (اصفہان) پچاس فرسنگ ہے اور آمل[۲۹] سے تیس[۳۰] فرسنگ ہے۔ رے اور آمل کے مابین کوہ دماوند[۳۱] مثل ایک گنبد کے نمایاں ہے جس کو لواسان کہتے ہیں (دماوند یا لواسان کوہ البرز کی شاخ ہے)

معدنیات دماوند

بیان کیا جاتا ہے کہ اس پہاڑ کی چوٹی پر ایک کنواں ہے جس سے نوشادر (نوسادر) نکلتا ہے اور گندھک بھی۔ ملکی باشندے بیل کا چرسہ اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور اس میں نوشادر بھر کر پہاڑ کی چوٹی سے ڈھلکا دیتے ہیں، کیونکہ پہاڑی راستہ سے اس کا لانا غیر ممکن ہے۔

پانچویں محرم ۴۳۸ھ (جولائی ۱۰۴۶ء) مطابق مُرداد ۴۱۱ف کو میں جانب قزوین[۳۲] روانہ ہوا۔ اور موضع قوہہ[۳۳] میں پہلی منزل ہوئی۔ اس زمانہ میں یہاں قحط تھا، پونے دو سیر[1] جو کی روٹی دو[2] درہم (آٹھ آنے) کو بکتی تھی۔

قزوین

یہاں سے آگے بڑھا۔ نویں محرم کو قزوین پہنچا۔ اس شہر میں باغات کی افراط ہے مگر باغوں میں چار دیواری (فصیل) کا دستور نہیں ہے۔ اور نہ کانٹوں کا جنگلہ (خاربندی) لگایا جاتا ہے، لیکن باغات کے اندر جانے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ تھی۔

قزوین خوبصورت شہر ہے جس کی فصیل مضبوط ہے اور اس پر کنگرے بنے

---

[1] اصلی جملہ یہ ہے کہ "آنجا یک من نان جو بدو درہم میدادند"۔ عراق عجم میں من کی مقدار ناصر خسرو کے زمانہ میں ۳½ پونڈ (پونے دو سیر) تھی۔ اور تمام سفرنامہ میں ہزاروں من کی مقدار اسی حساب سے ہے۔ لہذا جہاں ضرورت ہو اسی معیار سے حساب لگایا جائے۔ ایران میں ایک خچر یا گدھا سو من بوجھ لے جاتا ہے جس کو خروار، خربار یا بارخر کہتے ہیں، مشہد میں ۶۳۹ پونڈ، ۳۲۴½ سیر یا آٹھ من ۴½ سیر کے برابر ہوتا ہے۔ (از خیابان فارس)

[2] ایک درہم کم از کم چار آنے کا تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ نقرئی سکہ تھا۔

ہوئے ہیں، بازار بھی اچھے ہیں، البتہ پانی کی قلت ہے اور کاریزوں (زمین دوز نہریں) پر بہم رسی منحصر ہے۔ حاکم شہر ایک علوی تھا اور ضاعون میں سب سے زیادہ جوتے بنانے والے تھے۔

ایک بقال کی احمقانہ گفتگو

بارھویں محرم ۴۳۸ھ کو (بیل[۳۴] و قبان[۳۵] کے راستے سے) میں قزوین سے روانہ ہوا، اور ایک موضع میں جس کو خرزویل[۳۶] کہتے ہیں پہنچا۔ میرا چھوٹا بھائی (خواجہ ابوسعید) اور ایک ہندوستانی چھوکرا ساتھ تھا۔ سامان خوراک میں کمی ہوگئی تھی لہذا ابوسعید بقال[۱] سے کچھ چیزیں خریدنے کے لیے گانوں میں گیا۔ ایک شخص نے کہا میں بقال ہوں، فرمائیے! ابوسعید نے کہا ہم مسافر ہیں، سب ہی چیزوں کی ضرورت ہے، پھر کھانے کی ایک ایک چیز کا نام لے کر دریافت کیا تو جواب دیا کہ ان میں سے تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد جہاں کہیں کوئی شخص ایسی باتیں کرتا تو ہم یہی کہتے کہ یہ خرزویل کا بقال ہے۔

طارم

خرزویل سے آگے کا راستہ بہت ڈھلوان تھا، تین فرسنگ کے بعد علاقہ طارم[۳۷] کا ایک گانو ملا جس کا نام برزالخیر[۳۸] تھا، یہ گرم سیر مقام تھا انار و انجیر کے درخت بکثرت تھے۔ جن میں سے اکثر خودرو تھے۔ یہاں سے چل کر ایک ندی ملی، جس کا نام شاہ رود تھا اور اس ندی کے کنارے گانو آباد تھا، جس کو خنداں کہتے تھے۔ یہاں محصول لیا جاتا تھا، یہ علاقہ ملک الملوک (از خاندان سلاطین دیلم) کے قبضے میں تھا۔

دریائے آبسکون کی مشہور ندیاں اور جزیرے

شاہ رود[۳۹]، خنداں سے

---

[۱] ممالک ایران میں بقّال بہ معنی سبزی فروش ہے۔ اور ہندوستان میں غلہ فروش کو کہتے ہیں حالانکہ اس معنی میں صحیح لفظ بدّال ہے۔

آگے بڑھ کر دوسری ندی میں مل جاتی ہو جس کو سپیدرود کہتے ہیں اور یہ دونوں ندیاں مل کر ایک پہاڑی درے میں گرتی ہیں جو کوہ گیلان کے پورب جانب واقع ہو اور گیلان سے آگے چل کر یہ ندیاں دریائے آبسکون[ا] میں مل جاتی ہیں۔ مشہور ہو کہ چودہ سو (۱۴۰۰) ندیاں، آبسکون میں گرتی ہیں اور یہ دریا بارہ سو (۱۲۰۰) فرسنگ تک بہتا ہوا چلا گیا ہو جس میں جزائر بھی ہیں اور بڑی آبادی ہو۔ میں نے یہ روایتیں متعدد اشخاص سے سُنی ہیں۔ (اب میں پھر اپنے سفر کی داستان شروع کرکے کام میں مصروف ہوتا ہوں)۔

شمیران خنداں سے شمیران تک تین فرسنگ کا ایک چھوٹا سا جنگل ہو جو بالکل پتھریلا ہو اور شمیران، علاقہ طارم کا ایک قصبہ ہو۔ آبادی کے کنارے ایک بلند قلعہ ہو، جس کی بنیاد ایک پہاڑی چٹان پر ہو اور اس کے گرد تہری فصیل ہو اور قلعہ کے وسط سے ندی کے کنارے تک آب رسانی کے لیے ایک کاریز کاٹ کرلے گئے ہیں۔ اور اس قلعہ میں سرحدی قبائل کے سرداروں کے ایک ہزار (۱۰۰۰) لڑکے (بطور یرغمال یا اُول) موجود رہتے ہیں تاکہ کوئی سردار بغاوت نہ کرسکے۔ ولایت دیلم میں اس امیر کے بہت سے قلعے بیان کیے جاتے ہیں، انصاف اور امن وچین کا یہ حال ہو کہ تمام ملک میں کسی کی یہ مجال نہیں ہو کہ کسی سے جبراً کچھ وصول کرسکے اور جامع مسجد میں جس قدر نمازی آتے ہیں وہ سب مسجد کے باہر جوتے چھوڑ آتے ہیں اور کوئی جوڑا چوری نہیں جاتا[ل]۔

امیر ابراہیم ملقب بہ جستان والی جبال طبرستان یہ امیر اپنا نام کاغذات سرکاری میں اس طرح پر لکھتا ہو۔ مرزبان[۲] الدیلم

ل مساجد سے جوتوں کی چوری زمانہ قدیم سے جاری ہو اور ہندوستان میں یہ چوری عام طور سے ہوتی تھی ناصر خسرو کے نزدیک مسجد کے باہر سے جوتے چوری نہ جانا بہترین سیاست اور انتظام حکومت ہو۔

خیں جیلان[۲۲] ابوصالح مولیٰ امیر المومنین۔ اور امیر کا نام جستان ابراہیم ہے۔

شمیران میں ایک مرد صالح سے ملاقات ہوئی جو دربند[۲۳] کا باشندہ تھا اس کا نام ابوالفضل خلیفہ بن علی الفیلسوف تھا۔ یہ بہت خلیق تھا، جس نے میرے ساتھ فیاضانہ سلوک کیا۔ میرا اس کا مباحثہ بھی ہوا کرتا تھا اور باہم دوستی ہو گئی تھی۔ ایک دن مجھ سے پوچھا کہاں کا قصد ہے؟ میں نے کہا "خانہ کعبہ کی نیت کر چکا ہوں"۔ یہ سن کر بولا "میری آرزو ہے کہ واپسی کے وقت اسی راستہ سے جانا کہ دوبارہ لطف ملاقات حاصل ہو"۔ چھبیسویں محرم کو شمیران سے چل کر چودہ[۲۴] صفر کو شہر سراب[۲۴] میں داخل ہوا اور سولھویں صفر کو یہاں سے روانہ ہو کر سعید آباد[۲۵] کے راستے سے بیسویں صفر ۴۳۸ھ (اگست ۱۰۴۶ء) کو تبریز[۲۶] پہنچا، آج شہریور یزدجری (ستمبر) کی پانچویں تاریخ تھی۔

تبریز

تبریز صوبہ آذربائجان کا ایک شہر ہے۔ اور خوب آباد ہے۔ میں نے اس کی پیمائش کی تو طولاً و عرضاً چودہ سو قدم تھا۔

ملک الملوک امیر ابو منصور دسواں فرمانروائے آذربائجان

فرمانروائے آذربائجان کا نام خطبہ میں اس طرح پڑھا جاتا ہے۔ "الامیر الاجل سیف الدولہ، شرف الملۃ ابو منصور وہسودان بن محمد مولیٰ امیر المومنین"۔

باشندگان شہر سے معلوم ہوا کہ پنجشنبہ کی رات میں نماز عشا کے بعد سترھویں تاریخ ربیع الاول ۴۳۴ھ (اکتوبر ۱۰۴۲ء) کو (ایام مسترقہ[۱]) میں یہاں زلزلہ آیا تھا جس میں شہر کا کوئی حصہ تو تباہ ہو گیا تھا اور کوئی حصہ محفوظ رہ گیا تھا، تاہم بیان کیا جاتا ہے کہ چالیس ہزار انسان ہلاک ہوئے تھے۔

---

[۱] ایام مسترقہ کے لیے نوٹ ۳۵ سنہ یزدجردی ملاحظہ ہو۔

قطران شاعر سے ملاقات

تبریز میں قطران[47] شاعر سے ملاقات ہوئی۔ یہ شعر تو خوب کہتا تھا مگر فارسی زبان اچھی نہیں جانتا تھا۔ جب مجھ سے ملنے آیا تو دیوان منجیک[48] اور دیوان دقیقی[49] ساتھ تھا چنانچہ ان میں سے اشعار سنائے اور مشکل الفاظ کے معنی حل کر کے لکھ لیے اور اپنے شعر بھی سنائے۔

چودھویں ربیع الاول (ستمبر ۱۰۴۶ء) کو مرند[50] کے راستے امیر وہسودان کی فوج کے ہمراہ روانہ ہوا اور خوئی پہنچ کر ایک رہنما کے ہمراہ برکری[51] تک آیا خوئی سے برکری تیس فرسنگ ہے۔

بارھویں جمادی الاول (نومبر) کو میں برکری میں داخل ہوا (صوبہ آذر[52][53] بائجان ختم ہو گیا) اور یہاں سے وان[54] اور وسطان میں پہنچ گیا۔

وان بازار میں بکری کے گوشت کی جگہ سور کا گوشت فروخت ہو رہا تھا اور شراب کی دکانوں پر مرد اور عورتیں علانیہ شراب نوشی میں مصروف تھیں، یہاں سے چل کر اٹھارھویں جمادی الاول کو اخلاط پہنچا۔

اخلاط اسلامی اور ارمنی[55] علاقہ کا اخلاط[56] سرحدی شہر ہے۔ برکری سے یہاں تک انیس فرسنگ کا فاصلہ ہے۔ اخلاط میں ایک امیر رہتا تھا جس کو نصر الدولہ کہتے تھے اس کی عمر سو سال سے زیادہ تھی اور کثیر الاولاد تھا اور ہر لڑکے کو جداگانہ شہروں کی حکومت دے رکھی تھی۔

اخلاط میں عربی، فارسی، ارمنی تینوں زبانیں بولی جاتی تھیں اور میرا گمان ہے کہ اختلاط زبان کی وجہ سے اس شہر کا نام اخلاط ہے، یہاں لین دین پول[57] سے ہوتا ہے اور رطل[58] کی مقدار تین سو درہم ہے۔

بیسویں جمادی الاول کو اخلاط سے چل کر ایک مہمان خانہ (رباط) میں ٹھیرا برف گر رہی تھی اور شدت کا جاڑا پڑ رہا تھا۔ شہر سے نکل کر جنگل میں تھوڑے تھوڑے

فاصلہ پر زمین میں لکڑیاں گڑی تھیں تاکہ برف باری اور کہر کے دن مسافر اسی نشان پر چلیں۔

بَطلِس[۵۹] اخلاط سے بطلس[۵۹] میں آیا، یہ شہر ایک پہاڑی درے میں آباد کیا گیا ہے یہاں میں نے تین من تین سیر شہد ایک دینار میں خرید کیا اور یہ وہ نرخ ہے جس پر میرے ہاتھ فروخت کیا گیا تھا، لوگوں کا بیان تھا کہ اس شہر میں ایک تاجر ہے جو تمام سال میں تین چار سو مشکیں شہد بھر لیتا ہے۔ پھر ہم یہاں سے روانہ ہوئے راستہ میں ایک قلعہ دیکھا جس کو قِفُ اُنْظُر[۶۰] کہتے تھے، یہاں سے چل کر ایسی جگہ پہنچے جہاں ایک مسجد تھی اور جس کی نسبت مشہور تھا کہ وہ حضرت اویس[۶۱] قرنی قدس اللہ روحہ کی تعمیر کردہ ہے۔

عَرْیا سرو کوہی اس نواح میں دیکھا کہ لوگ پہاڑوں میں گھومتے پھرتے ہیں اور ایک لکڑی جو درخت سرو سے مشابہ تھی کاٹ کر جمع کرتے ہیں، میں نے پوچھا یہ کس کام آتی ہے؟ جواب دیا کہ ہم اس کو ایک سرے سے جلاتے ہیں جس کے دوسرے سرے سے قطران[۶۲] (روغن چیڑ) نکلتا ہے جس کو اول ہم ایک حوض میں جمع کرتے ہیں پھر برتنوں میں بھر لیتے ہیں (اور فروخت کے لیے) دوسرے شہروں میں لے جاتے ہیں۔

اخلاط کے بعد جن مقامات کا یہاں مختصر ذکر کیا گیا ہے وہ سب علاقہ میافارقین[۶۳] میں داخل ہے۔

ارزن یہاں سے شہر ارزن[۶۴] میں آیا، یہ خوبصورت اور آباد شہر ہے۔ پانی کے چشمے، باغات اور درختوں کی کثرت ہے اور بازار بھی اچھے ہیں، ماہ آذر (دسمبر) میں سات من دو سیر انگور ایک دینار میں فروخت ہوتے ہیں۔

لہ اس کا لفظی ترجمہ فارسی میں بایست و بنگر ہے اور اردو میں ٹھیر، دیکھ۔

جس کا نام رزائی[95] مانوش (قیصر ار مانوش کا انگور) ہی۔

میّافارقین

ارزن سے میّا فارقین میں داخل ہوا، اخلاط سے میّافارقین تک اٹھائیس فرسنگ کا فاصلہ ہی اور بلخ سے میّافارقین (جس راستے میں آیا تھا) تک پان سو بادن فرسنگ کی مسافت ہی۔

جمعہ کا دن اور چھبیسویں تاریخ جمادی الاوّل کی تھی ان دنوں میں درختوں کے پتّے سبز تھے۔ ایک زبردست فصیل سنگِ سفید کی بنی ہوی تھی جس کا ہر پتّھر وزن میں تقریبًا ۱۹ من ہوگا اور ہر پچاس گز کے فاصلے پر مذکورہ بالا پتّھر کا ایک بڑا برج بنا ہوا تھا اور تمام کنگروں کی کلسیاں برقرار تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی معمار کام کر کے اُٹھا ہی۔

شہر میں جانب مغرب آمد ورفت کے لیے ایک ہی دروازہ ہی جس میں پتّھر کی ایک شاندار محراب ہی اور لوہے کا پھاٹک نصب ہی جس میں لکڑی کا نام نہیں ہی اور جامع مسجد[1] بھی ہی۔ اگر اس کی تعریف لکھوں تو طوالت سے خالی نہیں مختصر یہ[2] ہی کہ مسجد کا وضوخانہ اس قدر بڑا ہی جس میں چالیس سے زیادہ حجرے ہیں۔ شہر کے ہر گھر میں دو بڑی نہریں جاری ہیں، ایک کا پانی اوپر کے کاموں میں صرف ہوتا ہی اور دوسری نہر زمین کے نیچے بہتی ہی جو تہ نشین اشیا اور حوضوں

---

[1] عرب اور عجم میں ہر مسجد کو جامع کہتے ہیں اور ہندوستان میں جامع مسجد سے صرف وہ مسجد مُراد ہوتی ہی جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہو، لہٰذا مسجد آدینہ کا ترجمہ ہر جگہ جامع مسجد کیا گیا ہی۔

[2] اصل عبارت یہ ہی "بالجملہ متوضائے درآن مسجد ساختہ اند کہ جہل؟ حجرہ در بیش است"۔ یہ وضوخانہ ایک بڑے دالان کے اندر ہوگا جس میں پانی کی حفاظت کے لیے غسل خانوں کی طرح جوڑیاں چڑھی ہوں گی اور کھلا ہوا حوض ہوگا جیسا کہ جامع مسجد دہلی وغیرہ میں ہیں یا حوض بند ہوگا اور اس میں وضو کے لیے ٹونٹیاں لگی ہوں گی۔ بہرحال مسجد کے اندر وضوخانہ ایک مستقل عمارت کی شکل میں تھا۔ مترجم

کو صاف کرتی ہے اور فصیل کے باہر بھی سرائیں بازار اور حمام موجود ہیں اور ایک دوسری مسجد ہے جہاں جمعہ کی بھی نماز ہوتی ہے اور شمال کی طرف ایک اور آبادی ہے جس کو محدثہ (نیا شہر) کہتے ہیں اور اس میں بھی خاص ترتیب سے بازار اور مسجد اور متعدد حمام موجود ہیں۔

امیر ابو نصر احمد کردی حمیدی فرماں روائے دیار بکر

فرماں روا کا نام خطبہ میں اس طرح پڑھا جاتا ہے: "الامیر[96] الاعظم عز الاسلام سعد الدین نصر الدولہ وشرف الملۃ ابو نصر احمد" سلطان کی عمر سو برس کی ہے۔ یہاں کا آٹھ رطل، چار سو اسی درہم کے برابر ہے۔ میا فارقین سے چار فرسنگ کے فاصلہ پر سلطان نے ایک نیا شہر آباد کیا ہے جس کا نصریہ[97] نام رکھا ہے اور آمد سے میا فارقین تک ۹ فرسنگ کا فاصلہ ہے۔

آمد

دی (جنوری) کی چھٹی تاریخ کو میں شہر آمد[98] میں پہنچا۔ یہ پورا شہر ایک پتھریلی چٹان پر آباد ہے جو طولاً و عرضاً دو ہزار قدم ہوگا اور فصیل سیاہ پتھر کی ہے جس میں تین من سے تینتیس من تک کے ترشے ہوئے پتھر لگے ہیں۔ اکثر یہ پتھر اس طرح وصل ہیں جن میں مٹی اور چونہ کی جوڑائی کا پتہ نہیں ہے۔

دیوار کی اونچائی بیس[1] ہاتھ اور عرض دس ہاتھ ہے اور ہر سو گز کے فاصلہ پر ایک برج بنایا ہے، جس کا نصف دائرہ اسی گز کا ہے اور اسی سیاہ پتھر کے کنگرے بھی ہیں۔

---

۱ ناصر نے ہاتھ کے معنی میں آرش کا لفظ استعمال کیا ہے جس کی مقدار کہنی سے انگلیوں تک ہے اور (ارش) عربی گز (ذرعہ) کے مطابق ہے۔ لیکن عمارتوں کی پیمائش میں ذرعہ سے مکعب مراد ہے یعنی طول، عرض وارتفاع۔ ملاحظہ ہو تفصیل عمارات بیت المقدس۔ مترجم

شہر کے اکثر مقامات پر پتھر کی سیڑھیاں بنی ہوی ہیں، جن کے ذریعہ سے فصیل پر چڑھ سکتے ہیں۔ اور ہر برج پر لڑائی کے مورچے تعمیر ہیں۔ شہر میں چار دروازے ہیں جن میں خالص لوہے کے پھاٹک نصب ہیں اور ہر دروازہ کا رخ جنوب میں سے ایک سمت کی طرف ہی۔ چنانچہ شرقی دروازہ کا نام بابُ الدجلہ، مغربی کا بابُ الرُوم، شمالی کا باب الارمن۔ اور جنوبی کا باب التّل ہی۔ اور اس دیوار کے باہر دوسری فصیل بھی اسی پتھر کی موجود ہی، جس کی اونچائی دس گز ہی۔ پوری دیوار پر کنگورے ہیں۔ اور پھر کنگوروں کے اندر سے ایسا راستہ بنایا ہی۔ جس میں سے مسلح سپاہی نکل جاتا ہی۔ اور کھڑا ہو کر آسانی سے لڑ سکتا ہی۔

اس دوسری بیرونی دیوار میں بھی لوہے کی جوڑیاں چڑھی ہوئی ہیں جس کے دروازے اندرونی دروازوں کے مخالف سمت پر نصب ہیں لہٰذا جب پہلی دیوار کے دروازوں سے داخل ہوں تو اوّل فصیل کے ایک حصّہ کو طے کرنا پڑتا ہی اس کے بعد دوسری دیوار کے دروازہ تک پہنچتے ہیں اور اس فصیل کی چوڑائی پندرہ گز ہی۔ شہر کے اندر پانی کا ایک خوش نما چشمہ ہی جو ایک چٹان سے نکلتا ہی جس کا محیط پانچ چکیوں کے برابر ہوگا[۲] یا یہ کہ اس میں پانچ چکیاں چل سکتی ہیں اگر کسی کو علم نہیں ہی کہ یہ پانی کہاں سے آتا ہی اور شہر کے تمام باغات کا نشوونما اسی چشمہ سے ہی۔

امیر نصر الدولہ مذکور کا ایک لڑکا شہر کا حاکم ہی۔ میں نے عرب، عجم،

---

[۱] اکثر ایشیا کے شہروں کی آبادی اس طرح پر بھی کہ ایک شہر فصیل کے اندر آباد ہوتا تھا اور دوسرا فصیل کے باہر اور فصیل کہیں ایک ہوتی تھی اور کہیں دو تین اور ہر ایک کے اندر جُداگانہ آبادی ہوتی تھی جس کی تصدیق اس سفرنامہ سے بھی ہوتی ہی۔

[۲] اصل عبارت یہ ہی " چشمہ ایست کہ از سنگ خارا بیروں می آید، مقدار پنج آسیا گرداے "

ہندوستان، اور ترکستان کے بکثرت شہر و قلعے دیکھے ہیں لیکن اطراف عالم میں آمد سے بہتر کوئی شہر نظر نہیں آیا۔ اور نہ کسی سیاح نے مجھ سے بیان کیا کہ آمد جیسا شہر کہیں اور بھی ہی۔

آمد کی مسجد مسجد بھی اسی سیاہ پتھر کی ہی، جس سے زیادہ سڈول اور مضبوط ہونا غیر ممکن ہی۔ اس مسجد میں کچھ اوپر دو سَو پتّھر کے ستون ہیں اور ہر ستون ایک ڈال پتّھر کا ہی، پھر ہر ستون پر سنگی محراب ہی اور پھر ان سنگی محرابوں پر بھی چھوٹے چھوٹے ستون ہیں جو پہلی قطار سے چھوٹے ہیں، اس کے بعد بڑی محراب پر ایک دوسری قطار اور ہی اور یہ دو منزلہ[1] مسجد (باستثنائے پشتہ) پٹی ہوئی ہی اور مسجد میں جس قدر لکڑی و پتھر کا کام ہی وہ سب نقشی و روغنی ہی۔ صحن مسجد میں ایک بڑا پتھر رکھا ہوا ہی جس کے اوپر ایک بہت بڑا گول، سنگین حوض تراش کر رکھ دیا ہی جس کی اونچائی ایک قد آدم اور محیط دس گز ہی اور وسط حوض میں پیتل کی ٹونٹی لگی ہوئی ہی جس سے صاف ستھرا پانی بذریعہ فوّارہ نکلتا رہتا ہی۔ اور پتہ نہیں چلتا کہ یہ پانی کہاں سے آتا ہی اور کدھر جاتا ہی۔ مسجد کا وضو خانہ نہایت وسیع ہی اور ایسا خوبصورت بنایا ہی کہ اس سے بہتر ہونا مشکل ہی، ہاں یہ بات ضرور ہی کہ آمد کی تمام عمارتیں سنگ سیاہ کی ہیں اور میّا فارقین کی سنگ سفید کی۔

آمد کا کلیسا مسجد کے قریب ایک بڑا گرجا ہی جس کی پوری شاندار عمارت پتھر کی ہی اور فرش بھی سنگ مرمر کا ہی جس پر نقاشی کی گئی ہی اور قربان گاہ (محل عبادت) پر لوہے کا ایک جالدار دروازہ لگایا ہی جس سے زیادہ خوبصورت دروازہ میں نے کہیں نہیں دیکھا ہی۔ شہر آمد سے حرّان کو دو سڑکیں جاتی ہیں، ان میں سے ایک تو بالکل ویران ہی جس کی مسافت چالیس فرسنگ ہی اور دوسری

---

[1] یہ دو منزلہ مسجد ہو گی جس طرح بمبئی وغیرہ میں دو منزلہ مساجد موجود ہیں۔

آباد ہے جس کے کنارے بکثرت مواضعات ہیں اور ان میں اکثر عیسائیوں کی آبادی ہے۔ اس سڑک کا طول ساٹھ فرسنگ ہے۔ میں اسی آباد راستہ سے ایک قافلہ کے ہمراہ گیا تھا۔ جنگل تو ہموار تھا مگر پتھروں کی یہ کثرت تھی کہ باربرداری کے جانور ہر ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتے تھے۔

حرّان

جمعہ کے دن پچیسویں جمادی الآخر ۴۳۸ھ کو حرّان[۶۹] میں داخل ہوا۔ دی جنوری کی دوسری تاریخ تھی، لیکن پھر بھی یہاں ایسی ہوا چل رہی تھی جیسے خراسان میں بزمانہ نوروز چلا کرتی ہے۔

قردی

حرّان سے رخصت ہو کر شہر قردی[۷۰] میں پہنچا اور ایک فیاض شخص کا مہمان ہوا۔ یہاں ایک بدوی عرب میرے پاس آیا جو ساٹھ برس کا بوڑھا کھرانٹ تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ قرآن پڑھا دو۔ میں اس کو "قل اعوذ برب النّاس" پڑھاتا تھا اور وہ میرے الفاظ دُہراتا تھا۔ جب میں نے کہا "من الجنۃ والنّاس" تو کہنے لگا کہ "اس کے بعد ارایت النّاس بھی کہوں" میں نے کہا کہ "یہ سورۃ صرف اسی قدر ہے" پھر پوچھا کہ "نقالۃ الحطب" کون سورۃ ہے؟ کیونکہ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ سورہ تبّت میں حمالۃ الحطب ارشاد ہوا ہے، نہ کہ نقالۃ الحطب۔ چنانچہ تمام رات میں یہ ساٹھ برس کا بوڑھا بدّو سورہ قل اعوذ برب الناس یاد نہ کرسکا۔

(۵) ناصر خسرو ملک شام میں

جمعہ کے دن دوسری رجب ۴۳۸ھ (۲ جنوری ۱۰۴۷ء) کو شہر سروج[۷۱] میں داخل ہوا۔

سروج و منبج

اور دوسرے دن دریائے فرات[۷۲] سے پار اُتر کر منبج[۷۳] پہنچا۔ شام[۷۴] کے شہروں میں یہ سب سے پہلا شہر ہے، بہمن فروری کا ابتدائی زمانہ تھا، ہوا

نہایت خوشگوار تھی، شہر کے باہر کسی قسم کی عمارت نہ تھی، منبج سے حلب کو روانہ ہوا۔ میافارقین سے حلب تک سو فرسنگ کا فاصلہ ہے۔

حلب

حلب[۵] مجھے خوبصورت نظر آیا، اس کی فصیل زبردست ہے جس کی بلندی تقریباً پچیس ہاتھ ہوگی۔ اور ایک زبردست قلعہ پہاڑی چٹان پر ہے، حلب چھاؤنی بلخ کی طرح خوب آباد ہے اور عمارتیں گنجان ہیں۔ ممالک شام، روم، دیار بکر، اور عراق کا یہ شہر پرمٹ خانہ (کسٹم ہاؤس[۶]) ہے اور ان جملہ ممالک سے سوداگر یہاں آتے ہیں۔ حلب میں چار دروازے حسب ذیل ہیں۔ باب الیہود، باب اللہ باب الجنان، باب انطاکیہ۔ یہاں کا بازاری باٹ یعنی رطل[۶] ظاہری چار سو[۷] اسّی درہم (تقریباً ۳½ پونڈ) کا ہے۔ اور حلب سے جب جنوب کی طرف جاؤ تو بیس فرسنگ پر حماۃ ملتا ہے، بعد ازاں حمص[۷] اور حلب سے دمشق[۸] تک پچاس فرسنگ کا فاصلہ ہے اور حلب سے انطاکیہ[۹] بارہ فرسنگ ہے اور اسی قدر طرابلس (ٹری پولی)، ہے۔ کہتے ہیں کہ حلب سے قسطنطنیہ دو سو فرسنگ ہے۔

سَرمین

گیارھویں رجب (۱۱ر جنوری) کو میں شہر حلب سے روانہ ہوا، تین فرسنگ کی مسافت پر ایک گانو ملا جس کو جُند قنسرین[۱۰] کہتے ہیں۔ دوسرے دن چھ فرسنگ چل کر شہر سرمین[۱۱] میں پہنچا، جس میں فصیل نہ تھی۔

پھر چھ فرسنگ آگے بڑھ کر معرۃ النعمان[۱۲] ملا، جس کی فصیل پختہ تھی، یہ آباد شہر ہے۔

معرّۃ النعمان

شہر کے دروازہ پر ایک پتھر کا ستون نصب ہے جس پر کچھ لکھا ہوا تھا، مگر رسم خط عربی نہ تھا۔ میں نے ایک شخص سے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ اس کو طلسم گژدمی کہتے ہیں جس کی وجہ سے

ے دفتر سائر، چونگی اور کردرگیری بھی کہتے ہیں۔

بچھو اس شہر میں نہیں آتا ہے اور اگر باہر سے لاکر یہاں چھوڑ دیں تو بھاگ جاتا ہے اور پھر پلٹ کر شہر میں نہیں آتا۔ اس پتّھر کا طول تقریبًا دس ہاتھ ہوگا۔ بازار بہت آباد ہیں، جامع مسجد وسط شہر میں بلندی پر واقع ہے جس میں ہر سمت سے نمازی داخل ہوتے ہیں، تیرہ[۱۳] سیڑھیاں چڑھنا پڑتی ہیں۔ صرف گیہوں کی کاشت ہوتی ہے اور افراط سے پیدا ہوتا ہے۔ انجیر، زیتون، پستہ، بادام، اور انگور بکثرت ہوتا ہے۔ شہر والے برسات (حوضوں میں جمع کیا ہوا) اور کنوؤں کا پانی پیتے ہیں۔

نامور ادیب و شاعر ابو العلاء معرّی

اس شہر میں ایک نابینا تھا جس کو ابو العلا معری[۸۳] کہتے تھے، اور وہی شہر کا حاکم تھا۔ مال و دولت غلام اور کارندے بکثرت تھے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ سارا شہر اس کا غلام تھا، درویشانہ زندگی بسر کرتا تھا، لباس میں ایک کملی تھی، اور غذا میں تین پاؤ (قدرے زائد) جَو کی روٹیاں۔ اس کے سوا کچھ نہ کھاتا تھا، اور گھر میں بیٹھا رہتا تھا یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے مکان کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے، نائب اور نوکر شہر کا انتظام کرتے ہیں صرف اہم معاملات میں مشورہ کر لیتے ہیں۔ اس کی دولت وقفِ عام ہے، اور ذاتی حالت یہ ہے کہ ہمیشہ روزہ رکھنا، تمام رات عبادت کرنا اور دنیا کے کسی کام میں مشغول نہ ہونا۔

ابو العلا فن شعر اور ادب میں کامل ہے۔ شام، مغرب اور عراق کے نامور علما مُقر ہیں کہ اس عہد میں کوئی اس کا ہم پلہ نہیں ہوا اور نہ اس وقت موجود ہے اس کی ایک کتاب الفصول والغایات ہے جس میں رمز و اشارات ہیں اور فصیح و غریب الفاظ میں مثالیں بیان کی گئی ہیں اور ہر شخص برائے نام مسائلِ کتاب سے واقف ہو سکتا ہے اور کل کتاب پر عبور نہیں ہو سکتا، البتہ وہ شخص کہ جو خود اس سے پڑھے،

اور اسی وجہ سے ابو العلار پر اتہام لگا یا گیا ہو کہ اس نے یہ کتاب قرآن پاک کے جواب میں لکھی ہو۔ ابو العلا کے درس میں دو سو طلبہ اطراف وجوانب سے آکر علم ادب اور فن شعر کی تکمیل کرتے ہیں۔ میں نے سُنا ہو کہ ایک لاکھ سے زیادہ اس کے اشعار ہیں۔ ابو العلار سے کسی نے پوچھا تھا کہ خداوند تعالےٰ نے آپ کو اس قدر دولت ونعمت دے رکھی ہو پھر اس کا کیا سبب ہو کہ اوروں کو دیتے ہو اور خود نہیں کھاتے ہو؟ جواب دیا کہ جس قدر رکھاتا ہوں اس سے زیادہ میری قسمت میں نہیں ہو۔ جب میں معرہ پہنچا ہوں اس وقت ابو العلار زندہ تھا۔

پندرھویں رجب ۴۳۸ھ (۱۵ جنوری ۱۰۴۷ء) کو میں معرة النعمان سے کویمات میں داخل ہوا اور یہاں سے حماۃ پہنچا یہ بہت آباد شہر ہو۔

حماۃ اور نہر عاصی (اوران ٹس) کے کنارے آباد ہو اور عاصی (گنہہ گار) اس لیے کہتے ہیں کہ یہ نہر روم کی طرف بہتی ہو۔ یعنی بلاد اسلام سے نکل کر کفرستان میں جاتی ہو۔ اس نہر کے کنارے بکثرت رہٹ چلتے ہیں۔ حماۃ سے ڈو سڑکیں جاتی ہیں۔ ایک مغربی شام کو (جانب بحر الروم) اور دوسری دمشق کو (یہ جنوب کے رُخ ہی) میں نے بحر الروم کے راستہ سے سفر کیا تھا۔ پہاڑ میں ایک چشمہ[1] دیکھا جس کی نسبت لوگ کہتے ہیں کہ ہر سال نصف شعبان کے بعد پانی جاری ہوتا ہو اور صرف تین دن بہتا ہو پھر دوسرے سال تک ایک قطرہ نہیں نکلتا۔ اس چشمہ کی زیارت کے لیے لوگ بکثرت آتے ہیں اور تقرب الٰہی کے خواستگار ہوتے ہیں۔ اس پہاڑ پر متعدد حوض اور عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔

عرقہ حماۃ سے چل کر ایک ایسے جنگل میں گزر ہوا جہاں نرگس کے تختے کھلے ہوئے تھے اور سارا جنگل ان پھولوں سے سفید نظر آتا تھا۔ چنانچہ اس

---

[1] اس چشمہ کا نام فوارة الدیر تھا۔ (سیاحت نامہ ملک شام" ترجمہ انگریزی)

صحرا سے نکل کر میں اس شہر میں پہنچا جس کو عرقہ کہتے تھے اور جب عرقہ سے دو فرسنگ آگے بڑھا تو بحر الروم کے کنارے پر تھا اور ساحل سے دکھن کی طرف پانچ فرسنگ طے کیے تھے کہ شہر طرابلس آگیا۔ جس راستہ سے میں آیا ہوں یہاں سے حلب چالیس[۸۸] فرسنگ ہے۔

طرابلس

پنجشنبہ کے دن پانچویں شعبان (۶ر فروری) کو میں طرابلس پہنچا۔ حوالیے شہر میں کھیت، باغات اور ہر قسم کے درخت تھے۔ مگر ایکھ[۸۹] (گنا یا پونڈا) کے کھیت بہت زیادہ تھے۔ نارنج[۹۰] (نارنگی) چکوترہ، کیلہ، لیموں اور کھجور کے بھی درخت تھے اور اس زمانہ میں ایکھ کا رس نکالا جاتا تھا۔

شہر طرابلس[۹۱] اس طرح آباد کیا گیا ہے جس کے تین جانب بحر الروم ہے، اس لیے جب دریا بڑھتا ہے تو کسی قدر پانی فصیل شہر پر چڑھ جاتا ہے اور جس طرف خشکی ہے اُدھر ایک زبردست خندق ہے اور اس پر لوہے کا ایک مضبوط پھاٹک ہے۔ شرقی دیوار پتھر تراش کر بنائی گئی ہے جس پر کنگرے اور توپوں کے جھروکے ہیں اور برجیوں پر عرادے (ایک قسم کی چھوٹی منجنیق) چڑھے ہوئے تھے کیونکہ روم[۹۲] والوں (ملک اٹلی) کی طرف سے خطرہ رہتا ہے، جو جہازوں کے ذریعہ سے حملہ کرتے ہیں۔ شہر کی پیمایش ہزار مربع گز ہے۔ (جملہ مکانات) چومنزلہ، بلکہ چھ منزلہ ہیں۔ گلیاں اور بازار ایسے صاف ستھرے ہیں، گویا ایک سجا ہوا محل ہے۔ ہر قسم کی غذائیں، میوے اور ماکولات جو میں نے ایران میں دیکھے تھے وہ سب یہاں موجود ہیں، بلکہ اس سے سو گنا زیادہ ہیں اور وسط شہر میں جامع مسجد بہت ہی خوبصورت اور مضبوط موجود ہے اور صحن مسجد میں ایک بڑا قبہ بنایا ہے جس کے نیچے سنگِ مرمر کا حوض ہے اور وسطِ حوض میں ایک پیتل کا فوارہ ہے۔

بازار میں ایک سبیل[1] (مشرعہ) ہی جس میں پانچ ٹونٹیوں سے بکثرت پانی نکلتا ہی۔ جو لوگوں کے کام آتا ہی۔ اور زائد پانی زمین کے اندر ہی اندر سمندر میں چلا جاتا ہی شہر کی مردم شماری بیس ہزار بیان کی جاتی ہی اور طرابلس میں قصبات و دیہات بہت ہیں۔ یہاں مثل سمرقند کے کاغذ[۹۳] اچھا بنتا ہی، بلکہ اس سے بہتر ہوتا ہی۔ طرابلس سلطان مصر کا مقبوضہ ہی۔ کہتے ہیں کہ کسی زمانہ میں رومیوں نے طرابلس پر حملہ کیا تھا اور یہاں کے مسلمانوں نے لڑکر رومی فوج کو شکست دی تھی۔ اس صلہ میں سلطان نے خراج معاف کر دیا تھا اور ہمیشہ سلطانی فوج یہاں رہتی ہی جس پر ایک افسر ہوتا ہی تاکہ شہر کو دشمن سے محفوظ رکھے۔ یہ پرمٹ خانہ ہی کیونکہ یونان، فرنگ، اندلس[۹۴] (اسپین) اور ملک مغرب سے جس قدر تجارتی جہاز آتے ہیں وہ سلطان کو عشر (دسواں حصہ) ادا کرتے ہیں اور اس آمدنی سے فوج کی تنخواہ ادا ہوتی ہی۔ اور سلطان کے ذاتی جہاز بھی ہیں جو روم (جزیرہ صقلیہ سسلی) اور ملک مغرب کو تجارتی سامان لے جاتے ہیں۔

باشندگانِ شہر عموماً شیعہ ہیں اور شیعوں نے ہر شہر میں خوبصورت مسجدیں تعمیر کی ہیں اور ہر مسجد کے ساتھ مثل رباط کے مکانات بھی ہیں، لیکن وہاں کوئی ٹھیرتا نہیں ہی اور ان مکانات کو مشہد[۹۵] کہتے ہیں۔ شہر کے باہر کوئی مکان نہیں ہی مگر دو تین مشہد، جیساکہ میں بیان کر چکا ہوں۔

طرابرزن

پھر میں نے طرابلس سے مثل سابق بحرالروم کے کنارے کنارے سفر شروع کیا، چنانچہ جنوب کی طرف ایک فرسنگ کے

---

[1] آب نوشی کے لیے خاص خاص مقامات پر آبدار خانے بنائے جاتے تھے۔ اس پر گنبد ہوتا تھا، یہ آبدار خانہ چونکہ بحرالروم کے کنارے تھا لہٰذا نل کے ذریعہ سے پانی آتا تھا۔ اور ہندوستان کی اصطلاح کے مطابق ہم نے مشرعہ کا سبیل ترجمہ کیا ہی۔

فاصلے پر ایک قلعہ دیکھا جس کو قلمون[96] کہتے ہیں۔ اس کے اندر پانی کا چشمہ تھا۔ یہاں سے میں طرابرزن[97] کو روانہ ہوا۔ طرابلس سے اس کا فاصلہ پانچ فرسنگ ہے۔

جُبَیل وہاں سے شہر جبیل[98] میں داخل ہوا۔ یہ شہر بہ شکل مثلث (سہ گوشہ) واقع ہے جس کا ایک گوشہ بحرالروم کی طرف ہے اور اس کے گرد ایک بہت بلند اور مضبوط دیوار کھچی ہوئی ہے۔ اطراف شہر میں کھجور اور دوسری قسم کے گرم سیر درخت بکثرت ہیں۔ ایک لڑکے کو میں نے دیکھا کہ سرخ اور سفید گلاب کا پھول لیے پھرتا ہے، حالانکہ ماہ اسفندارمذ (مارچ) کی پانچویں تاریخ تھی اور قدیم سنہ فارسی یزدجردی سنہ ۴۱۱ھ تھا۔

بیروت جبیل سے بیروت[99] آیا۔ پتھر کی ایک محراب اس قدر بڑی نظر آئی جس کے اندر سے سڑک جاری تھی، اونچائی اس محراب کی میں نے پچاس گز اندازہ کی اور محراب کی بغلی دیواروں میں سنگ سفید کی سلیں نصب تھیں۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک کا وزن تقریباً کچھ اوپر سینتیس[۳۷] من ہوگا۔ سطح زمین سے بیس[۲۰] گز تک اینٹوں کی دیوار ہے جس کے اوپر سنگ مرمر کے ستون کھڑے ہوئے ہیں۔ ہر ستون کا دور آٹھ گز ہے جن کو دو آدمی بہ مشکل ہاتھوں کے حلقے میں لے سکتے ہیں، پھر ان ستونوں پر دونوں جانب سڈول پتھر کی محرابیں ہیں جس میں چونہ اور مٹی کا میل نہیں ہے۔ پھر ان ستونوں کے اوپر وسط میں ایک بڑی محراب اور ہے جس کی اونچائی پچاس ہاتھ ہے اور پتھر کی ہر سِل جو محراب میں لگی ہوئی ہے قیاساً اس کا طول آٹھ ہاتھ اور عرض چار ہاتھ ہے اور ہر ایک پتھر وزن میں تقریباً دو سو باسٹھ[۲۶۲] من ہوگا اور ان پتھروں میں اس درجہ گل کاری و نقاشی کی گئی ہے جو لکڑی میں بھی اس حُسن کے ساتھ کمتر ہی ہو سکتی ہے۔ اس نواح میں اب صرف یہی ایک محراب باقی رہ گئی ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون مقام ہے؟ لوگوں نے کہا

ہم یوں سنتے آئے ہیں کہ یہ فرعون کے باغ کا دروازہ ہے اور نہایت قدیم ہے۔ اس نواح کے جنگل میں سنگِ مرمر کے ایسے ستون بافراط بکھرے پڑے ہیں جن کے سربند اور تنے سب منقش ہیں اور اُن میں گول، چوکھنٹے، چھ گوشے اور ہشت پہل ہر قسم کے پتھر ہیں اور اس قدر سخت ہیں کہ لوہے کے آلات بھی اس پر کام نہیں دیتے اور اس نواح میں کسی جگہ پہاڑ نہیں ہے جس پر یہ گمان کیا جائے کہ یہ پتھر وہاں سے تراش کر لائے گئے ہیں اور دوسرے پتھر بھی تھے جو معجونی (مصنوعی رنگ یعنی لوہے کے رنگ سے ملتا جلتا) نظر آتے تھے اور نواح شام میں اس قسم کے پانچ لاکھ ستون مع سربند اور ڈالوں کے بکھرے پڑے ہیں اور کسی مخلوق کو خبر نہیں ہے کہ وہ کیا تھے اور کہاں سے آئے تھے۔

صیدا بیروت سے میں شہر صیدا[۱] میں آیا۔ بحرالروم کے کنارے ایکھ کے کھیت تھے، فصیل سنگین و مضبوط ہے جس میں تین پھاٹک ہیں، جامع مسجد بھی بڑی دلکش ہے جس کے اندر پھول دار چٹائیاں بچھی ہوئی ہیں۔ بازار خوب سجا ہوا ہے، اس آرائش کو دیکھ کر میں نے خیال کیا کہ شاید سلطان کی آمد آمد ہے (جس کے اعزاز میں شہر کی آئینہ بندی کی گئی ہے) جب لوگوں سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ شہر ہمیشہ یوں ہی سجا رہتا ہے، پھلواریاں اور باغ ایسے تھے گویا کسی بادشاہ نے اپنے دلی شوق سے لگائے ہیں اور اس میں محل بنایا ہے۔

صُور صیدا سے پانچ فرسنگ چل کر میں صور[۱] میں پہنچ گیا۔ یہ شہر بھی بحرالروم کے کنارے ہے اور ایک نوکیلی چٹان پر اس طرح آباد کیا گیا ہے کہ شہرپناہ کی دیوار[۲] سو گز سے زیادہ خشکی پر ہے اور باقی پانی میں ڈوبی ہوئی ہے اور پتھروں سے بنائی گئی ہے جس کی درزوں کو قیر سے وصل کیا ہے، تاکہ پانی اثر نہ کرے۔ شہر کی پیمائش قیاساً ہزار مربع ہاتھ ہے۔ تمام عمارتیں پانچ چھ منزل کی ہیں، فوارے بکثرت

ہیں، خوبصورت بازار مال سے پٹے پڑے ہیں۔ شہر صور شام کے ساحلی شہروں میں دولت مندی کے لحاظ سے ضرب المثل ہو۔ باشندے اکثر شیعہ ہیں، قاضی شہر سنّت وجماعت تھا جو ابو عقیل کا بیٹا کہلاتا تھا۔ یہ ایک وجیہہ اور مال دار شخص تھا۔

دروازۂ شہر پر ایک مشہد ہو جس کو شیعوں نے بنایا ہو اور اس کو فرش، قندیل اور طلائی اور نقرئی فتیل سوزوں سے آراستہ کیا ہو۔ شہر بلندی پر آباد ہو اور پانی شہر میں پہاڑ سے آتا ہو۔ شہر کے دروازہ پر سنگین محرابیں ہیں جس کی پشت پر سے (نہر کی طرح) شہر میں پانی آتا ہو۔ اس پہاڑ میں شہر کے سامنے ایک درّہ[۱۰۲] ہو اگر اس کی سیدھ سے جانبِ مشرق چلیں تو اٹھارہ فرسنگ کی مسافت پر شہر دمشق آجاتا ہو (یہ درہ دراصل وادی بطّاف ہو)۔

عکّہ

جب میں صور سے سات فرسنگ چلا تو شہر عکّہ[۱۰۳] میں پہنچ گیا۔ اس ملک والے مدینہ عکا لکھتے ہیں۔ عکہ بلندی پر آباد ہو۔ کچھ زمین اُتار چڑھاؤ کی ہو، باقی ہموار ہو۔ سمندر کے کنارے جب تک بلندی نہ ہو کوئی شہر آباد نہیں ہوسکتا ہو کیونکہ پانی کی طغیانی اور لہروں کی ٹکر سے کناروں کو ہر وقت خدشہ رہتا ہو۔ جامع مسجد وسط شہر میں ہو اور یہ شہر کا سب سے بلند حصّہ ہو۔ مسجد کے تمام ستون سنگِ مرمر کے ہیں اور قبلہ کے دائیں ہاتھ پر مسجد کے باہر صالح[۱۰۴] پیغمبر علیہ السّلام کی قبر ہو اور مسجد کے صحن کے ایک حصّہ میں سنگی فرش ہو اور کھلی ہوئی زمین میں سبزی بوئی ہو۔ لوگوں کا بیان ہو کہ یہاں حضرت آدم علیہ السّلام نے کھیتی کی تھی۔ میں نے شہر کی پیمائش کی، طول دو ہزار ہاتھ اور عرض پانسو ہاتھ تھا۔ فصیل بہت مضبوط ہو۔

عکہ کے مغرب اور جنوب میں بحرالروم ہو اور جنوب کی طرف مینا[۱۰۵] (بندرگاہ) ہو۔

بندرگاہ

تمام ساحلی شہروں میں مینا ہوتا ہو اور مینا اس جگہ کا نام ہو جو جہازوں کے قیام کے لیے مثل اصطبل کے بنائی جاتی ہو جس کی پشت شہر کی طرف

اور بغلی دیواریں سمندر کی جانب ہوتی ہیں۔ مینا کی دیواریں سمندر کے کنارے تک ہیں اور ایک دروازہ پچاس گز بلند بنا کر چھوڑ دیا ہے اور کوئی دیوار نہیں ہے اور ایک دیوار سے دوسری دیوار تک ایک زنجیر کھینچی ہوئی ہے چنانچہ جب جہاز کو مینا میں لانا چاہتے ہیں تو زنجیریں ڈھیلی کر دیتے ہیں تاکہ وہ پانی کے نیچے چلی جائیں اور جہاز زنجیروں کے اوپر ہی اوپر پانی سے گزر جاتا ہے۔ پھر زنجیریں کھینچ لی جاتی ہیں تاکہ مخالف ان جہازوں پر قبضہ نہ کر سکے۔

چشمہ عینُ البقر شرقی دروازہ کے بائیں ہاتھ پر ایک چشمہ ہے جس میں چھبیس سیڑھیاں اُترنے کے بعد پانی ملتا ہے۔ اس چشمہ کا عینُ البقر[۱۰۶] نام ہے۔ روایت ہے کہ یہ چشمہ حضرت آدم علیہ السلام کا نکالا ہوا ہے اور آپ اسی چشمہ سے اپنے بیلوں کو پانی پلایا کرتے تھے۔ اسی لیے اس چشمہ کو عین البقر کہتے ہیں۔

جب عکہ سے مشرق کی طرف سفر کریں تو ایک پہاڑ[۱۰۷] ملتا ہے جس میں انبیا علیہم السلام کے مزارات ہیں۔ لیکن رملہ جانے والوں کو عام راستے سے یہ مقام ذرا ہٹ کر پڑتا ہے۔ میرا ارادہ ہوا کہ ان متبرک مزاروں کو جا کر دیکھوں اور خداوند تعالیٰ سے وہاں کے برکات کا خواستگار ہوں، مگر عکہ والوں نے کہا کہ راستہ میں مفسدوں کی آبادی ہے جو مسافروں کو چھیڑتے ہیں اور ان کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ چھین لیتے ہیں چنانچہ میں نے اپنا زادِ راہ مسجد عکہ میں رکھ دیا اور مشرقی دروازہ سے روانہ ہوا۔

شنبہ کے دن تیئیسویں شعبان ۴۳۸ھ (۲۲ فروری ۱۰۴۷ء) کو اول وقت **عک** (از نسل عدنان) کی قبر کی زیارت کی جو شہر عکہ کا بانی ہے اور جس کا شمار صلحا میں کیا جاتا ہے۔

دامن کوہ عکہ کے مشہور و مقدّس مقامات

میرے ہمراہ کوئی رہ نما نہ تھا اس لیے میں متحیّر تھا کہ یکایک بفضلہٖ تعالےٰ اسی دن ایک عجمی سے ملاقات ہوئی جو آذربائیجان کا باشندہ تھا اور اس سے قبل بھی ایک مرتبہ وہ ان مقدّس مزارات کی زیارت سے مشرّف ہو چکا تھا اور اب بقصد زیارت یہ اس کا دوسرا سفر تھا۔ اس عطیۂ خداوندی پر میں نے دو رکعت نماز پڑھی اور شکر کا سجدہ ادا کیا کہ جس ارادہ سے نکلا تھا، اس کی خدا نے مجھے توفیق دی اور وہ پورا ہوا۔

ایک گانوٗ میں پہنچا جس کا نام بروۃ[۱۰۸] تھا۔ وہاں عیص[۱۰۹] اور شمعون[۱۱۰] علیہما السّلام کی قبر کی زیارت کی۔ پھر یہاں سے میں ایک غار میں داخل ہوا جس کو دامون[۱۱۱] کہتے تھے، یہاں ذوالکفل[۱۱۲] علیہ السّلام کے مزار کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اس جگہ سے موضع اعبلین[۱۱۳] میں آ کر مزار ہود[۱۱۴] علیہ السّلام پر فاتحہ خوانی کی، اس حظیرہ کے اندر خرتوت[ا] کا ایک درخت تھا جس کے نیچے عزیر[۱۱۵] نبی علیہ السّلام کی قبر تھی۔

(اس زیارت سے فارغ ہو کر) جنوب رویہ چل کر میں ایک دوسرے موضع میں پہنچا جس کو حظیرہ کہتے تھے اور اس گانوٗ کے مغرب میں ایک درّہ تھا جس کے اندر صاف پانی کا چشمہ تھا جو ایک پتھر سے نکلا تھا اور چشمہ کے متّصل ایک مسجد تعمیر کی گئی ہے جس میں دو سنگی حجرے تھے اور چھت بھی پتھر کی تھی اور ایک کھڑکی نصب تھی جس میں سے آدمی بہ مشکل نکل سکتا تھا اور اس کے اندر برابر برابر دو قبریں ہیں جن میں سے ایک شعیب[۱۱۶] علیہ السّلام کی ہے اور دوسری آپ کی بیٹی (صفورہ) کی ہے جو حضرت موسٰی علیہ السّلام کی بیوی تھیں۔ گانوٗ والے مزار اور مسجد کی اچھی خدمت کرتے ہیں (یعنی جھاڑ دیتے ہیں اور چراغ

[ا] (خرتوت) شہتوت کی ایک خاص قسم ہے جو ملک شام سے مخصوص ہے اور یہ بہت بڑا ہوتا ہے۔

جلاتے ہیں)۔

خطیرہ سے چل کر موضع اربِل[۱۱۸] (اربد) میں پہنچا، اس گانو کے قبلہ رخ ایک پہاڑ ہی اور اس کے اندر حظیرہ (سنگی کٹہرہ) ہی جس میں حضرت یعقوب علیہ السّلام کے بیٹوں یعنی یوسف علیہ السّلام کے بھائیوں کی چار قبریں ہیں۔

اربل سے آگے بڑھ کر ایک ٹیلہ نظر آیا، جس کے نیچے غار تھا اور اس میں والدہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام[۱۱۸] کی قبر تھی۔ اس زیارت سے مشرف ہو کر میں آگے بڑھا۔ ایک درہ ملا اس کے اخیر میں ایک چھوٹی سی جھیل (بحیرہ طبریہ[۱۱۹]) نظر آئی، جس کے کنارے شہر طبریہ آباد ہی، اس کا طول تقریباً چھ فرسنگ اور عرض تین فرسنگ ہی اور پانی بھی خوشگوار ہی۔

طبریہ

شہر طبریہ[۱۲۰] کی آبادی جھیل کے مغربی جانب ہی، تمام شہر کے حمام اور ان کا مستعمل پانی جھیل میں گرتا ہی اور شہر و مضافات کے باشندے (جو کنارے پر آباد ہیں) اس جھیل کا پانی پیتے ہیں۔ میں نے سُنا ہی کہ کسی زمانے میں یہاں کے ایک حاکم نے حکم دیا تھا کہ شہر کا جس قدر گندہ پانی اس جھیل میں گرتا ہی اس کا رُخ پھیر دیا جائے چنانچہ تعمیل حکم کی گئی۔ لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ تمام جھیل کا پانی گندہ ہو گیا اور پینے کے قابل نہیں رہا مجبوراً حکم دیا کہ گندے نالے بدستور گرائے جائیں۔ چنانچہ جھیل کا پانی اصلی ذائقہ پر آ گیا۔

شہر طبریہ کی دیوار مستحکم ہی جو جھیل کے کنارے سے شروع ہو کر تمام شہر کے گرد پھیلی ہوئی ہی البتہ پانی کی طرف دیوار نہیں ہی اور اکثر عمارتیں پانی کے اندر ہیں کیونکہ زمین پتھریلی ہی اور سنگِ مرمر کے ستونوں پر خوش نما عمارتیں قایم ہیں اور یہ تمام ستون پانی میں ڈوبے ہوئے ہیں اور طبریہ میں مچھلی کی افراط ہی۔ وسط شہر میں جامع مسجد ہی اور مسجد کے دروازہ پر ایک چشمہ ہی اور چشمہ کے اوپر حمام بنایا ہی

جس کا پانی اس قدر گرم ہی کہ جب تک ٹھنڈا پانی نہ ملائیں بدن پر ڈالنا دشوار ہی، یہ حمام حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کا تعمیر کردہ بیان کیا جاتا ہی۔ میں نے بھی اس حمام میں غسل کیا تھا۔

طبریہ کی مسجد یاسمن اور گنج شہیداں

طبریہ میں ایک مسجد ہی جس کو مسجد یاسمن کہتے ہیں۔ مسجد کے مغرب جانب ایک بلند چبوترہ ہی جس پر محرابیں بنی ہوئی ہیں اور اس کے چاروں طرف یاسمن (چنبیلی) کے درخت لگائے گئے ہیں اور اسی بنا پر اس کو مسجد یاسمن کہتے ہیں۔ اور مسجد کے جانب مشرق ایک برآمدہ ہی جس میں حضرت[۱۲۱] یوشع بن نون علیہ السلام کی قبر ہی جس کے چبوترے کے نیچے ستر پیغمبروں کے مرقد ہیں، جن کو بنی اسرائیل نے شہید کیا تھا۔ شہر کے جنوب میں دریائے[۱۲۲] لوط (بحر المیّت) ہی جس کا پانی تلخ ہی۔ دریائے لوط، جھیل طبریہ کے جنوب میں ہی اور جھیل طبریہ بھی دریائے لوط میں آگر گری ہی اور شہر لوط اسی کے کنارے آباد ہی، جس کے نشانات بھی اب باقی نہیں ہیں۔ میں نے ایک شخص سے سنا ہی کہ دریائے لوط کے پھین سے ایک سیاہ چیز پیدا ہوتی ہی جو شکل وصورت میں گیند سے مشابہ ہوتی ہی۔ بظاہر مثل پتھر کے ہی مگر حقیقت میں سخت نہیں ہی۔ (اور دریا میں تیرتی رہتی ہی) لوگ اس کو جمع کرتے ہیں اور ٹکڑے کرکے شہروں شہروں لے جاتے ہیں، جس کی تاثیر یہ ہی کہ اگر اس کا ایک ٹکڑا کسی درخت کے نیچے دفن کردیں تو پھر کبھی اس میں کیڑا نہیں لگتا ہی، اور نہ یہ کیڑے درختوں کی جڑوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور باغ ہر قسم کے کیڑوں (حشرات الارض) سے محفوظ رہتے ہیں، مگر اس جھوٹ سچ کا راوی ذمہ دار ہی، اس کو عطّار بھی خرید کرتے ہیں اور ان کا قول ہی کہ شربت وغیرہ میں جو کیڑا پڑجاتا ہی اور جس کو نقرہ یا نکتہ کہتے ہیں وہ بھی دفع ہوجاتا ہی۔

طبریہ میں چٹائی بناتے ہیں جو مصلے کا کام دیتی ہے اور جس کو باشندگان طبریہ پانچ دینار[۱۲۳] مغربی (تیس رُپے) میں خرید کرتے ہیں۔ شہر کے جانب مغرب ایک پہاڑ ہے جس پر سنگ خارا کی دیوار ہے اور دیوار پر عبرانی خط میں لکھا ہے کہ "اس تحریر کے وقت ثریا، برج حمل[۱] میں تھا"

مزار ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ شہر کے باہر قبلہ رخ ابو ہریرہ[۱۲۴] رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔ لیکن کوئی شخص زیارت کو نہیں جاتا ہے، کیونکہ یہ آبادی شیعوں کی ہے، جب کوئی زیارت کو جاتا ہے تو لڑکے شور وغل کر کے پریشان کرتے ہیں اور پتھر پھینکتے ہیں۔ اس لیے میں بھی زیارت سے محروم رہا۔ یہاں سے پلٹ کر میں موضع کفر کنہ[۱۲۵] میں پہنچا، جس کے جنوب میں ایک پہاڑی ہے اور اس کے اوپر عیسائیوں کی ایک خوبصورت خانقاہ[۲] بنی ہوئی ہے جس کا دروازہ مضبوط ہے۔ اور حضرت یونس[۱۲۶] علیہ السلام کی قبر اس کے اندر ہے اور خانقاہ کے دروازہ پر ایک کنواں ہے جس کا پانی میٹھا ہے۔ اس زیارت سے فارغ ہو کر میں عکہ کو واپس آیا۔ خانقاہ سے عکہ چار فرسنگ ہے۔ چنانچہ عکہ میں ایک دن ٹھیر کر موضع حیفا میں آیا، یہاں تک راستہ میں بالو بکثرت تھی۔ عجم میں سناروں کے لیے یہ کار آمد شے ہے جس کو ریگ مکی کہتے ہیں۔

حیفا حیفا[۱۲۷] بحرالروم کے کنارے آباد ہے جس میں نخلستان اور دوسرے درخت بافراط ہیں۔ یہاں کشتی ساز رہتے ہیں جو بڑی کشتیاں

---

۱ کوئی ماہر فن حساب کر کے یہ بتا سکتا ہے کہ آج تک کس قدر مدت ہوئی اور ثریا برج حمل میں کس مدت کے بعد آتا ہے۔ مترجم

۲ یہ قدیم قلعہ تھا جس کے آثار باقی ہیں۔ اب عرب اس کو "قصر بنت الملک" کہتے ہیں۔ ترجمہ انگریزی سیاحت شام ناصر خسرو۔

بناتے ہیں اور ان سمندری کشتیوں کو جودی کہتے ہیں۔

الکنیسہ [29] ایک فرسنگ کی مسافت طے کرکے میں حیفا سے دوسرے گانو میں پہنچا جس کا کنیسہ نام تھا۔ یہاں سے دریائی سڑک (یعنی وہ سڑک جو بحرالروم کے کنارے کنارے گئی ہے۔) گھوم کر جانب مشرق ایک پہاڑ کے اندر چلی گئی ہے، یہ حصہ جنگل اور پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے جس کو وادی تماسیح (گھڑیال) کہتے ہیں۔ دو فرسنگ کے بعد پھر دریائی سڑک آگئی ہے جس کے کنارے بحری جانوروں کی ہڈیاں بکثرت نظر آئیں جو مٹی میں گھل مل کر پتھر کی طرح سخت ہوگئی تھیں اور یہ لہروں سے ٹکرانے کا نتیجہ تھا[1]۔

قیساریہ [30] وادی مذکور طے کرکے میں قیساریہ پہنچا جس کا فاصلہ عکہ سے سات فرسنگ ہے۔ قیساریہ خوبصورت شہر ہے جس میں نہر جاری ہے، نخلستان (کھجوروں کے درخت) نارنگی اور ترنج کے درختوں کی افراط ہے۔ فصیل مستحکم ہے، دروازہ آہنی ہے، شہر میں پانی کی نہریں جاری ہیں، جامع مسجد خوبصورت ہے اور صحن مسجد میں بیٹھ کر بحر الروم[1] کا نظارہ کرسکتے ہیں۔ اس مسجد میں سنگِ مرمر کا ایک مٹکا رکھا ہوا تھا جس کا منہ چینی کے مرتبان کی طرح تنگ تھا جس میں تین من سے زیادہ پانی آتا تھا۔

شنبہ کا دن اور شعبان کی آخیر تاریخ (۲۹، فروری) تھی کہ قیساریہ سے روانہ ہوا۔ ایک فرسنگ تک برابر ریگ مکی پر چلنا پڑا، اس مرتبہ بھی انجیر اور زیتون کے درخت بکثرت نظر آئے۔ پہاڑ اور جنگل کا تمام راستہ درختوں سے

---

[1] کسی زمانہ میں یہاں بحر الروم ہوگا جو زلزلہ سے غائب ہوگیا ہے اور زمین برآمد ہوگئی ہے جس میں سے گھڑیال کی ہڈیاں نکلتی ہیں اور یہی وجہ تسمیہ وادی کی ہے۔ اب اس جگہ نہر ازرق (نہر نیلگوں) رواں ہے بلینی کے نقشہ میں یہ وادی درج ہے۔

گھرا ہوا تھا۔

کفر سابا اور کفر سلام

چند میل چل کر ایک شہر میں پہنچا، جس کو کفر سابا[۱۳۲] اور کفر سلام کہتے تھے، یہاں سے رملہ تین فرسنگ تھا۔ تمام راستہ درختوں سے بھرا پڑا تھا جیسا کہ اول لکھ چکا ہوں۔

رملہ یا فلسطین[۱۳۳]

یک شنبہ غرہ رمضان (یکم مارچ) کو رملہ میں داخل ہوا، قیساریہ سے رملہ کا فاصلہ آٹھ فرسنگ ہے۔ رملہ بہت بڑا شہر ہے، جس کی اونچی اور مستحکم فصیل پتھر اور چونہ سے بنائی گئی ہے اور لوہے کے پھاٹک لگے ہوئے ہیں۔ شہر سے بحرالروم تین فرسنگ ہے۔ رملہ کے باشندے برساتی پانی پیتے ہیں۔ ہر مکان میں حوض موجود ہے جس میں بارش کا پانی بھر لیتے ہیں۔ جامع مسجد میں بھی ایک بڑا حوض ہے، جب یہ لبریز ہوتا ہے تو جس کا دل چاہے پانی بھر لے جائے۔ مسجد کا رقبہ تین[۳۰۰] سو قدم سے دو[۲۰۰] سو قدم تک ہے۔ (۳۰۰ × ۲۰۰) ایک برآمدہ پر لکھا ہوا تھا کہ ۱۵ محرم ۴۲۵ھ (۱۰ دسمبر ۱۰۳۳ء) کو یہاں ایک بڑا زلزلہ آیا تھا جس نے بکثرت عمارتیں ڈھادی تھیں لیکن کسی شخص کو صدمہ نہیں پہنچا تھا، اس شہر میں سنگِ مرمر بافراط ہے، اکثر عمارتیں اسی پتھر کی ہیں جس میں تکلفات اور نقاشی سے کام لیا گیا ہے۔ یہ نرم سنگِ مرمر آرہ سے تراشا جاتا ہے جس میں دانتے نہیں ہوتے اور ریگ نکی درزوں میں ڈالتے جاتے ہیں اور لکڑی کی طرح طول کی جانب سے آرہ کو کھینچتے ہیں۔ اور عرض کو چھوڑ دیتے ہیں اور پتھر کے تختے بنا لیتے ہیں، میں نے یہاں رنگ برنگ کے پتھر دیکھے۔ سبز، سرخ، سیاہ، سفید لیکن یہ سب مصنوعی رنگ تھے۔

یہاں ایک خاص قسم کا انجیر پیدا ہوتا ہے جس سے بہتر اور کہیں نہیں ہوتا اور ملکوں ملکوں جاتا ہے۔ رملہ کو ممالک شام اور مغرب میں فلسطین کہتے ہیں۔

تیسری رمضان (۳ ۔ مارچ) کو رملہ سے چل کر موضع لتروں[۱۳۴] پہنچا، اور یہاں سے قَرْیَۃُ الْعِنَب (انگور کا گانو) میں آیا۔ راستہ میں خودرو سداب (پودینہ کی طرح کی ایک گھاس کا نام ہی) بکثرت دیکھنے میں آئی جو پہاڑ اور جنگل میں اُگی ہوئی تھی۔ اس گانو میں ایک خوبصورت چشمہ پانی کا دیکھا جو ایک چٹان سے نکلا تھا اور یہاں لوگوں نے (سیّاحوں کے قیام کے لیے) مختصر مکانات بنا دیے ہیں۔ یہاں سے سامنے کے رُخ پر چلے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہم پہاڑ پر چڑھ رہے ہیں اور جب نیچے اُتریں گے تو کوئی شہر ملے گا لیکن ذرا بلندی پر چل کر ایک بڑا جنگل ملا جس کی زمین کہیں سخت اور کہیں نرم تھی اور پہاڑ کی چوٹی پر شہر بیت المقدس آباد ہی، ساحل طرابلس سے بیت المقدس تک چھپّن فرسنگ اور بلخ سے بیت المقدس تک آٹھ سو چھہتّر[۷۶] فرسنگ کا فاصلہ ہی۔

۶- بیت المقدس

سیاحت کا دوسرا سال | پانچویں رمضان ۴۳۸ھ (۵ مارچ ۱۰۴۷ء) کو بیت المقدس میں داخل ہوا۔ گھر سے[۱۳۵] نکلے ہوئے آج پورا شمسی سال ہوگیا تھا اور روزمرہ کے سفر سے کسی جگہ قیام و آرام نصیب نہیں ہوا تھا۔

شامی اور اس نواح کے باشندے بیت المقدس کو **قدس** کہتے ہیں، شامیوں میں سے کوئی حج کو نہیں جاتا ہی بلکہ ایام حج میں یہ لوگ قدس شریف میں حاضر ہوتے ہیں اور موقف میں ٹھیر کر دستور کے مطابق عید کی قربانی کرتے

---

[۱۳۴] اصل نسخہ میں خاتون ہی۔ یہ غلط ہی صحیح نام لتردن ہی۔ نوٹ ملاحظہ ہو۔

[۱۳۵] ناصر خسرو ۲۳ شعبان ۴۳۷ھ کو مروشاہ جان سے روانہ ہوا تھا اور سلخ شعبان ۴۳۸ھ میں قیساریہ سے قدس کو روانہ ہوا۔ اس حساب سے سیاحت کا ایک سال ختم ہوا اور رمضان ۴۳۸ھ سے دوسرا سال شروع ہوا۔

ہیں۔ کسی سال ذی الحجہ کی ابتدا میں بیس ہزار سے زیادہ زائرین یہاں آتے ہیں اور اپنے بچّوں کے ختنے کراتے ہیں اور ممالک روم اور دیگر مقامات سے بکثرت عیسائی اور یہودی یہاں کے گرجاؤں اور ہیکلوں کی زیارت کو آتے ہیں۔
(بیت المقدس کے بڑے گرجا کے حالات اپنے موقع پر تحریر ہوں گے۔)

شہر بیت المقدس اور اس کے نواح کا علاقہ کوہستانی ہے۔ تمام زراعت اور زیتون و انجیر کے درخت آبپاشی سے محروم ہیں۔ تاہم اشیا کی افراط ہے اور نرخ ارزاں ہے۔ دولت مندوں میں سے بعض ایک ہزار آٹھ سو چھپّن من (تقریباً ۱۶۸۰۰ گیلن) روغن زیتون حوض اور چاہات میں بھر لیتے ہیں۔ پھر اس کو دوسرے ملکوں میں (تاجرانہ حیثیت سے) لے جاتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ملک شام میں کبھی قحط نہیں پڑا ہے اور ثقہ لوگوں سے میں نے سنا ہے کہ ایک بزرگ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو خواب میں دیکھ کر عرض کیا تھا کہ "یا رسول اللہ معاش میں ہماری اعانت فرمائیے" ارشاد ہوا کہ "روٹی اور روغن زیتون میرے ذمہ ہے" اب میں شہر بیت المقدس کا حال لکھتا ہوں۔ یہ شہر پہاڑ پر آباد ہے اور اس میں صرف بارش کا پانی رہتا ہے البتّہ دیہات میں پانی کے چشمے ہیں۔ شہر میں کوئی چشمہ نہیں ہے کیونکہ شہر پہاڑ پر آباد کیا گیا ہے اور شہر کے گرد پتھر اور چونہ کی مضبوط دیوار ہے اور لوہے کے پھاٹک ہیں۔ آبادی میں کسی درخت کا پتہ نہیں ہے۔ بیت المقدس بڑا شہر ہے اور فی زمانہ (عہد سیاحت ناصر خسرو) اس کی مردم شماری بیس ہزار ہے۔ بازار خوبصورت اور عمارات بلند ہیں۔ شہر میں پتھر کے چوکوں کا فرش ہے۔ اور جہاں پہاڑ تھا اس کو کاٹ کر ہموار کر دیا ہے۔ چنانچہ بارش ہونے پر تمام شہر دُھل کر صاف ہو جاتا ہے۔

شہر میں دستکاروں کی افراط ہے اور ہر پیشہ ور (صنّاع) کے بازار

جُداگانہ ہیں، فصیل شہر کی جو مشرقی دیوار ہی، وہی جامع مسجد کی دیوار ہی۔

ساہرہ[۲۶] جب جامع مسجد سے آگے بڑھو تو مسلسل ایک بڑا جنگل ملتا ہی جس کو ساہرہ کہتے ہیں اور مشہور ہی کہ یہی میدان قیامت ہی اور یہی محشر خلائق ہوگا۔ اور محض اسی خیال سے اطراف عالم سے آکر لوگ یہاں قیام کرتے ہیں تاکہ اس مقدس سرزمین میں اُن کا انتقال ہو۔ اور جب خدا کا وعدہ پورا ہو تو مقام موعود پر حاضر ہو جائیں۔ خدا وندا! بندوں کو اس دن تو اپنی پناہ میں رکھنا اور ان کے گناہوں کو معاف کرنا۔ آمین یارب العالمین۔

اس جنگل کے کنارے ایک بڑا مقبرہ ہی اور بکثرت مقدس مقامات ہیں جہاں حاضر ہو کر لوگ نمازیں پڑھتے ہیں اور حاجت براری کی دعائیں مانگتے ہیں اور خدا ان کی دعائیں پوری کرتا ہی۔ اللهم تقبل حاجاتنا واغفر ذنوبنا وسيئاتنا وارحمنا برحمتك يا ارحم الراحمين۔ (ای خدا! ہماری مرادوں کو پورا کر اور ہمارے گناہوں اور بداعمالیوں کو معاف فرما اور ای سب سے بڑے رحم کرنے والے اپنی رحمت سے ہم پر رحم کر)۔

مسجد اور دشت ساہرہ کے مابین نشیب میں ایک وادی ہی اور پھر اس وادی میں جو بطور خندق کے ہی قدیم طرز کی بڑی بڑی عمارتیں ہیں۔ ایک مکان کے اوپر میں نے دیکھا کہ پتھر کا ترشا ہوا گنبد رکھا ہی جو بالکل ہی عجیب وغریب تھا اور سمجھ میں نہیں آتا ہی کہ اپنی جگہ سے وہ کیونکر اُٹھایا گیا ہی۔ لیکن یہ روایت زبان زد ہی کہ یہ فرعون کا محل تھا۔ اور وادی مذکور یہی وادی جہنّم ہی۔

وادی جہنّم میں نے دریافت کیا کہ اس جگہ کا یہ نام کس نے رکھا ہی؟ لوگوں نے بیان کیا کہ امیر المومنین عمر خطاب رضی اللہ عنہ

کے عہد خلافت میں یہاں (دشت ساہرہ) فوج کا قیام ہوا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وادی کو دیکھ کر اس کا نام وادی جہنم رکھا تھا۔ عوام کا بیان ہے کہ جو شخص اس وادی کے سرے تک جائے تو اس کو دوزخیوں کی آواز سنائی دیتی ہے۔ میں آخیر تک گیا لیکن میں نے تو کچھ نہیں سنا۔ شہر سے جنوب کی طرف نصف فرسنگ چلنے پر جب نشیب میں اتریں تو چشمہ

عین سلوان

عین سلوان[۱۳۷] ملتا ہے۔ یہ چشمہ ایک پتھر سے نکلا ہے جس کے کنارے بکثرت عمارات ہیں اور اسی چشمہ سے گانوں میں پانی جاتا ہے۔ یہ آباد موضع ہے جس میں باغات لگائے ہیں۔ لوگوں کا بیان ہے کہ اس چشمہ میں غسل کرنے سے امراض کہنہ دُور ہو جاتے ہیں اور اس چشمہ کے متعلق کثرت سے اوقاف ہیں۔

بیت المقدس کا شفاخانہ

بیت المقدس کا شفاخانہ (بیمارستان)[۱] اچھا ہے اور مصارف کے لیے بڑی جایداد وقف ہے اور بکثرت لوگوں کو ہر قسم کی دوائیں اور شربت مفت ملتے ہیں اور شفاخانہ کے طبیب وقف کی آمدنی سے تنخواہ پاتے ہیں۔ اور شہر کے مشرقی کنارہ پر جامع مسجد (مسجد اقصیٰ) ہے، جس کی ایک دیوار وادی جہنم کے کنارے ہے۔ جب مسجد کے بیرونی رُخ سے اس دیوار کو دیکھیں تو وہ تقریباً سو گز کی معلوم ہوتی ہے جو بڑے پتھروں سے بنائی گئی ہے اور جس میں مٹی اور چونہ کی جوڑائی نہیں ہے اور صحن مسجد سے تمام دیواروں کی چوٹیاں ایک سیدھ میں نظر آتی ہیں اور یہ مسجد اقصیٰ[۱۳۸] محض سنگ صخرہ کی وجہ سے بنائی گئی ہے۔

---

[۱] شفاخانہ کا نام بیمارستان اس لیے ہے کہ اس میں مریضوں کے قیام کے لیے وارڈ ہوتے تھے اور یہ ایرانیوں کی ایجاد ہے۔

صخرہ مبارک اور مسجد اقصیٰ

یہ سنگ صخرہ[۱۳۹] وہی ہے جس کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا تھا کہ تم اس کو اپنا قبلہ بناؤ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمان خداوندی کے مطابق اس کو قبلہ بنایا تھا، لیکن اسی زمانہ میں حضرت موسیٰ کا انتقال ہو گیا اور عمر نے وفا نہ کی، لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ تک یہی سنگ صخرہ قبلہ بنا رہا لہٰذا اس کے گرد مسجد تعمیر ہوئی۔ چنانچہ صخرہ وسط مسجد میں آگیا اور وہی مخلوق کا قبلہ قرار پایا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم بھی اس کو قبلہ جانتے تھے اور اسی طرف سجدہ کرتے تھے یہاں تک کہ ایزد تبارک تعالیٰ کا فرمان صادر ہوا کہ تمھارا قبلہ خانہ کعبہ ہے۔ (تفصیلی بیان اپنے موقع پر آتا ہے) میں مسجد کی پیمائش کرنا چاہتا تھا پھر خیال آیا کہ اوّل غور سے مسجد کی شکل وصورت دیکھ لوں اس کے بعد پیمائش کرلی جائے گی۔ چنانچہ اس خیال سے مدّتوں مسجد میں چل پھر کر دیکھتا رہا تو جانب شمال، قبہ یعقوب علیہ السلام کے قریب ایک محراب میں کتبہ ملا جس میں لکھا تھا کہ طول اس مسجد کا سات سو چار ہاتھ اور عرض چار سو پچپیس ہاتھ ہے۔ یہ پیمائش گز ملک[۱۴۰] کے مطابق ہے اور یہ وہی گز ملک ہے جس کو خراسان میں گز شایگاں کہتے ہیں اور یہ گز پیمائش میں ڈیڑھ ہاتھ سے کچھ ہی کم ہوتا ہے۔ (نو مٹی، ابن حوقل)۔

مسجد کا فرش سنگین ہے اور پتھر کی درزوں کو رانگ سے بند کیا ہے اور مسجد شہر و بازار کے مشرق جانب واقع ہے، کیونکہ جب بازار سے مسجد میں داخل ہوں تو مشرق سامنے پڑتا ہے، ایک بڑا خوبصورت دروازہ ہے جو بیس گز اونچا اور بیس گز چوڑا ہے جس میں دو بغلی کھڑکیاں نکالی ہیں، چنانچہ دروازہ اور کھڑکیاں اور ایوان طرح طرح کے نقش ونگار اور مینا (شیشے پر سبز لاجوردی کام کو مینا کہتے ہیں) کے کام سے آراستہ ہیں اور یہ کام پلاستر کے اوپر بنایا گیا ہے جس کے دیکھنے

سے آنکھوں کو چکا چوند ہوتی ہے اور دروازے پر جو کتبہ لگا یا ہے وہ بھی مینا کاری جس پر سلطان مصر کا لقب لکھا ہوا ہے۔ جب سورج کی کرنیں اس دروازے پر پڑتی ہیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے اور سڈول پتھر کا ایک گنبد اس دروزہ کے اوپر ہے۔

اور دو دروازے پُر تکلّف ہیں جس کے اوپر دمشق کا پیتل (جو بعینہٖ سونا معلوم ہوتا ہے) جڑا ہوا ہے، جس پر سونا گھوٹ کر بے شمار بیل بوٹے بنائے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک پندرہ گز اونچا اور آٹھ گز چوڑا ہے اور اس دروازہ کا نام باب داؤد ہے۔ جب اس دروزہ سے نکلیں تو داہنے ہاتھ پر دو بڑے دالان ملتے ہیں جن میں سے ہر ایک میں انتیس ستون سنگ مرمر کے ہیں اور ہر ستون کا بالائی جوڑ یعنی سر بند اور نیچے کے پائے (کُرسیاں) رنگین سنگ مرمر کے ہیں اور درزوں کو قلعی سے بند کیا ہے اور ستون کے اوپر پتھّر کی محرابیں ہیں جس میں گارے اور چونہ کا نام نہیں ہے بلکہ تلے اوپر پتھّر رکھ دیے گئے ہیں۔ چنانچہ کسی محراب میں چار پانچ پتھّر سے زیادہ نہیں ہیں اور یہ سلسلہ عمارت مقصورہ[۱] تک ہے۔ جب اس دروازہ سے بائیں ہاتھ پر جائیں (یہ مسجد کا شمالی حصّہ ہے) تو ایک لانبا دالان ملتا ہے جس میں چونسٹھ محراب ہیں اور سنگ مرمر کے ستونوں پر قایم ہیں۔ اور اس دیوار کے قریب ایک دوسرا دروازہ ہے جس کو باب السقر کہتے ہیں اور طول مسجد اقصیٰ کا شمال سے جنوب کی طرف ہے اور چونکہ اس رخ سے مقصورہ تراش لیا ہے، لہٰذا صحن مربع ہو گیا ہے اور قبلہ جنوب کی طرف پڑتا ہے اور شمال کی طرف یکے بعد دیگرے دروازے ہیں جن میں سے ہر ایک سات گز چوڑا اور بارہ گز اونچا ہے اور اس دروازہ کو باب الاسباط کہتے ہیں۔

۱؎ مسجد کے اس حصّہ کو مقصورہ کہتے ہیں جو کٹہرہ لگا کر خلفا، سلاطین اور عمائدین ملک کے نماز پڑھنے کے لیے محدود کر دیا جاتا ہے اور یہ ایک امن کی جگہ ہوتی ہے۔

اور جب اس دروازے سے مسجد کے صحن کی طرف چلیں جو جانب مشرق ہو تو پھر ایک بڑا دروازہ ملتا ہو جس میں تین در ہیں، اور اُسی قدر بڑے ہیں جیسا کہ باب الاسباط ہو۔ ان دروازوں پر لوہے اور پیتل کا ایسا کام بنایا گیا ہو جس سے زیادہ خوبصورت ہونا غیر ممکن ہو۔ اس دروازہ کو **باب الابواب** کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اور پھاٹک دو دو در کے ہیں اور یہ سہ درہ ہو اور ان دو شمالی دروازوں کے مابین اس دالان پر جس کی محرابیں ستونوں پر ہیں ایک قبہ ہو اور یہ قبہ اونچے ستونوں پر قایم ہو جو قندیل اور چراغ دانوں سے آراستہ ہو۔ اور اس کو قبہ یعقوب علیہ السلام کہتے ہیں۔ کیونکہ یہاں آپ نماز پڑھا کرتے تھے اور صحن مسجد پر ایک عمارت ہو جس کی دیوار پر ایک دروازہ نصب ہو جس کے باہر صوفیوں کے لیے دو ریاضت گاہیں بنی ہوئی ہیں جن کے اندر خوبصوت مصلّے اور محرابیں بنی ہیں اور اس جگہ ہمیشہ صوفیوں کے جھمگٹے رہتے ہیں اور وہ اسی جگہ نماز پڑھتے ہیں لیکن جمعہ کے دن مسجد میں آتے ہیں اور تکبیر کی آواز بالاخانے تک پہنچ جاتی ہو اور مسجد کے رکن شمالی پر دوسری خوبصورت عمارت ہو جس پر ایک شاندار اور خوبصورت قبہ بنا ہوا ہو اور اس پر تحریر ہو "ھذا محراب زکریا"۔ روایت ہو کہ حضرت زکریا علیہ السلام ہمیشہ اس جگہ نماز پڑھا کرتے تھے اور مشرقی دیوار پر مابین مسجد ایک بڑا دالان ہو جس کو سڈول پتھر سے گویا ایک ڈال تراش لیا ہو۔ اس کی اونچائی پچاس گز اور چوڑائی تیس گز ہو جس میں نقاشی اور منبت کاری کی گئی ہو اور اس دالان میں دس خوبصورت دروازے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ہر دو دروازوں کے مابین ایک پایہ ہو۔ ان دروازوں میں بہت کچھ تکلف کیا گیا ہو جس میں لوہے اور دمشقی پیتل کے کڑے اور گل میخیں جڑی ہوئی ہیں۔ روایت ہو کہ اس عمارت کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے والد کے لیے

بنایا تھا، جب اس کے اندر مشرق سے داخل ہوں تو ان دروازوں میں سے جو دائیں ہاتھ پر ہیں۔ ایک باب الرحمتہ اور دوسرے کو باب التوبہ کہتے ہیں اور یہی وہ دروازہ ہے جہاں خداوند تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول کی تھی۔ اس دروازہ پر ایک خوبصورت مسجد ہے۔ کسی زمانہ میں یہ ایک اندرونی دالان تھا جس کو اب مسجد کی صورت میں تبدیل کر دیا ہے۔ اس مسجد میں طرح طرح کے فرش بچھے ہوئے ہیں اور اس کے خدام بھی جداگانہ ہیں، یہاں ہر وقت لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہے جو نماز اور عبادت میں مصروف رہتے ہیں کیونکہ اسی جگہ حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تھی، اسی بنا پر ہر شخص معافی گناہ کا امیدوار ہے۔

روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جیسے ہی چوکھٹ کے اندر قدم رکھا ہے، ویسے ہی بذریعہ وحی قبولیت توبہ کی خوش خبری آگئی اور آپ اسی جگہ ٹھیر گئے اور عبادت میں مشغول ہوئے اور ناصر نے بھی (یعنی میں نے) اس جگہ نماز پڑھی اور خدا سے مناجات کی کہ اس کو گناہوں سے بچنے اور عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خداوند عالم تمام بندوں کو ایسی توفیق دے جس میں رضائے الٰہی ہے۔ اور اپنے حبیب اور آل اطہار کے صدقہ میں گناہوں سے توبہ نصیب کرے۔

مشرقی دیوار کا جو جنوبی گوشہ ہے اسی سمت پر کعبہ ہے اور شمالی دیوار کے سامنے ایک زمین دوز مسجد ہے (بطور تہ خانہ) جس میں بہت سی سیڑھیاں اتر کر داخل ہوتے ہیں۔ یہ مسجد طول میں ۲۰ گز اور عرض میں ۱۵ گز ہے اور سنگ مرمر کے ستونوں پر سنگین چھت قایم ہے۔

مہد عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گہوارہ (پالنا)

اسی جگہ رکھا ہوا ہے۔ یہ پتھر کا ہے اور اس قدر بڑا ہے جس میں لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ میں نے بھی اس میں نماز پڑھی ہے اور اس کو زمین میں ایسا نصب کر دیا ہے کہ جنبش نہ کر سکے۔ یہ وہی ہنڈولہ ہے جس میں حضرت عیسٰی علیہ السلام بچپن میں جھولا کرتے تھے اور لوگوں سے باتیں کیا کرتے تھے، چنانچہ یہ گہوارہ مسجد میں بجائے محراب کے قایم ہے۔

اور اسی مسجد میں جانب مشرق محراب مریم علیہا السلام ہے اور دوسری محراب حضرت زکریا علیہ السلام کی ہے۔ کلام مجید میں حضرت زکریا اور حضرت مریم کی شان میں جس قدر آیات نازل ہوئی ہیں وہ ان محرابوں پر لکھی ہوئی ہیں۔ روایت ہے کہ یہ مسجد مولد عیسےٰ علیہ السلام ہے اور پتھر کے ایک ستون پر دو انگلیوں کے نشان موجود ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے اس کو پکڑا ہے۔ مشہور ہے کہ حضرت مریم نے وضع حمل کے وقت اس ستون کو دو انگلیوں سے دبایا تھا اور یہ مسجد مہد عیسی علیہ السلام کے نام سے مشہور ہے۔ پیتل اور چاندی کی بکثرت قندیلیں آویزاں ہیں جو تمام رات جلتی ہیں۔ جب اس مسجد کے دروازہ سے آگے بڑھیں اور مشرقی دیوار سے بڑی مسجد تک پہنچیں تو ایک دوسری مسجد ملتی ہے جو اس مسجد (مہد عیسٰی) سے دو چند بڑی ہے اور اس کو مسجد الاقصٰی کہتے ہیں۔

مسجد الاقصٰی یہ وہی مسجد ہے جس میں خدائے عز و جل نے نبی کریمؐ کو شب معراج میں مکہ معظمہ سے یہاں تک پہنچایا تھا۔ اور پھر آپ یہاں سے آسمان پر تشریف لے گئے تھے جس کا تذکرہ کلام مجید کی اس آیت میں ہے "سُبْحَانَ الَّذِیۡٓ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا"[1]۔ اس جگہ خوشنما

---

[1] "وہ خدا عجز اور درماندگی کے عیب سے پاک ہے) جو اپنے بندے محمدؐ کو راتوں رات مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصٰی (بیت المقدس) تک لے گیا۔"

عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ جن میں پاکیزہ فرش بچھے ہوتے ہیں۔ اور جس کی خدمت کے لیے ہمیشہ خُدّام دست لبستہ حاضر رہتے ہیں۔

جب (جنوبی مشرقی) دیوار کی طرف لَو ٹو تو اس گوشہ سے تقریبًا ۲۰۰ گز تک کوئی عمارت نہیں ہی بلکہ مسجد اقصیٰ کے صحن کا ایک حصّہ ہی اور مسجد کی صدر عمارت (یعنی بڑی محراب کا وہ دالان جس پر گنبد ہوتے ہیں) کا طول چار سو آٹھ ہاتھ ہی جس کے داہنے ہاتھ پر رقبہ حرم کے اندر جنوبی اور غربی دیوار کے گوشہ میں مقصورہ واقع ہی۔ اور مجموعی حیثیت سے چھت کا طول (مغربی ضلع کی لمبائی) ۴۲۰ ہاتھ اور عرض ۱۵۰ ہاتھ ہی۔ اور مسجد الاقصیٰ میں جملہ دو سَو اسّی سنگ مرمر کے ستون ہیں اور ان پر پتھر کی محرابیں ہیں اور ان ستونوں کے سر بند اور تنے منقش ہیں۔ اور درزوں کو رانگ سے ایسا بند کر دیا ہی جس سے زیادہ مستحکم ہونا غیر ممکن ہی۔ اور ہر دو ستونوں کے مابین چھ ہاتھ کا فاصلہ ہی۔ اور تمام فرش رنگین سنگِ مرمر کا ہی، اور ان پتھروں کی درزوں پر رانگ کی ٹیپ ہی۔

مسجد الاقصیٰ کا مقصورہ

مقصورہ (مسجد و رقبہ حرم کی) جنوبی دیوار کے وسط میں ہی اور بہت بڑا ہی جس میں سوٗلہ ستون ہیں اور قبّہ بھی بہت بڑا ہی جس پر میناکاری کی گئی ہی جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں۔

مقصورہ کے اندر مغربی چٹائیوں کا فرش ہی۔ قندیلیں اور چراغ دان جدا جدا زنجیروں میں لٹکے ہوئے ہیں اور بڑی محراب میناکار بنائی ہی، جس کے ہر دو جانب سنگِ مرمر کے ستون عقیق سرخ کی طرح ہیں۔ اور مقصورہ کی چاروں طرف کی دیوار سنگِ مرمر کی ہی اور دائیں ہاتھ پر امیر معاویہ کی محراب ہی اور بائیں ہاتھ پر حضرت عمرؓ کی محراب ہی۔

اس مسجد کی چھت لکڑیوں سے پٹی ہوئی ہی جو نقش و نگار سے آراستہ ہی،

مقصورہ کے صحن کی جانب پندرہ دروازے ہیں جس میں خوبصورت جوڑیاں چڑھی ہوئی ہیں اور ہر ایک دروازہ دس گز اونچا اور چھو گز چوڑا ہی۔ چنانچہ منجملہ پندرہ[1] کے دس دروازے اس دیوار میں ہیں جس کا طول ۴۰۰ ہاتھ ہی اور پانچ دروازے اس دیوار میں ہیں جس کا طول ۱۵۰ ہاتھ ہی اور منجملہ ان دروازوں کے ایک خالص پیتل کا ہی جو نہایت خوبصورت اور پُر تکلف ہی اور ایسا معلوم ہوتا ہی کہ گویا طلائی ہی کیونکہ خالص و نرم چاندی سے زمین تیار کر کے اس پر نقش و نگار بنائے ہیں۔ اور خلیفہ مامون الرشید عباسی کا نام اس پر منقش ہی۔ بیان کیا جاتا ہی کہ مامون الرشید نے اس دروازہ کو بغداد سے بھیجا تھا۔ جب مسجد کے تمام دروازے کھول دیے جاتے ہیں اس وقت اس مسجد کا اندرونی حصّہ ایسا روشن ہو جاتا ہی گویا ایک کھلا ہوا صحن ہی جس میں چھت نہیں ہی۔ البتّہ ہوا اور بارش کے زمانہ میں دروازے بند رہتے ہیں اور مسجد کے اندر روشنی روزنوں سے آتی ہی اور صدر عمارت کے ہر چہار جانب باشندگان ممالک شام اور عراق کی طرف سے صندوق رکھے ہیں (خیرات کے لیے) اور مجاور بیٹھے رہتے ہیں جیسا کہ مسجد الحرام مکہ معظمہ میں دستور ہی۔

اور مسجد الاقصیٰ کے باہر بڑی دیوار پر جس کا ذکر ہو چکا ہی، ایک عمارت ہی، جس میں بیالیس محراب ہیں اور تمام ستون رنگین سنگِ مرمر کے ہیں اور یہ عمارت مغربی عمارت سے جا کر مل جاتی ہی اور اندرونی حصّہ مسجد میں ایک حوض ہی کہ جب اس پر ڈھکنا رکھ دیا جاتا ہی تو زمین کے برابر نظر آتا ہی۔ یہ حوض برساتی پانی کے لیے ہی۔ اور دیوار جنوبی پر ایک دروازہ ہی، وہاں ایک وضو خانہ ہی اور پانی بھی رہتا ہی کہ اگر کسی کو وضو کی ضرورت ہو تو از سر نو وضو کرے۔ کیونکہ اگر کوئی وضو کے لیے مسجد سے باہر جائے تو پھر نماز نہیں مل سکتی ہی۔ اس لیے کہ حرم مسجد بہت

---

[1] برٹش میوزیم اور پروفیسر شیفرڈ کے نسخہ میں (بابت پیمائش) اختلاف ہی۔

طویل ہی اور تمام عمارتوں کی چھت پر رانگ کی ٹیپ کی گئی ہی اور مسجد میں حوض اور تالاب بہت ہیں جو زمین کھود کر بنائے گئے ہیں، کیونکہ کل مسجد پہاڑی چٹان پر ہی چنانچہ برساتی پانی کا کوئی حصّہ ضایع نہیں جاتا ہی بلکہ تالابوں میں جمع ہوتا ہی۔ اور یہی پانی لوگ بھر کرلے جاتے ہیں اور رانگ کے پرنالے ہیں جن کے ذریعہ سے پانی بہتا ہی اور پرنالوں کے نیچے سنگین حوض بنے ہوئے ہیں، جن کے پیندے میں سوراخ ہیں جن کے اندر سے پانی بہ کر نالیوں کے ذریعہ سے حوض میں چلا جاتا ہی، جو آمیزش سے پاک وصاف ہوتا ہی اور اس میں کسی قسم کی خرابی نہیں ہوتی ہی۔ شہر سے تین فرسنگ کے فاصلہ پر میں نے ایک بہت بڑا تالاب دیکھا جس میں پہاڑ سے آکر پانی جمع ہوتا ہی اور اس میں ایسی نالیاں بنائی ہیں جن کے ذریعہ سے شہر کی مسجد میں پانی آتا ہی۔ اور تمام شہر میں سب سے زیادہ پانی کی افراط مسجد میں رہتی ہی۔ شہر کے جملہ مکانات کے اندر حوض بنے ہوئے ہیں جن میں برسات کا پانی جمع ہوتا ہی، کیونکہ برساتی پانی کے علاوہ اور کوئی انتظام نہیں ہوسکتا ہی۔ اور ہر شخص وہ پانی (جو برسات میں) چھتوں سے بہ کر گرتا ہی جمع کرلیتا ہی اور حمام وغیرہ میں یہی پانی خرچ ہوتا ہی۔ جس قدر حوض مسجد میں ہیں ان میں کبھی مرمّت کی ضرورت نہیں ہوتی ہی کیونکہ یہ سب سنگِ خارا کے بنے ہوئے ہیں اور اگر کسی میں درز پڑ جاتی ہی یا سوراخ ہوجاتا ہی تو اس کو ایسا مضبوط بنا دیتے ہیں کہ پھر کبھی خراب نہیں ہوتا۔ روایت ہی کہ ان حوضوں کو سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کرایا ہی اور حوض کے دہانے اس قسم کے ہیں جیسے تنور اور کنوئیں کا منہ ہوتا ہی اور ہر حوض کے اوپر ایک پتھر رکھا ہوا ہی تاکہ کوئی چیز اس میں نہ گرے۔ شہر بیت المقدس کا پانی اور سب جگہ سے صاف سُتھرا ہی اور اگر تھوڑی سی بھی بارش ہوجاتی ہی تو دو تین دن تک پرنالوں سے پانی بہا کرتا ہی۔ جب ہوا صاف

ہو جاتی ہے اور بادلوں کا نشان نہیں رہتا تب بھی پانی کے قطرے ٹپکتے رہتے ہیں۔ میں کہہ چکا ہوں کہ شہر بیت المقدس پہاڑ کی چوٹی پر ہے اور زمین ہموار نہیں ہے لیکن مسجد الاقصیٰ کی زمین برابر اور ہموار ہے اور مسجد کے باہر دیگر مقامات کے مقابلہ میں جہاں نشیب ہے، مسجد کی دیوار بہت اونچی ہے۔ کیونکہ بنیاد نشیبی حصہ پر رکھی گئی ہے اور جہاں بلندی ہے وہاں دیوار بہت چھوٹی ہے لہٰذا جن مقامات میں شہری آبادی اور محلے نشیب میں ہیں، وہاں مسجد میں صحن کے جانب سُرنگ لگا کر زمین دوز دروازے نکالے ہیں، ان دروازوں میں سے ایک کو "باب النبی" کہتے ہیں جو قبلہ رُو یعنی جنوب کی طرف ہے۔ اس دروازہ کی چوڑائی دس گز ہے اور بلندی سیڑھیوں کے مقابلہ میں کسی جگہ پانچ گز رہ گئی ہے۔ یعنی سرنگ کی چھت کسی جگہ بیس گز بلند ہے جس پر مسجد کی عمارت ہے اور سرنگ کی چھت اس قدر مضبوط ہے جس کے اوپر مسجد اقصیٰ جیسی بڑی عمارتیں بنائی ہیں اور پھر اس پر کوئی صدمہ نہیں پہنچتا۔ اور ایسے بھاری پتھر لگائے ہیں کہ عقل میں نہیں آتا کہ قوت بشری نے ان کو اٹھا کر کس طرح یہاں تک پہنچایا ہے۔

روایت ہے کہ یہ عمارت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی تعمیر کردہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں اسی راستہ سے مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے تھے۔ یہ دروازہ مکہ معظمہ کی سڑک پر ہے اور اس دروازہ کے قریب دیوار پر ایک بڑی سپر کے برابر نشان ہے جس کی نسبت مشہور ہے کہ حضرت حمزہ بن عبد المطلب (عم رسول اللہ صلعم) نے اس جگہ قیام فرمایا تھا اور چونکہ آپ پیٹھ لگا کر بیٹھے تھے لہٰذا سپر کا پورا نقش دیوار پر بن گیا ہے اور مسجد کے اس دروازہ پر (یعنی زمین دوز دروازہ کی چھت پر) ایک در میں دو کواڑ لگائے ہیں۔ مسجد کی دیوار باہر سے تقریباً پچاس گز بلند ہے اور اس دروازے کی تعمیر سے یہ غرض تھی

کہ اس محلّہ کے باشندوں (جس میں مسجد کا یہ ضلع شامل ہی) کو مسجد میں چکر کاٹ کرنہ آنا پڑے۔ اور مسجد کے داہنے ہاتھ پر دیوار میں ایک پتھر ہی جس کا طول گیارہ ہاتھ اور عرض چار ہاتھ ہی، چنانچہ اس سے بڑا کوئی دوسرا پتھر مسجد میں نہیں ہی۔ البتہ چوگزے اور نچ گزے پتھر بافراط دیوار میں نصب ہیں جو سطح زمین سے تیس اور چالیس گز کی بلندی پر ہیں اور عرض مسجد میں ایک شرقی دروازہ ہی جس کا نام باب العین ہی۔ جب اس دروازہ سے نکل کر نشیب کی طرف اُترتے ہیں تو چشمہ سلوان ملتا ہی۔

اور اسی قسم کا ایک دوسرا زمین دوز دروازہ ہی جس کا نام باب الحطہ ہی۔ روایت ہی کہ یہ وہ دروازہ ہی جس کی نسبت خدائے عزوجل نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ وہ اسی دروازہ سے مسجد میں داخل ہوں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہی "ادخلوا الباب سجّداً و قولوا حطّة نغفر لکم خطیٰکم وسنزید المحسنین"[1]

ایک تیسرا دروازہ اور ہی جس کو باب السکینا کہتے ہیں جس کے اندرونی دالان میں ایک مسجد ہی، جس میں بکثرت محرابیں ہیں اور اس کا پہلا دروازہ بند ہی جس میں کوئی شخص داخل نہیں ہوسکتا ہی۔

بیان کیا جاتا ہی کہ یہاں تابوت سکینہ (جس کا تذکرہ کلام مجید میں ہی) رکھا ہوا ہی جس کو فرشتے اٹھایا کرتے تھے اور جامع بیت المقدس میں اوپر اور نیچے کُل نو دروازے ہیں، جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں۔

چبوترہ صخرہ کا بیان

مسجد الاقصیٰ کے صحن میں ایک چبوترہ ہی۔ سنگِ صخرہ جو اسلام سے پہلے

---

[1] دروازے میں داخل ہونا جھکے جھکے اور کہتے جانا کہ توبہ ہی، ہم معاف کر دیں گے تمھاری خطائیں اور ابھی ابھی مزید بڑآں اور دیں گے دل سے نیک کام کرنے والوں کو۔

قبلہ تھا، اسی چبوترہ کے وسط میں رکھا ہوا ہی۔ اور چبوترہ بنانے کا یہ سبب ہی کہ صخرہ بلند تھا اور اس پر عمارت بنانی غیر ممکن تھی، اس لیے چبوترہ تعمیر کیا ہی جس کی پیمائش طولاً تین سو تینتیس ۳۳۳ ہاتھ اور عرضاً تین سو ہاتھ اور بلندی بارہ گز ہی اور صحن مسطح خوبصورت سنگ مرمر کا ہی اور دیواریں بھی اسی پتھر کی ہیں جس کی درزیں رانگ سے بند ہیں۔ اور اطراف چبوترہ کو سنگِ مرمر کے چوکوں سے بطور حظیرہ گھیر لیا ہی اور اس کی ساخت اس قسم کی ہی کہ بجز مقررّہ راستوں کے کسی دوسرے راستہ سے اس پر چڑھ نہیں سکتے ہیں۔ اور جب چبوترہ پر چڑھ جائیں تو مسجد اقصیٰ کی چھت سے قریب ہو جاتے ہیں۔ صحن چبوترہ میں ایک زمین دوز حوض ہی جس میں اس جگہ کا برساتی پانی نالیوں سے جاکر جمع ہو جاتا ہی۔ اس حوض کا پانی مسجد کے تمام حوضوں کے پانی سے بدرجہا پاک وصاف ہی۔ اس چبوترہ پر چار قُبے ہیں جن میں سب سے بڑا قبہ صخرہ ہی جو قبلہ رہ چکا ہی۔

قبۂ صخرہ کا بیان

مسجد الاقصیٰ کی بنیاد اس طرح پر ڈالی گئی ہی کہ چبوترہ مذکور صحن میں آگیا ہی اور چبوترہ کے وسط میں قبۂ صخرہ ہی اور صخرہ ٹھیک قبہ کے اندر ہی اور عمارت صخرہ ہشت پہل ہی، جس کا ہر ضلع تینتیس ۳۳ ہاتھ ہی۔

عمارت صخرہ چار سمت میں چار دروازے ہیں، یعنی مشرقی، مغربی، شمالی، جنوبی۔ اور دو دروازوں کے مابین ایک ضلع ہی۔ تمام دیواریں ترشے ہوئے پتھر کی ہیں، جس کا طول بیس ہاتھ ہی اور صخرہ کا محیط ۱۰۰ سو گز ہی۔ صخرہ شکل وصورت میں خوشنما نہیں ہی یعنی نہ چوکور ہی نہ گول، بلکہ پہاڑی پتھروں کی طرح ایک بے ڈول پتھر ہی۔ صخرہ کے چاروں طرف چار مربع ستون قایم ہیں جو

اونچائی میں دیواروں کے برابر ہیں، پھر ہر دو ستونوں کے درمیان (منجملہ چار) سنگِ مرمر کے دوہرے گول ستون اور ہیں، جو بلندی میں بڑے ستونوں کے برابر ہیں۔ اور ان بارہ ستونوں اور اسطوانوں پر گنبد کی بنیاد قایم ہی جس کے نیچے صخرہ ہی اور جس کا محیط ایک سو بیس ہاتھ ہی۔ اس عمارت میں جو ستون اور اسطوانہ ہیں اس کی تفصیل یہ ہی کہ جو کھمبے چوکور (مربع) ہیں، میں ان کو ستون کہتا ہوں اور جو ستون ایک ڈال پتھر کے گول (مدوّر) ہیں اُن کو اسطوانہ سے تعبیر کرتا ہوں۔

بعد ازاں اِن ستونوں اور دیوار مکان کے مابین خوش نما پتھروں سے چھ ستون اور بنائے گئے ہیں۔ پھر ہر دو ستونوں کے مابین تین عمود رنگین سنگ مرمر کے برابر فاصلہ دے کر قایم کیے گئے ہیں۔ جس طرح پہلی صف میں دو ستونوں کے مابین دو عمود تھے، اسی طرح یہاں دو ستونوں کے درمیان میں تین عمود ہیں اور ہر ستون کا بالائی حصہ چوگوشہ ہی، جن میں سے ہر ایک گوشہ ایک محراب کا پایہ ہی اور ہر عمود کے دو گوشے ہیں، چنانچہ ہر عمود پر دو محرابیں ہیں۔ اور اس حساب سے ہر ستون پر چار محرابیں ہوتی ہیں۔ اس وقت یہ بڑا گنبد، جو بارہ ستونوں پر صخرہ کے نزدیک قایم ہی ایک فرسنگ سے پہاڑ کی چوٹی کی طرح نظر آتا ہی، کیونکہ گنبد جڑ سے چوٹی تک تیس ہاتھ ہی۔ اور پھر بیس گز کی بلندی پر دیوار اور ستون اُٹھائے گئے ہیں، جو دراصل خانۂ صخرہ کی دیوار ہی اور مکان صخرہ بارہ گز اونچے چبوترہ پر ہی۔ اس حساب سے سطح مسجد سے گنبد کی چوٹی تک باسٹھ گز ہوتے ہیں اور اس مکان کی (اوپر[1] اور نیچے) چھت لکڑی کی ہی۔ اور ان جملہ ستونوں پر ایسی صنعت سے دیوار

---

[1] اصل عبارت یہ ہی "دبام وسقف این خانہ بنجارت پوشیدہ است" ہماری زمانے میں بام سے اصلی چھت مراد ہی اور سقف سے چوبی چھت گیری مقصود ہی جس کے نمونہ دہلی وغیرہ کی عمارتوں میں ہنوز موجود ہیں۔ دآنہ بام کھلی ہوئی چھت کو کہتے ہیں اور سقف وہ حصہ ہی جو پٹا ہوا ہوتا ہی۔

اُٹھاتی ہی کہ جس کی نظیر کہیں اور نہیں ملے گی۔

صخرہ قد آدم زمین سے بلند ہی اور سنگِ مرمر کا ایک مُحَجَّر اس کے گرد ہی تاکہ کوئی اس کو چھو نہ سکے۔ سنگ صخرہ نیلگوں ہی اور کسی نے آج تک اس پر قدم نہیں رکھا ہی۔ اور جانب قبلہ ایک طرف گڑھا سا ہی اور ایسا معلوم ہوتا ہی کہ کوئی شخص اس پر سے گزرا ہی، جس کے پانوں پتھر میں دھس گئے ہیں اور وہ ایسی نرم مٹی تھی جس میں پانوں کی اُنگلیوں کے نشان بن گئے ہیں۔ علاوہ بریں قدم کے سات نشان بھی اس پر موجود ہیں۔ اور میں نے یوں سنا ہی کہ جس زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام یہاں تشریف رکھتے تھے اور حضرت اسحٰق علیہ السّلام کا بچپن تھا یہ ان کے قدم کے نشان ہیں۔

صخرہ مبارک میں ہمیشہ مجاور اور درویش (عابد) رہا کرتے ہیں، اور یہ مکان ریشمی فرش وغیرہ سے آراستہ رہتا ہی اور صخرہ کے عین وسط میں ایک نقرئی قندیل، چاندی کی زنجیر میں لٹکی ہوئی ہی۔ اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی چاندی کی قندیلیں آویزاں ہیں، جن پر ہر ایک کا وزن لکھا ہوا ہی۔ اور یہ قندیلیں سلطان مصر کا عطیہ ہیں۔ میں نے حساب لگایا تو سینتیس [۳۷] من چاندی کی مختلف اشیا وہاں موجود تھیں۔

یہاں میں نے ایک شمع دیکھی جس کا طول سات ہاتھ اور جس کی جسامت تین بالشت کی تھی، جس میں کافورِ رِیاحی اور عنبر وغیرہ کی آمیزش تھی۔ لوگوں کا بیان ہی کہ سلطان مصر سالانہ بکثرت شمعیں بھیجا کرتا ہی۔ چنانچہ منجملہ ان کے یہ بڑی شمع بھی ہی (جس کے نیچے) طلائی حروف میں سلطان مصر کا نام لکھا ہوا تھا۔ خدا کے گھروں میں سے یہ (صخرہ یا بیت المقدس) تیسرا مکان ہی۔ کیونکہ علمائے دین میں مشہور ہی کہ جو نماز بیت المقدس میں پڑھی جائے وہ پچیس [۲۵۰۰۰] ہزار اور جو مدینۂ طیبہ

میں پڑھی جائے وہ پچاس ہزار اور جو خانہ کعبہ میں پڑھی جائے وہ ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ خداوند عالم اپنے سب بندوں کو یہاں تک پہنچنے کی توفیق دے۔

یہ میں کہہ چکا ہوں کہ تمام چھتوں اور گنبدوں کی پشت پر رانگ کی ٹیپ کی گئی ہے۔ اور حرم کے چاروں طرف بڑے دروازے قایم ہیں منجملہ ان کے دو دروازے چوب ساج کے ہیں۔ مگر یہ دروازے ہمیشہ بند رہتے ہیں۔

قبۂ سلسلہ

عمارت صخرہ کے بعد (چبوترہ پر) ایک اور قبہ ہے جس کو قبۂ سلسلہ کہتے ہیں اور یہ وہ مقام ہے جہاں داؤد علیہ السلام کی کی زنجیر لٹک رہی ہے۔ اور علماء میں مشہور ہے کہ بجز راستباز کے کسی ظالم اور غاصب کا ہاتھ اس زنجیر تک نہیں پہنچتا ہے۔ اور یہ قبہ آٹھ عمود اور چھ سنگین ستونوں پر قایم ہے، جن کے سب رُخ کھلے ہوئے ہیں، البتہ قبلہ رُخ اوپر تک بند ہے اور اس جگہ ایک خوبصورت محراب بنائی ہے۔ اور نیز اس چبوترہ پر ایک دوسرا قبہ بھی ہے جو سنگ مرمر کے چار ستونوں پر قایم ہے۔ اور اس کا بھی قبلہ والا رُخ بند ہے۔ اور یہاں بھی ایک خوبصورت محراب ہے جس کو قبہ جبرئیل علیہ السلام کہتے ہیں۔

قبۂ جبرئیل علیہ السلام

اس قبہ میں سنگی فرش نہیں ہے، بلکہ یہاں کی زمین خود پتھریلی ہے، جس کو ہموار کرلیا ہے۔ روایت ہے کہ شب معراج میں اس مقام تک براق آیا تھا اور اسی جگہ سے حضور سرور عالمؐ براق پر سوار ہوئے تھے۔

قبۃ الرسول

قبہ جبرئیلؑ کی پشت پر دوسرا قبہ ہے جس کو قبۂ رسول کہتے ہیں اور ان دونوں قبوں میں بیسؔ ہاتھ کا فاصلہ ہے۔ یہ قبہ بھی سنگِ مرمر کے چار ستونوں پر قایم ہے۔ روایت ہے کہ شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّل قبہ صخرہ میں نماز پڑھی اور صخرہ پر ہاتھ رکھا۔ اور جب آپ قبہ سے باہر

تشریف لائے تو صخرہ تعظیماً اپنی جگہ سے بلند ہوا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنا ہاتھ صخرہ پر رکھا تب وہ اپنی جگہ پر آکر ٹھیر گیا۔ اور آج تک اسی طرح معلق ہے۔ رسول مقبول اسی قبہ میں تشریف لائے تھے، بدیں وجہ یہ حضور سے منسوب ہے۔ اور اسی جگہ براق پر سوار ہوئے تھے اور یہی اس قبہ کی عظمت کا سبب ہے صخرہ کے نیچے ایک بڑا غار ہے، جس میں ہمیشہ شمع روشن رہتی ہے۔ روایت ہے کہ جب صخرہ بلند ہونے لگا تو حصّہ زیرین خالی رہ گیا اور جب ٹھیرا تو بحال خود قایم رہا۔

چبوترہ کی سیڑھیوں کا بیان

صحن مسجد الاقصیٰ پر چڑھنے کے لیے چھ راستے ہیں اور ہر ایک کا نام جداگانہ ہے چنانچہ قبلہ کی طرف دو راستے ہیں جس کو سیڑھیوں سے طے کرتے ہیں۔ جب چبوترہ کے وسط میں ٹھیریں تو سیڑھیوں کا ایک سلسلہ دائیں ہاتھ پر ہے اور دوسرا بائیں پر، پہلے سلسلے کو مقام النبی اور دوسرے کو مقام غورہی کہتے ہیں۔

مقام النبی اس لیے کہتے ہیں کہ شب معراج میں حضور انور انھی سیڑھیوں سے گزر کر چبوترہ پر تشریف لے گئے تھے اور پھر وہاں سے قبہ صخرہ میں اور حجاز کی سڑک بھی اسی سمت میں ہے۔ ان سیڑھیوں کی موجودہ چوڑائی بیس ہاتھ ہے، جو سب سڈول پتھر تراش کر بنائی گئی ہیں۔ اور یہی سبب ہے کہ ہر سیڑھی میں ایک یا دو مربع پتھر کے چوکے نصب ہیں۔ اور اس انداز سے سیڑھیاں بنائی ہیں کہ اس پر مع سواری کے بھی چڑھ سکتے ہیں۔ اور سیڑھیوں کے اوپر سبز سنگِ مرمر کے چار ستون ہیں، جو بعینہٖ زمرد کے معلوم ہوتے ہیں اور ان پر ہر رنگ کے بکثرت نقطے ہیں۔ ان میں سے ہر عمود کی بلندی دس ہاتھ ہے اور گولائی اس قدر ہے کہ دو آدمیوں کے ہاتھوں کے حلقہ میں آجائیں۔ پھر چار ستونوں پر تین

محراب ہیں، چنانچہ ایک محراب دروازہ کے مقابل ہی اور دو دائیں بائیں واقع ہیں اور پچھلا رخ محرابوں کا سیدھا ہی جس پر کنگرے بنے ہوئے ہیں اور یہ کنگرے مرتبع نظر آتے ہیں۔ اور یہ عمود اور محرابیں طلا اور مینا کے کام سے منقش ہیں، جس سے زیادہ خوبصورت ہونا مشکل ہی اور چبوترہ پر جس قدر تکیے بنائے ہیں، وہ تمام دکمال سبز مرمر کے ہیں اور منقط ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہی کہ وادی میں پھولوں کے تختے کھلے ہوئے ہیں۔

مقام غوری اور مقام غوری کا یہ نقشہ ہی کہ اس پر جانے کے لیے تین زینہ ہیں۔ ایک مقابل چبوترہ اور دو پہلو ہیں۔ چنانچہ تین جگہ سے لوگ اس پر چڑھتے ہیں۔ اور یہاں بھی تینوں زینوں کے اوپر ویسے ہی ستون ہیں، جن پر محراب اور کنگرے ہیں اور پتھر کی سیڑھیاں بھی اسی ترتیب سے تراش کر لگائی ہیں۔ اور ہر سیڑھی دو یا تین بڑے پتھروں سے بنائی گئی ہی۔ اور ایوان کی پیشانی پر خوبصورت طلائی حروف میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی :-

"امر بہ الامیر لیث الدولہ نوشتگین غوری[1]" (یعنی یہ عمارت امیر لیث الدولہ نوشتگین کے حکم سے تعمیر ہوئی ہی)

کہتے ہیں کہ لیث الدولہ سلطان مصر کا غلام تھا جس نے یہ راستے اور سیڑھیاں بنائی ہیں۔ اور چبوترہ کے مغربی طرف بھی دو جگہ سیڑھیاں بنوا کر راستہ نکال دیا ہی اور ویسا ہی خوشنما جیسا کہ بیان کر چکا ہوں۔

مقام شرقی اسی طرح مشرقی جانب بھی ایک راستہ ایسے ہی تکلف سے بنایا ہی۔ اور اس پر عمود قایم کر کے محراب بنائی ہیں، جس پر

---

[1] امیر لیث الدولہ فاطمی خلیفہ الظاہر باللہ (۴۱۹ھ / ۱۰۲۸ع تا ۴۲۳ھ / ۱۰۳۱ع) کے عہد میں امیر الجیوش (سپہ سالار اعظم) تھا۔

کنگرے ہیں۔ اور اس کا نام مقام شرقی ہی۔

مقام شامی

اور شمالی جانب بھی ایک راستہ ہی جو بہت اونچا اور چوڑا ہی۔ اور اس پر بھی ویسے ہی عمود اور محرابیں ہیں۔ اور اس کو مقام شآمی (شمالی) کہتے ہیں۔ میرا اندازہ ہی کہ ان چھ راستوں کی تعمیر میں ایک لاکھ دینار (سات لاکھ پچاس ہزار روپیہ) لاگت آئی ہوگی۔

صحن مسجد (چبوترہ پر نہیں) پر ایک جگہ ہی جہاں ایک چھوٹی سی مسجد (بطولِ حظیرہ) جانب شمال پتھر تراش کر بنائی ہی، جس کی دیوار قدِ آدم سے زیادہ نہ ہوگی اور اس کو محراب داؤد کہتے ہیں[1]۔

حظیرہ کے قریب ایک قدِ آدم ناہموار (ٹول) پتھر رکھا ہوا ہی اور اس کا اگلا حصہ اس قدر چوڑا ہی کہ جس پر ایک چھوٹا سا مصلے بچھ سکتا ہی۔ کہتے ہیں کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی ہی، جس پر آپ بزمانہ تعمیر ہیکل بیٹھا کرتے تھے۔ یہ مضمون میں نے جامع بیت المقدس میں لکھا ہوا دیکھا تھا۔ اور اسی جگہ میں نے اپنے روزنامچے میں لکھ لیا تھا، مسجد کے نوادرات سے یہ ہی کہ میں نے وہاں درخت خور[۱۲۱] دیکھا۔

بیت المقدس سے مدینۃ الخلیل کی روانگی

بیت المقدس سے میں نے مشہد حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن کی زیارت کا قصد کیا۔ چہارشنبہ غرہ ذی قعدہ سنہ ۴۳۸ھ ہجری (۲۹ راپریل سنہ ۱۰۴۷ء) کو منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہوگیا۔ بیت المقدس سے حبرون یعنی مشہد خلیل تک چھ فرسنگ کا فاصلہ ہی اور راستہ دکن کی طرف جاتا ہی۔

---

[1] اصطخری لکھتا ہی کہ عمارات بیت المقدس میں محراب داؤد سب سے پہلی عمارت ہی جو رملہ سے چل کر نظر آتی ہی۔ یہ عمارت ۵۰ گز طول اور ۳۰ گز عرض میں ہی۔ اور اس مسجد کی ہر ایک محراب بیقردن کے نام سے منسوب ہی۔

راہ میں مواضعات کی کثرت ہی، کھیت اور باغات افراط سے ملتے ہیں، انگور، انجیر، زیتون اور خود رو سماق کے درخت بے شمار ہیں اور یہ سب جنگلی ہیں، ان کو پانی نہیں ملتا ہی۔

شہر سے دو فرسنگ کے فاصلے پر چار گانو کا ایک کھیڑہ آباد ہی، یہاں پانی کا چشمہ ہی اور باغات بہت ہیں۔ اور موزونیت مقام کے اعتبار سے اس مقام کا نام فرادیس (جمع فردوس) ہی۔

شہر بیت المقدس سے ایک فرسنگ پر عیسائیوں کا ایک مقدس مقام ہی جس کو بیت اللحم کہتے ہیں۔ یہاں ہمیشہ عیسائیوں کا مجمع رہتا ہی۔ اور بکثرت زائرین آتے ہیں اور قربانی کرتے ہیں۔ اور یونان سے عیسائی بہت آتے ہیں بیت المقدس سے چل کر رات کو میں نے اسی جگہ قیام کیا تھا۔

صفت مشہد خلیل صلوات اللہ علیہ

ملک شام اور بیت المقدس کے باشندے اس مشہد کو صرف خلیل کہتے ہیں اور موضع مطلون[1] کا جہاں یہ مشہد واقع ہی نام نہیں لیتے ہیں۔ اور علاوہ مطلون کے مصارف کے لیے متعدد دیہات وقف ہیں۔ مطلون میں پتھر سے ایک چشمہ نکلا ہی، جس سے تھوڑا پانی نکلتا ہی۔ اور ذرا آگے بڑھ کر ایک نہر نکالی ہی جس کو گانو کے قریب پہنچا دیا ہی اور گانو کے باہر ایک حوض بنایا ہی جس کا مُنہ بند رہتا ہی اور اس میں پانی جمع کرتے ہیں تاکہ ضائع نہ ہو اور زائرین اور باشندگان موضع کا اسی پانی پر گزارہ ہی۔

---

[1] حبرون یا مطلون۔ مرطوون، بیت عینون اور بیت ابراہیم، یہ چاروں مواضعات متصل ہیں جن میں مطلون بہت مشہور رہی۔ (از سیاحت نامہ قدسی انگریزی)

مشہد حضرت ابراہیم خلیل اللہ

مشہد خلیل گانو کے کنارے جنوبی سمت میں ہے۔ اور یہاں جنوبی سمت حقیقت میں مشرقی سمت ہے۔ مشہد کی چاروں دیواریں ترشے ہوئے پتھر کی ہیں، جس کا طول اسّی ہاتھ اور عرض چالیس ہاتھ اور ارتفاع بیس ہاتھ ہے اور دیوار کی چوٹی کا اتار دو ہاتھ ہے۔ اور عمارت کے عرض میں محراب و مقصورہ بنایا ہے۔ اور پھر مقصورہ میں خوبصورت محراب جداگانہ ہیں مقصورہ کے اندر دو قبریں ہیں، جن کے سرہانے قبلہ رخ ہیں۔ دونوں قبریں قد آدم اونچی ہیں، اور ترشے ہوئے پتھر کی ہیں۔ ان میں سے جو دائیں ہاتھ پر ہے وہ حضرت اسحاق بن ابراہیم کی ہے۔ اور دوسری قبر آپ کی بی بی (ربقہ) کی ہے اور ان دونوں قبروں میں دس ہاتھ کا فاصلہ ہے۔

مشہد کی زمین اور دیوار قیمتی فرش اور مغربی چٹائیوں سے آراستہ ہے، یہ چٹائیاں حریر (دیبا) سے زیادہ نفیس ہیں، یہاں میں نے چٹائی کا ایک مصلیٰ دیکھا جس کو امیر الجیوش (سپہ سالار) نے بھیجا تھا، یہ امیر سلطان مصر کا غلام ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مصر میں اس مصلے کی قیمت تیس دینار مغربی (دو سو پچیس یا پندرہ پونڈ) ہے، اگر دیبائے رومی (بقدر مصلی) خرید کیا جاتا تو اس سے کم دام میں آجاتا، میں نے ایسا مصلیٰ کہیں نہیں دیکھا ہے۔

جب مقصورہ سے برآمد ہوں تو صحن مشہد میں دو عمارتیں ملتی ہیں، جو قبلہ رخ ہیں، چنانچہ دائیں ہاتھ پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا مزار مبارک ہے۔ اور یہ بڑی عمارت ہے جس کے اندر ایک اور مکان ہے مگر اس کے گرد طواف نہیں کرسکتے ہیں، اس میں چار کھڑکیاں (یا جالدار کٹہرے) ہیں۔ اور زوار انھیں کھڑکیوں سے مزار کی زیارت کرتے ہیں۔ اس مکان کی زمین اور دیواریں دیبا سے آراستہ ہیں۔ اور قبر پتھر کی بنی ہوئی ہے، جو تین گز لانبی ہے۔ قندیلیں اور چراغدان چاندی

کے بکثرت آویزاں ہیں۔

دوسرا مکان جو قبلہ کے بائیں ہاتھ پر ہے، اس میں حضرت سارہ زوجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر ہے۔ اور اس مکان کے مابین ایک راستہ ہے (بطور دالان) جس سے دونوں طرف جا سکتے ہیں۔ یہاں بھی قندیل اور چراغدان بکثرت آویزاں ہیں۔ ان مزارات سے نکل کر قریب ہی دو مقبرے اور ملتے ہیں۔ چنانچہ دائیں ہاتھ پر یعقوب علیہ السلام کی قبر ہے اور بائیں ہاتھ پر ان کی بی بی (لیا) مدفون ہیں۔ بعد ازاں جو مکانات ہیں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان خانے ہیں۔ اور اس مشہد (درگاہ) میں جملہ چھ قبریں ہیں اور چار دیواری کے باہر ایک غار ہے، جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کا مقبرہ ہے، جس کا گنبد خوبصورت اور قبر سنگین ہے۔ اور (مابین قبر یوسف علیہ السلام اور مشہد) جنگل کی جانب ایک بڑا قبرستان ہے جہاں دور دور سے مُردے لا کر دفن کیے جاتے ہیں۔ اور مقصورے کی چھت پر جو حجرے ہیں اس میں مہمان ٹھیرا کرتے ہیں۔ مشہد خلیل کے متعلق بہت سے دیہات وقف ہیں۔ جس میں بیت المقدس کی آمدنی والی جائداد بھی شامل ہے۔

یہاں گیہوں کم اور جو زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ زیتون کی بھی افراط ہے۔ مہمانوں مسافروں اور زائروں کو (کھانے کے ساتھ) روغن زیتون بھی دیا جاتا ہے۔ چکیاں بکثرت ہیں، جن میں بیل اور خچر چلتے ہیں۔ اور تمام دن آٹا پسا کرتا ہے اور لونڈیاں دن بھر روٹیاں پکایا کرتی ہیں۔ ان روٹیوں میں سے ہر ایک کا وزن ڈیڑھ سیر ہوتا ہے۔

خوان خلیل

ہر مہمان کو لنگر خانہ سے ایک کلچہ روٹی اور ایک پیالہ مسور کی دال کا ملتا ہے۔ اور دال روغن زیتون میں بگھاری جاتی ہے اور منقی (انگور خشک) بھی دیے جاتے ہیں، اور مہمان داری کا یہ دستور

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے زمانہ سے آج تک جاری ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک دن میں پانچ سو زائر آجاتے ہیں اور سب کی دعوت ہوتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس مشہد میں دروازے نہ تھے، کوئی اس کے اندر نہیں جا سکتا تھا، بلکہ باہر سے زیارت کرتے تھے، جب مصر میں خلیفہ المہدیؑ[۱۳۲] (بانی خاندان فاطمیہ) حکمران ہوا تو اس نے حکم دیا کہ مشہد میں دروازے لگائے جائیں اور بہت سا سامان بھیج دیا اور فرش وغیرہ سے آرائش کے علاوہ عمارت بھی بڑھا دی گئی۔ اور یہ جدید دروازہ مشہد کی شمالی دیوار میں لگایا گیا ہے، جو زمین سے چار گز اونچا ہے۔ اور دونوں طرف پختہ سیڑھیاں بنائی ہیں جس پر ایک طرف سے چڑھتے ہیں اور دوسری جانب سے اتر جاتے ہیں اور (راستہ کی روک کے لیے اس جگہ) لوہے کا ایک چھوٹا سا دروازہ بھی ہے۔

ناصر خسرو کا پہلا حج براہ بیت المقدس سنہ ۴۳۸ھ

الغرض میں مشہد خلیل سے بیت المقدس کو واپس آیا اور جو قافلہ حجاز کو جا رہا تھا اس کے ہمراہ پیدل ہولیا۔ ہمارا راہ نما ایک تیز رفتار اور خوبصورت آدمی تھا، جس کو ابو بکر ہمدانی کہتے تھے۔

ذی قعدہ سنہ ۴۳۸ھ کی پندرھویں تاریخ (۱۴ / مئی سنہ ۱۰۴۷ء) کو میں بیت المقدس سے روانہ ہو کر تین دن کی مسافت طے کرنے کے بعد اس منزل میں پہنچا جس کو ارعر (ع ر ع ر) کہتے ہیں۔ یہاں بھی پانی کے چشمے اور درخت تھے۔ دوسری منزل میں پہنچا جس کو وادی القریٰ کہتے ہیں۔ پھر تیسری منزل میں آیا جہاں سے دس دن میں مکہ معظمہ پہنچا۔

امسال کہیں سے قافلہ نہیں آیا تھا اور قحط پڑ رہا تھا۔ کوچۂ عطاران میں جو باب النبی کے متصل ہے میں نے قیام کیا۔ اور دوشنبہ کے دن عرفات کو

گیا، لیکن عربوں کی جانب سے خطرہ تھا، عرفات سے لوٹ کر مکہ معظمہ میں دو یوم قیام کیا اور شام کے راستہ سے بیت المقدس کو واپس آگیا۔

سیاحت کا تیسرا سال
چار سو انتالیس ہجری ۴۳۹ھ

پانچویں محرم ۴۳۹ھ (۲ر جولائی ۱۰۴۷ء) کو بیت المقدس میں داخل ہوا، مکہ معظمہ اور حج کا تذکرہ فی الحال ملتوی کرتا ہوں، اخیر حجوں کے بعد تفصیل سے بیان کروں گا۔

بیعۃ القمامہ [۱۲۲] بیت المقدس میں عیسائیوں کا ایک گرجا ہے۔ جس کا نام بیعۃ القمامہ ہے، یہ مقدس گرجا ہے۔ اور ہر سال ممالک یونان سے بکثرت زائر یہاں آتے ہیں۔ اور روم کا بادشاہ (امپرر آف بزنطائن) بھی مخفی طور پر آیا کرتا ہے جس کی عموماً خبر نہیں ہوتی ہے، چنانچہ خلیفہ الحاکم بامراللہ کے عہد میں بھی یہ بادشاہ آیا تھا۔ لیکن الحاکم اس کی آمد سے واقف تھا۔ اور اس نے اپنے اردلی کے ایک سوار کو قیصر کے پاس بھیجا اور پتہ بتا دیا کہ اس شکل و صورت کا ایک آدمی جامع بیت المقدس میں بیٹھا ہوا ہے، تم اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ "حاکم بامراللہ نے مجھے بھیجا ہے اور پیام دیا ہے کہ "تم یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہاری آمد سے غافل ہوں، لیکن اطمینان رکھو تمہارے ساتھ کوئی مخالفانہ کارروائی نہیں کی جائے گی"۔ پھر حاکم نے اس کلیسا کو برباد کر دیا جو مدت تک ویران پڑا رہا۔ جب قیصر روم نے سفارتوں کے ذریعہ تحائف بھیجے اور صلح کا طالب ہوا اور معذرت کی تب دوبارہ گرجے کی تعمیر کی اجازت ہوئی اور از سر نو بنایا گیا۔

یہ گرجا وسیع رقبہ میں ہے، جس میں آٹھ ہزار آدمی آسکتے ہیں۔ اور رنگین سنگ مرمر سے نہایت پر تکلف بنایا گیا ہے، جس میں نقش و نگار کے ساتھ تصویریں بھی ہیں۔ اور گرجا کے اندرونی حصے کو دیبائے رومی سے آراستہ کیا ہے۔ اور

دیواروں پر طلاکار تصاویر بنائی ہیں۔ جن پر بکثرت سونا چاندی صرف کیا ہے۔ اور مسیح علیہ السّلام کی تصویر کئی جگہ بنائی ہے، جس میں آپ خچر پر سوار ہیں۔ علاوہ بریں حضرت ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق اور یعقوب علیہم السّلام اور ان کے بیٹوں کی بھی تصویریں ہیں، جن پر روغن سندروس کی وارنش کی گئی ہے۔ اور ہر تصویر کے اوپر ایک باریک و شفّاف شیشہ چڑھا ہوا ہے، جس میں ہر تصویر کا چہرہ صاف نظر آتا ہے۔ یہ انتظام اس لیے ہے کہ تصاویر گرد و غبار سے محفوظ رہیں اور خدام روزانہ ان شیشوں کو صاف کیا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی مقامات ہیں جو پُرتکلّف ہیں، جن کے لکھنے میں طوالت ہے۔

اس گرجا میں بہشت اور دوزخ کا بھی منظر دکھایا گیا ہے، چنانچہ ایک حصّہ میں جنّت اور جنّت والوں کا نقشہ ہے۔ اور دوسرے حصّہ میں دوزخ اور دوزخیوں کا خاکہ کھینچا گیا ہے، اور ایسے ہی اور بھی مناظر ہیں۔ اور یہ وہ مرقّع ہے جس کی نظیر ساری دنیا میں نہ ہوگی۔ اس گرجا میں دن رات علمائے نصاریٰ اور راہب انجیل مقدّس پڑھا کرتے ہیں اور عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔

ناصر خسرو بیت المقدس سے براہ خشکی مصر جاتا ہے،

اوّل میں نے قصد کیا تھا کہ بیت المقدس سے براہ دریا (بحرالروم) مصر اور پھر مصر سے مکّہ معظمہ کو روانہ ہوں، مگر ہوا مخالف چل رہی تھی اس لیے براہ دریا نہ جا سکا اور خشکی کے راستہ سے چل کر رملہ ہوتا ہوا اس شہر میں پہنچا جس کو عسقلان[۱۴۲] کہتے ہیں۔ عسقلان کی مسجد اور بازار بہت خوبصورت تھے۔

یہاں ایک پرانی محراب نظر آئی، لوگ کہتے ہیں کہ یہاں ایک مسجد تھی اور اسی مسجد کی یہ بڑی سنگی محراب باقی ہے۔ اگر کوئی شخص اس محراب کو گرانا چاہے تو بڑی رقم صرف کرنے پر گر سکتی ہے۔

یہاں سے روانہ ہو کر راستہ میں بکثرت دیہات اور شہر نظر آئے جس کی تفصیل میں طول ہے لہٰذا اختصار کر دیا گیا۔

طینہ[۱۴۵] پھر میں طینہ میں پہنچا یہ بندرگاہ تھا اور یہاں سے تینس[۱۴۶] کو جہاز روانہ ہوتے تھے لہٰذا تینس تک میں جہاز میں گیا۔

جزیرہ تینس تینس ایک جزیرہ ہے اور خوبصورت شہر ہے۔ اور چونکہ خشکی سے فاصلہ پر ہے اس لیے شہر کی چھتوں سے ساحل نظر نہیں آتا ہے۔ گنجان شہر ہے، بازار اچھے ہیں۔ اور دو مسجدیں ہیں۔ شہر میں تقریباً دس ہزار دُکان ہوں گی۔ اور دو سو دکانیں عطاروں کی تھیں۔ گرمی کے زمانہ میں بازاروں میں کشکاب (جَو کا حریرہ یا فالودہ) بکتا ہے۔ کیونکہ شہر گرم سیر ہے، بیماری بہت رہتی ہے۔ یہاں رنگین قصب (ایک قسم کا ریشمی اور سوتی مشروع) بُنا جاتا ہے، جس کے عمامے، نقاب (روپوش) اور عورتوں کے پہننے کے کپڑے بُنے جاتے ہیں۔ تینس سے بہتر رنگین قصب کسی اور ملک میں نہیں بُنا جاتا ہے۔ اور جو سپید ہوتا ہے وہ دمیاط میں بنا جاتا ہے۔ اور کارخانہ سلطانی میں جس قدر قصب تیار ہوتا ہے وہ نہ تو فروخت ہوتا ہے اور نہ کسی کو دیا جاتا ہے۔

میں نے سنا ہے کہ شاہ فارس نے بیس ہزار دینار تینس میں بھیجے تھے کہ اس کی ذات خاص کے واسطے ایک ہاتھ کپڑا کارخانۂ سلطانی کا بنا ہوا مل جائے چنانچہ کئی سال تک کارندے پڑے رہے، لیکن کپڑا خرید نہ کر سکے۔ تینس میں اس کام کے پیشہ ور مشہور ہیں، جو خاص قسم کے کپڑے بُنتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ کسی صناع نے بادشاہ مصر کے لیے ایک دستار تیار کی تھی، جس کا صلہ پانچسو دینار مغربی دیا گیا تھا۔ میں نے خود اس دستار کو دیکھا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ چار ہزار دینار مغربی اس کی قیمت ہے۔

شہر تنیس میں بوقلمون (زرّین دھوپ چھاں) بنا جاتا ہے۔ اور یہ وہ کپڑا ہے جس کی نظیر ساری دنیا میں اور کہیں نہیں ہے۔ یہ بوقلمون در اصل ایک زرّین لباس ہے جو دن میں رنگ بدلتا رہتا ہے اور مشرق و مغرب میں یہ کپڑا اسی شہر سے جاتا ہے۔

روایت ہے کہ قیصر روم نے ایک سفیر بھیج کر سلطان مصر سے استدعا کی تھی کہ شہر تنیس مجھ کو دے دیا جائے۔ اور ممالک روم کے سو شہر اس کے معاوضے میں لے لیے جائیں، لیکن سلطان مصر نے منظور نہیں کیا۔ اور اس تبادلہ سے قیصر کی یہ غرض تھی کہ بوقلموں و قصب حاصل ہو۔

دریائے نیل جب طغیانی پر آتا ہے تو حوالی تنیس سے کھاری پانی بہا لے جاتا ہے۔ اور شہر سے دس فرسنگ تک پانی میٹھا ہو جاتا ہے۔ تمام جزیرہ تنیس اور خاص شہر میں زمین دوز مستحکم حوض بنے ہوئے ہیں۔ جس کو اس شہر میں مصانع (جمع مصنع) کہتے ہیں۔ جب نیل چڑھاؤ پر آتا ہے اور شہر کے کھاری پانی کو بہالے جاتا ہے اس وقت یہ حوض بھرے جاتے ہیں۔ اور حوض بھرنے کی ترکیب یہ ہے کہ "نالیاں کھول دی جاتی ہیں اور دریا کا پانی حوضوں میں بھر جاتا ہے" چنانچہ تمام شہر میں انھیں حوضوں کا پانی خرچ ہوتا ہے۔ جو طغیانی نیل کے زمانے میں بھر لیے جاتے ہیں اور دوسرے سال تک ان ہی حوضوں سے پانی خرچ ہوتا رہتا ہے۔ اور جس کے پاس بمقدار کثیر ہوتا ہے وہ دوسروں کے ہاتھ بیچ بھی ڈالتا ہے۔ علاوہ بریں وقفی حوض بھی موجود ہیں، جن سے غربا مستفید ہوتے ہیں۔ شہر تنیس کی مردم شماری پچاس ہزار ہے۔ حوالی شہر (گھاٹ) میں ہمیشہ ایک ہزار کشتیاں موجود رہتی ہیں۔ یہ کشتیاں تجارتی اور سرکاری دونوں قسم کی ہیں بلکہ سرکاری زیادہ ہیں۔ اور جزیرہ میں کچھ نہیں پیدا ہوتا ہے۔ اور چونکہ شہر ایک جزیرہ ہے لہٰذا تمام کاروبار کشتیوں سے ہوتا ہے اور شہر میں احتیاطاً

مسلح فوج رہتی ہے، تاکہ فرنگ اور یونان کی سلطنتیں اس پر حملہ آور نہ ہو۔

میں نے معتبر لوگوں سے سنا ہے کہ روزانہ ایک ہزار دینار مغربی (کشتیوں کا محصول) مصری خزانہ میں داخل ہوتا ہے، یہ یومیہ محصول ہے جس کا وصول کنندہ (مہتمم) صرف ایک ہی شخص ہے جس کو شہر والے ادا کر دیتے ہیں۔ اور یہ مہتمم پوری رقم (بغیر کسی قسم کی کمی کے) تاریخ معینہ پر داخل خزانہ کرتا ہے۔ اور کسی شخص سے جبر یہ کچھ نہیں لیا جاتا ہے۔

قصب (مشروع) اور بوقلموں جو خاص سلطان کے واسطے تیار کیا جاتا ہے اس کی پوری قیمت دی جاتی ہے۔ جس کا یہ نتیجہ ہے کہ کاریگر دل سے سلطان کا کام کرتے ہیں۔ اور ملکوں کی طرح نہیں ہے کہ جہاں وزیر و بادشاہ کی طرف سے کاریگروں پر سختیاں ہوتی ہیں۔ اونٹوں کے عمارے کے پردے اور گھوڑوں کے زین کے نمدے بھی سلطان مصر کے لیے بوقلمون سے بُنے جاتے ہیں۔

میوہ اور اشیاء خوردنی (ہر قسم کے غلے) مصر کے دیہات سے آتے ہیں۔ البتہ لوہے کی چیزیں مثلاً مقراض و چاقو وغیرہ بنتے ہیں۔ میں نے مصر کے بازار میں یہاں کی بنی ہوئی ایک قینچی دیکھی، جس کا مول پانچ دینار مغربی تھا اس کی ساخت[1] اس قسم کی تھی، کہ جب کیل نکال لیتے تھے تو کھل جاتی تھی اور جب کیل جڑ دیتے تھے تو چلنے لگتی تھی۔ یہاں عورتوں کو ایک بیماری ہو جاتی ہے، کہ صرع والیوں (عارضہ مرگی) کی طرح دو تین بار چیخ کر بے ہوش ہو جاتی ہیں، پھر بعد میں ہوش آجاتا ہے۔ میں نے خراسان میں سنا تھا کہ ایک جزیرہ ہے جہاں کی عورتیں بلبلوں کی طرح چلاتی ہیں۔ اور یہ وہی شکل ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔

---

[1] عموماً قینچی کے دو پلڑے ہوتے ہیں اور ایک کیل سے جُڑے رہتے ہیں۔ لہٰذا مصری قینچی میں کوئی ندرت نہ تھی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ساخت خراسان کی قینچیوں کے خلاف ہوگی جب اس کو ناصر خسرو نے بنظر تعجب لکھا ہے۔

تینس سے قسطنطنیہ[147] کو بیس دن میں کشتی پہنچتی ہی، میں یہاں سے مصر کو روانہ
ہوا۔ جب ہم دریا کے کنارے پہنچے تو رود نیل میں کشتی بلندی پر جاتی تھی، نیل، بحر الروم کے
کے قریب پہنچ کر چند شاخوں میں پھیل جاتا ہی، اور اسی طرح سمندر میں گرتا ہی۔ میں
جس راستہ سے سفر کر رہا تھا اس دھار کا نام رومش یا ہرمس تھا اور کشتی بلندی
آب پر آرہی تھی الغرض میں سفر کرتا ہوا صالحیہ میں پہنچا۔

صالحیہ[148] یہ شہر اشیاء خوردنی اور مال و اسباب سے پٹا پڑا تھا، یہاں کشتیاں بکثرت بناتے ہیں۔ اور ہر کشتی میں دو سو خروار مال بھرا جاتا
ہو اور مصر کو لے جاتے ہیں، یہاں بقال خرید کر لیتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو کاروبار
میں سخت دقّت ہوتی، کیونکہ جانوران باربرداری کے ذریعہ سے مصر میں خوراک نہیں
پہنچ سکتی تھی۔ میں صالحیہ میں کشتی سے اترا اور رات ہی کو شہر میں چلا گیا۔

۔۷ ناصر خسرو کا قاہرہ میں داخلہ اور شوال ۴۴۱ھ تک قیام

یک شنبہ ساتویں صفر (ستمبر) ۴۳۹ھ اور ماہ یزدجردی کا پہلا دن ارمزد تھا) کو میں قاہرہ میں داخل ہو گیا تھا۔

شہر اور صوبہ مصر کا بیان

مصر کا جغرافیہ دریائے نیل جنوب و مغرب سے نکل کر مصر ہوتا ہوا
بحر الروم (بحر ابیض) میں گرتا ہی۔ اور نیل جب طغیانی پر آتا ہی تو دو مرتبہ چڑھاؤ[1]
پر آتا ہی۔ اور اس کی وہی کیفیت ہوتی ہی جو نہر جیحون[149] کی شہر ترمذ[150] میں۔
نیل ولایت نوبیا[151] سے گزر کر مصر میں آتا ہی (ولایت نوبیا کوہستانی

---

[1] اول مرتبہ جب نیل طغیانی پر آتا ہی تو اس کا پانی تین چار دن تک سبز رہتا ہی۔ اس کے بعد ہی پھر جوش پر آتا ہی۔ اب اس کا پانی خون کی طرح سرخ ہوتا ہی۔ یہ حالت تقریباً دس دن تک رہتی ہی۔ گویا پندرہ یوم کے اندر دو مرتبہ چڑھاؤ پر آتا ہی۔

ملک ہے، اور صحرائے نوبیا طے کرنے کے بعد مصر کا علاقہ آجاتا ہے۔ اور پہلا سرحدی شہر اُسوان ملتا ہے۔ یہ کل مسافت تین سو فرسنگ کی ہے۔ نیل کے کنارے تمام شہر اور ملک آباد ہیں۔ اور اس حصہ ملک کو صَعید الاعلیٰ[152] کہتے ہیں۔

اُسوان[153] (یا آبشارستان) پہنچ کر کشتی آگے نہیں بڑھتی کیونکہ پانی تنگ دروں سے نکل کر بہت تیزی سے بہتا ہے، اُسوان کی بلندی پر جانب جنوب نوبیا ہے، جس کا فرمانروا دوسرا ہے۔ نوبیا کے باشندوں کا چمڑا سیاہ ہوتا ہے، یعنی حبشی ہیں اور مذہباً عیسائی۔

سوداگر کوڑیاں کنگھیاں اور مرجان (مونگا) اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور نوبیا سے غلام خرید کر لاتے ہیں۔ مصر میں غلام عموماً حبشی ہوتے ہیں یا رومی۔ نوبیا کی پیداوار میں گندم اور ارزن[1] میری نظر سے گزرا دونوں کا رنگ سیاہ تھا۔

نیل کا منبع[154]

اس وقت تک دریائے نیل کا منبع فی الحقیقت دریافت نہیں ہوا ہے، اور میں نے سنا ہے کہ سلطان مصر نے تحقیق کی غرض سے ایک معتمد کو روانہ کیا تھا جو ایک سال تک نیل کے کنارے کنارے چلتا رہا اور منبع کی تحقیقات ہوتی رہی، لیکن کوئی شخص اس کی حقیقت کو دریافت نہ کرسکا، مگر ہاں یہ کہتے ہیں کہ دریائے نیل جبل القمر کے جنوب سے نکلتا ہے[2]۔

نیل کی طغیانی[155]

جب آفتاب برج سرطان میں داخل ہوتا ہے تو نیل میں طغیانی ہوتی ہے۔ اور موسم سرما کے مقابلہ میں (یہ زمانہ نیل کے سکون کا ہے) اس وقت پانی بیس ہاتھ اونچا ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ بڑھتا ہے[3]۔

---

[1] ارزن ایک قسم کا ادنیٰ درجہ کا غلہ ہے جس کو چینا کہتے ہیں اور جو کبوتروں کو دیا جاتا ہے۔

[2] دریائے نیل منبع سے مصب تک تقریباً ۶۵۰۰ کیلومیٹر ہے (رولن کی تاریخ مصر)

[3] یعنی طغیانی ایک دم سے نہیں ہوتی ہے بلکہ انچوں کے حساب سے پانی بڑھتا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ ۱۰ گز بلند ہوتا ہے۔ پیمائش بڑی احتیاط سے درج رجسٹر ہوتی ہے۔ علی پاشا مبارک نے تاریخ مصر میں صدیوں کی پیمائش درج کی ہے۔

شہر میں پانی کی پیمائش کے لیے پیمانے بنے ہوئے ہیں - اور نگرانی کے لیے ایک افسر مقرر ہے۔ جس کی ایک ہزار دینار تنخواہ ہے - چنانچہ یہ افسر دیکھتا رہتا ہے کہ پانی کس قدر بڑھا - اور جس دن طغیانی شروع ہوتی ہے، اسی دن سے منادی کراتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے دریائے نیل میں اس قدر طغیانی کر دی اور آج! اتنے انگل پانی بڑھ گیا اور جب یہ کسر بڑھ کر ایک گز ہو جاتی ہے اس وقت لوگ ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں - اور عام خوشی مناتے ہیں، یہاں تک کہ پانی اٹھارہ ہاتھ بلند ہوتا ہے اور یہ مقررہ پیمائش ہے، یعنی جب اس مقدار سے کم طغیانی ہوتی ہے تو باعث نقصان سمجھتے ہیں، صدقہ دیتے ہیں، منّت مانتے ہیں اور غمگین ہو جاتے ہیں - اور جب یہ مقدار بڑھ جاتی ہے تو جوش مسرت میں جلسے کرتے ہیں - اور جب تک یہ طغیانی اٹھارہ ہاتھ تک نہ پہنچے، سلطان مصر کو رعایا پر تشخیص مالگذاری کا حق نہیں ہے نیل سے بکثرت نہریں اطراف میں کاٹ کر لے گئے ہیں - اور پھر ان نہروں سے رجبے نکالے ہیں جس کے کنارے شہر و قصبات آباد ہیں - اور ان نہروں کے کنارے اس قدر (رہٹ) چلتے ہیں کہ جس کا شمار نہیں ہو سکتا -

مصر کے تمام مواضعات بلندی پر آباد ہیں (تاکہ غرق نہ ہوں) اور طغیانی کے وقت تمام ملک زیر آب ہوتا ہے - اور ایک موضع سے دوسرے موضع تک ڈونگی میں جاتے ہیں - اور مصر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک مٹی کے بند بنے ہوئے ہیں، جس کے اوپر سے آمد و رفت جاری ہے (یعنی دریائے نیل کے پہلو سے) -

سالانہ دس ہزار دینار مغربی خزانہ سلطانی سے ایک معتمد کے ہاتھ بھیجے جاتے ہیں - اور اس رقم سے نئے بند باندھے جاتے ہیں - ملکی باشندے ان چار مہینوں میں جب کہ مصر کی زمین تہ آب ہوتی ہے - اپنے ضروری کاموں سے

فارغ ہو لیتے ہیں۔ اور شہر و دیہات میں ہر شخص اس قدر روٹیاں پکا کر رکھ لیتا ہے کہ جو چار مہینے کے لیے کافی ہوں۔ اور یہ روٹیاں سکھا کر رکھتے ہیں کہ خراب نہ ہو جائیں۔

دریائے نیل کی طغیانی کا یہ اصول ہے کہ پہلے دن سے چالیس دن تک بڑھتا ہے۔ اور اٹھارہ ہاتھ بلند ہو کر ٹھیر جاتا ہے، پھر چالیس یوم تک ایک حالت پر رہتا ہے (یعنی نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے)۔ بعد ازاں چالیس دن تک آہستہ آہستہ گھٹا کرتا ہے۔ اور اس حالت پر آجاتا ہے جو موسم سرما میں ہوتی ہے (اصلی مقدار پر) جس قدر زمین برآمد ہو کر خشک ہوتی جاتی ہے کاشتکار اس کو دیکھ بھال کر کھیتی کرتے ہیں۔ مصر والوں کی خریف اور ربیع (موسم گرما و سرما کی زراعت) کی کاشت اسی اصول پر ہوتی ہے اور پھر ان کو دوسرے پانی کی حاجت نہیں ہوتی ہے شہر مصر (قاہرہ) دریائے نیل اور بحر الروم کے مابین آباد ہے۔

دریائے نیل جنوب سے نکل کر شمال کی طرف بہتا ہے۔ اور بحر الروم میں گرتا ہے۔ مصر سے اسکندریہ تک تیس فرسنگ کی مسافت سمجھی جاتی ہے۔ اسکندریہ[١٥٦] بحر الروم اور دریائے نیل کے کنارہ آباد ہے۔ اسکندریہ سے کشتیوں میں بافراط میوہ مصر کو جاتا ہے۔

اسکندریہ کا مینار[١٥٧] اور آئینہ حراقہ

اسکندریہ میں ایک منارہ ہے، جس کو میں نے خود دیکھا ہے اور اس وقت تک صحیح و سالم تھا، اس منارہ پر ایک آتشی شیشہ لگا ہوا تھا۔ جب قسطنطنیہ سے کوئی جہاز آتا اور آئینہ کے مقابل پہنچتا تو شیشہ سے آگ کے شعلے نکل کر جہاز کو جلا دیتے تھے۔ رومیوں نے بڑی جد و جہد اور فریب سے اپنے آدمی بھیج کر اس شیشہ کو توڑ دیا۔ حاکم بامر اللہ[١٥٨] فاطمی کے عہد حکومت میں ایک صناع نے حاضر ہو کر درخواست

کی تھی کہ "میں اس کو سابق کی طرح بنا دوں گا" حاکم بامراللہ نے جواب دیا کہ "مجھے اب اس کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ روم والے (یونانی) اب خود سالانہ خراج بھیجا کرتے ہیں۔ اور وہ رضامند ہیں کہ میری فوجیں علاقہ میں جائیں"

اسکندریہ میں برساتی پانی پیا جاتا ہے۔ اسکندریہ کے تمام جنگل میں وہ سنگی ستون بکھرے پڑے ہیں، جس کا میں اول بیان کر چکا ہوں۔ بحرالروم، قیروان[159] تک بہتا چلا گیا ہے۔ اور مصر سے قیروان تک ڈیڑھ سو فرسنگ کا فاصلہ ہے۔

قیروان ایک ولایت ہے جس کا سب سے بڑا شہر سلجماسہ[160] ہے۔ اور جس کے چار فرسنگ پر بحرالروم ہے۔

سلجماسہ و مہدیہ

سلجماسہ بڑا شہر ہے اور جنگل کے کنارے آباد ہے۔ جس کی فصیل مضبوط ہے، سلجماسہ کے پہلو میں شہر مہدیہ[161] ہے، یہ وہ شہر ہے جس کو امیرالمومنین حسین ابن علیؓ کی اولاد میں سے مہدی نے ملک مغرب اور اندلس فتح کرنے کے بعد آباد کیا تھا۔ مہدیہ آج کل سلطان مصر کے قبضہ میں ہے، یہاں برف گرتی ہے، مگر ٹھیرتی نہیں ہے (پگھل کر بہ جاتی ہے) بحرالروم اندلس سے دائیں ہاتھ پر جانب شمال پھر جاتا ہے۔ اندلس اور مصر میں ایک ہزار فرسنگ کا فاصلہ ہے۔ اور یہ کل اسلامی آبادی ہے۔

اُندلُس

اندلس (اسپین) ایک وسیع ولایت ہے، مگر کوہستانی علاقہ ہے۔ برف گر کر جم جاتی ہے۔ باشندے گورے چٹے ہیں، بال سرخ ہیں۔ اور کرنجی آنکھ والے زیادہ ہیں۔ جیسے صقلابیہ[162] کے باشندے ہوتے ہیں۔ اندلس بحرالروم کے نشیب میں ہے۔ اور آبادی سے بحرالروم جانب مشرق پڑتا ہے۔ جب اندلس سے دست راست پر شمال کی طرف چلیں تو سمندر کا کنارہ روم سے متصل ہو جاتا ہے۔ اندلس سے عزہ[163] اور روم تک بکثرت آمد و رفت جاری ہے

اور اگر چاہیں تو جہاز اور سمندری راستہ سے بھی قسطنطنیہ جا سکتے ہیں لیکن خلیج (سمندری شاخیں) بہت پڑتی ہیں، جن میں سے ہر ایک دو یا تین سو فرسنگ تک چلی گئی ہے۔ الغرض بغیر کشتی (جہاز) کے سفر نہیں ہو سکتا ہے۔ میں نے ثقہ لوگوں سے اکثر سنا ہے کہ بحرالروم کا دور چار ہزار فرسنگ ہے۔ اور ایک شاخ اس سمندر کی ظلمات میں ہے جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ یہ حصہ سمندر کا منجمد ہے، کیونکہ یہاں سورج کی روشنی نہیں پہنچتی ہے۔

جزیرہ صقلیہ ۱۶۴

منجملہ اُن جزائر کے جو اس سمندر میں ہیں، ایک جزیرہ صقلیہ (سسلی) بھی ہے۔ مصر سے صقلیہ تک بیسؔ دن میں کشتی پہنچتی ہے۔ علاوہ بریں اور بھی بہت سے جزیرے ہیں۔ کہتے ہیں صقلیہ کا رقبہ اسّی فرسنگ مربع ہے۔ اور سلطان مصر کی حکومت ہے، جہازوں کے ذریعہ ہر سال صقلیہ کا مال مصر میں آتا ہے۔ اور باریک کتاں کی تجارت ہوتی ہے جس کا ایک تھان مصر میں دس دینار مغربی (ساٹھ روپیہ) کو فروخت ہوتا ہے۔

شہر قلزم و بحر قلزم ۱۶۵

مصر سے جانب مشرق چل کر بحر قلزم میں پہنچتے ہیں اور قلزم سمندر کے کنارے ایک شہر ہے جو مصر سے تیس فرسنگ ہے۔ بحر قلزم ۱۶۶ دریائے محیط[1] کی ایک شاخ ہے، جو عدنؔ سے پھٹ کر شمال کی طرف جاتی ہے، اور قلزم میں جا کر پھر یہ شاخ مل کر الگ ہو جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ عرض اس خلیج کا دو سو فرسنگ ہے۔ دریائے قلزم اور مصر کے مابین ایسا پہاڑی اور جنگلی علاقہ ہے جس میں پانی اور گھاس تک نہیں ہے۔ جو شخص مصر سے

---

[1] بحرالکاہل (اٹلانٹک اوشن) بحر ظلمات (پاسفک اوشن) بحر ہند (انڈین اوشن) بحر منجمد شمالی ارکٹک اوشن) اور بحر منجمد جنوبی انٹارکٹک اوشن) کے مجموعہ کو متقدمین دریائے محیط کہتے تھے۔ اور ناصر خسرو دریائے محیط سے اس کی مشرقی شاخ بحر الہند، بحر فارس، اور مغربی شاخ جو بلاد بربر اندلس، افریقہ، مصر و شام تک گئی ہے مراد لیتا ہے۔

مکہ معظمہ کو جاتا ہی، اس کو جانب مشرق چلنا پڑے گا۔ قلزم پہنچ کر دو راستے ہو جاتے ہیں، ایک جانب خشکی، دوسرا جانب سمندر (بحر احمر) چنانچہ خشکی کے راستہ سے پندرہ دن میں مکہ معظمہ پہنچتے ہیں۔ یہ تین سو فرسنگ کا بیابان ہی۔ اور مصر کا قافلہ اکثر اسی راستہ سے جاتا ہی۔

جار ۱۶۷ء

اگر دریائی راستہ سے جائیں تو بیسؔ دن میں جار پہنچتے ہیں۔ اور جار ایک چھوٹا سا شہر ہی جو صوبہ حجاز میں بحر قلزم کے کنارے آباد ہی۔ جار سے مدینہ نبوی تک تین دن کا راستہ ہی۔ اور مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ سو فرسنگ ہی۔ اگر کوئی شخص جار سے ہوتا ہوا مسلسل بحر قلزم میں سفر کرتا چلا جائے تو ساحل یمن پر جا نکلے گا۔ اور پھر وہاں سے خلیج عدن پر، اگر اور آگے بڑھے تو ہندوستان پہنچ جائے گا، اسی طرح چین تک سفر کر سکتا ہی۔ اور اگر کوئی مسافر عدن سے جنوب کی طرف روانہ ہو۔ اور مغرب کو جانا چاہے تو زنجبار اور حبش تک جا سکتا ہی۔ جس کی تفصیل اپنی جگہ پر لکھوں گا۔ اور اگر مصر سے جنوب کی طرف جائیں اور براہ نوبیا سفر کریں، تو ولایت مصامدہ میں پہنچیں گے، یہ حصۂ ملک ایک عظیم الشان چراگاہ ہی، جس میں مواشی کی افراط ہی، اس علاقہ کے آدمی سیاہ چمڑہ ہڈی کے سخت اور ہاتھ پاؤں کے زبردست ہوتے ہیں۔ اور یہ مصری فوج میں بہ تعداد کثیر بھرتی ہیں۔ بڑے بدصورت اور چوڑے چکلے ہیں۔ اُن کو مصامدہ (افریقہ کے حبشی) کہتے ہیں، تلوار اور نیزہ سے پیادہ لڑتے ہیں۔ اور کسی اسلحہ سے نہیں لڑ سکتے ہیں۔

شہر قاہرہ کا بیان

فسطاط یا قاہرہ ۱۶۸ء

جب شام سے مصر جاتے ہیں تو پہلا شہر قاہرہ ملتا ہی،

ملک، کیونکہ مصر جنوب میں ہے اور اس کو قاہرہ معزیہ کہتے ہیں اور قدیم نام فسطاط ہے فسطاط کا ترجمہ (لشکرگاہ یا چھاؤنی ہے) اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ امیرالمومنین حسین بن علی صلوات اللہ علیہم اجمعین کی اولاد میں سے ایک شخص نے جس کا نام المعزلدین اللہ تھا (متوفی سنہ ۳۶۵ھ / ۹۷۵ء) ملک مغرب سے اندلس تک فتح کرلیا تھا اور مغرب سے براہِ نیل مصر پر فوج کشی کی تھی اور دریائے نیل کو کوئی شخص عبور نہیں کرسکتا ہے کیونکہ اوّل تو یہ دریا بہت بڑا ہے، دوسرے اس میں گھڑیالوں کی افراط ہے، جو جانور پانی میں گرتے ہیں یہ اس کو فوراً نگل جاتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ حوالیٔ شہر میں (گھاٹ پر) ایک طلسم بنایا ہے کہ یہ گھڑیال آدمی اور جانوروں کو نگل نہ جائیں۔ اور شہر سے ایک تیر کے فاصلہ پر پانی کے اندر بجز مقررہ گھاٹ کے کسی اور راستے سے کوئی شخص نہیں جاسکتا ہے۔

روایت ہے کہ المعزلدین اللہ نے اس مقام تک فوج بھیجی تھی جہاں آج شہر قاہرہ آباد ہے اور یہ ارشاد فرمایا تھا کہ "جب تم وہاں پہنچو گے تو ایک کالا کتا تم سے پہلے پانی میں کُود جائے گا۔ تم اس کے پیچھے چلے جانا، بلا کھٹکے پار اُتر جاؤ گے" بیان کیا جاتا ہے کہ تیس ہزار سوار یہاں پہنچے تھے جو سب خلیفہ کے غلام تھے۔ چنانچہ وہ کالا کتا فوج کے آگے ہولیا، اور فوج اس کے پیچھے پیچھے چلی اور دریا سے پار ہوگئی۔ اور کسی کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ کسی مورخ نے آج تک اس کا حوالہ نہیں دیا ہے کہ کوئی سوار رودنیل سے پار اترا ہو۔ یہ واقعہ ۳۶۲ھ / ۹۷۲ء کا ہے۔ خلیفہ خود براہ دریا کشتی پر آیا تھا۔ جن کشتیوں پر خلیفہ مصر میں آیا تھا، یہ کشتیاں قاہرہ پہنچ کر خالی کی گئیں اور پانی سے نکال کر خشکی پر ڈال دی گئی تھیں جس طرح عموماً چیزیں پھینک دی جاتی ہیں۔ اس قصہ کے راوی نے ان کشتیوں کو خود دیکھا تھا، جو شمار میں سات تھیں، ہر ایک کشتی طول میں ڈیڑھ سو

ہاتھ اور عرض میں ستر ہاتھ تھی۔ اور اسّی برس تک یہ کشتیاں اس جگہ پڑی رہیں اس قصہ کا راوی سنہ ۴۴۱ھ میں مصر میں داخل ہوا تھا۔

جس زمانہ میں المعزلدین اللہ مصر میں داخل ہوا ہے، اس وقت ملک مصر خلافت عباسیہ کے ماتحت تھا اور عباسی گورنر نے معز کی خدمت میں حاضر ہوکر اطاعت قبول کرلی تھی۔ اور معز مع اپنی فوج کے اس جگہ اترا تھا۔ جہاں آج قاہرہ آباد ہے۔ چنانچہ اس چھاؤنی کا نام قاہرہ رکھا گیا۔

قاہرہ کی ابتدائی آبادی

جب فوج کا قیام ہوگیا تب سختی سے یہ حکم نافذ ہوا کہ قدیم شہر میں ایک سپاہی بھی نہ جانے پائے، نہ کسی کے گھر میں ٹھیرے بلکہ اسی جنگل میں شہر آباد ہو۔ اور خدامِ دولت کو بھی حکم دیا کہ ہر ایک اپنے لیے ایک مکان و محل بنائے، چنانچہ ترقی کرکے یہ آبادی شہر کے درجہ پر پہنچ گئی جس کی نظیر نہیں ہوسکتی۔ میں نے اندازہ کیا کہ قاہرہ میں بیس ہزار دوکانوں سے کم نہ ہوں گی اور یہ سب شاہی ملکیت تھیں اور بکثرت ایسی دکانیں تھیں جن کا ماہواری کرایہ دس دینار مغربی ہے اور کوئی دُکان دو دینار سے کم کرایہ کی نہ تھی۔ سرائے، حمّام اور دیگر جائداد اس قدر ہے کہ جس کا شمار و قیاس نہیں، یہ سب شاہی ملکیت تھی۔ اور بجز سکونتی مکان کے (یا جو اس کا تعمیر کردہ ہو) کوئی شخص کسی جائداد کا مالک نہ تھا۔ میں نے سنا ہے کہ قاہرہ اور قدیم مصر میں آٹھ ہزار مکانات ہیں جو خلیفہ کی جانب سے کرایہ پر دیے جاتے ہیں۔ اور ماہوار کرایہ لیا جاتا ہے۔ اور باہمی رضامندی پر دُکانیں دی جاتی ہیں اور واپس لی جاتی ہیں اور کسی کے ساتھ جبری کارروائی نہیں کی جاتی۔ ایوان خلافت وسط قاہرہ میں ہے جس کے اطراف کھلے ہوئے ہیں۔ اور کوئی عمارت محل سرا کے قریب نہیں ہے۔

مہندسوں (سروے پارٹی) نے پیمائش کی تو یہ محلات شہر میافارقین

کے برابر تھے۔ محل کے چاروں طرف میدان ہے جس میں رات کو ایک ہزار آدمی پہرہ دیتے ہیں۔یعنی پانچ سو سوار اور پانچ سو پیادے، نماز مغرب کے وقت سے قرنا، ڈھول اور جھانجھ بجاتے ہیں اور محلات کے چاروں طرف صبح تک گشت لگاتے ہیں۔شہر کے باہر سے جب قصر خلافت کا نظارہ کریں تو وہ مثل ایک پہاڑ کے نظر آتا ہے۔کیونکہ اس میں بکثرت بلند عمارتیں ہیں، اورشہر کے اندر سے کچھ نظر نہیں آتا کیونکہ محل کی دیواریں اونچی ہیں۔

کہتے ہیں کہ محل میں بارہ ہزار تنخواہ دار ملازم ہیں اور عورتوں وکنیزوں کی تعداد کس کو معلوم ہوسکتی ہے؟ ہاں یہ کہتے ہیں کہ تیس ہزار آدمی قصر خلافت میں رہتے ہیں حرم شاہی بارہ محلات پر تقسیم ہے۔اور حرم کے دس دروازے ہیں جو سب سطح زمین پر ہیں۔اور زمین دوز دروازے اس کے علاوہ ہیں۔بیرونی دروازوں کے نام حسب ذیل ہیں:۔

باب الذہب۔ باب البحی۔ باب السریج۔ باب الزہومہ۔باب السلام باب الزرجیل، باب الفتوح، باب العید، باب الذلاقہ۔باب السریہ۔

زمین کے نیچے (سُرنگ) ایک دروازہ ہے جس میں سے خلیفہ سوار ہو کر نکلتا ہے۔شہر سے باہر ایک محل بنایا ہے جس کا راستہ سرنگ کے اندر سے ہے اور اس راستہ کی چھت بہت مضبوط بنائی ہے، حرم سرا سے محل تک اور محل کی دیواریں سب ایک ڈال پتھر کی ترشی ہوئی ہیں، جس کے اندر بلند ایوان اور خوبصورت مناظر ہیں، اور صحن کے اندر چبوترے بنائے ہیں۔تمام ارکان دولت اور خادم حبشی اور رومی ہیں۔وزیر ایسا شخص مقرر کیا جاتا ہے جو زہد، پارسائی، امانت، صداقت اور علم و فضل میں سب سے بڑھکر ہو۔عہد المعز لدین اللہ میں شراب نوشی کی رسم نہیں تھی اور کوئی خشک انگوروں کا بھی شربت (نبیذ) نہیں بناتا تھا کہ شبہ شراب کا شک کیا جائے اور کسی

کی طاقت نہیں ہی کہ شراب پیے۔ اور جو کی ہلکی شراب بھی نہیں پیتے ہیں۔ ان کا مقولہ ہی کہ یہ بھی متوالا کر دیتی ہی کیونکہ کھینچ کر دوسرے قالب میں آئی ہی اور کوئی عورت بھی گھر سے باہر نہیں نکلتی تھی۔

شہر قاہرہ کے تفصیلی حالات

قاہرہ کے پانچ دروازے ہیں۔ باب النصر، باب الفتوح، باب القنطرہ، باب الزویلہ، باب الخلیج۔

قاہرہ میں فصیل نہیں ہی، لیکن عمارتیں ایسی اونچی ہیں جو فصیل سے کہیں زیادہ مضبوط اور بلند ہیں، ہر مکان اور محل ایک قلعہ کا درجہ رکھتا ہی۔ اکثر عمارتیں پنج منزلہ اور چھ منزلہ ہیں۔ اور دیائے نیل کا پانی پیا جاتا ہی۔ بہشتی اونٹوں پر پانی لے جاتے ہیں، جو کنویں نیل سے قریب ہیں ان کا پانی میٹھا ہوتا ہی اور جو دور ہیں وہ کھاری ہیں۔ مصر و قاہرہ میں پچاس ہزار اونٹ ہیں، جو آب کشی کرتے ہیں۔ اور ان ہی کے ذریعہ سے بہشتی پانی لاتے ہیں۔ اور جو بہشتی خود پانی بھرتے ہیں (مشک اٹھاتے ہیں) وہ جداگانہ ہیں۔ ان تنگ گلیوں میں جہاں اونٹ نہیں جا سکتا ہی پیتل کے گگروں اور مشکوں میں پانی لے جاتے ہیں۔ شہر میں مکانوں کے اندر باغ اور چمن ہیں، جن کی آبپاشی کنووں سے ہوتی ہی۔ حرم شاہی میں ایسے باغ ہیں جن سے زیادہ خوبصورت نہیں ہو سکتے۔ رہٹ کے ذریعہ سے باغوں میں پانی دیا جاتا ہی۔ چھتوں پر بھی درخت لگاتے ہیں اور سیر گاہ (پارک) بناتے ہیں۔ جس زمانہ میں میرا قیام قاہرہ میں تھا، ایک مکان جو طول میں بیس گز اور عرض میں بارہ گز تھا ماہانہ پندرہ دینار مغربی پر کرایہ دیا گیا تھا۔ یہ چو منزلہ عمارت تھی۔ تین منزلیں کرایہ پر اٹھی ہوئی تھیں اور سب سے اوپر کا درجہ مالک مکان سے پانچ دینار مغربی (ماہوار) پر مانگا جاتا تھا، مگر اس نے نہیں دیا، اور کہا کہ شاید

مجھے خود کبھی قیام کی ضرورت ہو۔ چنانچہ ایک سال تک میں قاہرہ میں رہا۔ لیکن مالک مکان ایک دو مرتبہ بھی نہ آیا (کہ اس کمرہ پر ٹھیرتا) یہ مکانات پاکیزگی اور لطافت میں ایسے معلوم ہوتے تھے کہ گویا جواہرات سے بنائے گئے ہیں، اینٹ، پتھر، گارے کا کیا ذکر ہی۔ قاہرہ کا ہر مکان جداگانہ تعمیر ہوا ہی یعنی کسی غیر شخص کے دیوار پر نہ تو درخت ہی نہ عمارت (دو چر دیوار مراد ہی۔) جو شخص چاہتا ہی اپنا مکان توڑ کر نئی عمارت بناتا ہی اور ہمسایہ کو صدمہ نہیں پہنچتا۔ جب قاہرہ سے جانب مغرب چلیں تو ایک بڑی نہر ملتی ہی جس کو خلیج کہتے ہیں۔ یہ نہر خلیفہ کے باپ نے نکالی ہی اور اس نہر کے کنارے تین سو مواضعات خالصہ آباد ہیں یہ نہر مصر قدیم سے نکل کر قاہرہ میں آئی ہی، پھر قاہرہ سے گھوم کر قصر خلافت کے سامنے سے گزرتی ہی، نہر کے کنارے دو محل بنائے گئے ہیں جس میں سے ایک کو لولو (موتی محل) اور دوسرے کو جوہرہ (جوہر منزل) کہتے ہیں۔ قاہرہ میں چار جامع مسجد ہیں اور سب میں جمعہ کی نماز ہوتی ہی جس میں سے ایک کا نام جامع ازہر ہی، دوسری جامع التنور ہی، تیسری جامع حاکم بامر اللہ، چوتھی جامع معزلدین اللہ ہی۔ یہ جامع مسجد شہر کے باہر دریائے نیل کے کنارے ہی مصر سے جب قبلہ کی طرف رُخ کریں تو مطلع حمل (نام برج) سامنے پڑتا ہی۔ مصر قدیم (فسطاط) سے قاہرہ تک ایک میل سے بھی کم فاصلہ ہوگا۔ مصر جنوب میں ہی اور قاہرہ شمال میں، دریائے نیل مصر سے گزر کر قاہرہ میں پہنچتا ہی۔ دونوں شہروں کے باغ اور عمارتیں متصل ہیں، موسم گرما میں تمام دشت اور جنگل مثل دریا کے نظر آتا ہی۔ شاہی باغ کا بیرونی حصہ جو بلندی پر ہی وہ نہیں ڈوبتا باقی کل حصہ تہ آب ہو جاتا ہی۔

افتتاحِ خلیج کا بیان

افتتاح خلیج کے تفصیلی حالات اور شاہانہ جلوس کا نظارہ

دریائے نیل جب چڑھاؤ پر آتا ہی تو شہریور ماہ (ستمبر) کی دسویں سے ماہ آبان (نومبر) کی بیسویں تک پانی کی طغیانی اٹھارہ گز تک ہوتی ہی، (اس مقدار سے جو معمولاً موسم سرما میں ہوا کرتی ہی) اور اس وقت تک تمام ملک کی نہروں کے دہانے بند رہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ نہر جس کو خلیج کہتے ہیں۔ اور جو مصر قدیم کے سامنے سے شروع ہو کر قاہرہ تک جاتی ہی (یہ نہر شاہی ہی) اس کے افتتاح کے لیے خلیفہ محل سے سوار ہو کر آتا ہی اور نہر کا دروازہ کھولتا ہی۔ اس رسم کے بعد تمام ملک کی خلیجوں اور نہروں کا پانی کھول دیا جاتا ہی۔ یہ سب سے بڑے جشن کا دن ہی۔ اور اس تقریب کا نام "رکوب افتتاح الخلیج" (افتتاح خلیج کا جلوس) ہی۔

جب شاہانہ سواری کے نکلنے کا زمانہ قریب ہوتا ہی، تو نہر کے کنارے ایک نہایت ہی شاندار شامیانہ خلیفہ کے لیے کھڑا کیا جاتا ہی جو دیبائے رومی کا ہوتا ہی اور اس پر زردوزی کا کام بنایا جاتا ہی۔ اور جواہرات سے سجایا جاتا ہی (یعنی جہاں تک سامان آرائش بہم پہنچ سکتا ہی) اور ایک سو سوار اس شامیانہ کے سایہ میں کھڑے ہو سکتے ہیں۔ پھر اس وسیع راستہ کے سامنے بوقلمونی خیمہ لگا کر دوسری بارگاہ سجاتے ہیں۔

اصلی جلوس نکلنے سے تین دن پہلے اصطبل میں ڈھول، نقارے اور قرنا بجاتے ہیں، تاکہ گھوڑے ان باجوں کی آواز سے مانوس ہو جائیں (یہ نقلی جلوس ہی جس کو Rehearsal. کہتے ہیں)

یہ کالے اور گورے غلام تھے، جو خاص خدمت کی غرض سے خریدے گئے ہیں۔ یہ تیس ہزار ہیں۔ ایک فوج سرائیاں (گھر کے غلام) کی تھی یہ پیادے مختلف ممالک کے تھے۔ اور نگرانی کے لیے ان کا سپہ سالار بھی الگ تھا۔ یہ لوگ صرف اپنے ملک کے اسلحہ استعمال کرتے تھے، یہ دس ہزار تھے۔ ایک فوج کا نام زنوج (باشندگان زنج یعنی حبشی) تھا یہ صرف تلوار سے لڑتے تھے، یہ تیس ہزار تھے۔ اور یہ کل تنخواہ دار فوج تھی، جن کا مشاہرہ بلحاظ درجہ مقرر تھا اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک دینار کے لیے بھی کسی عامل یا رعایا کے نام دھایند تنخواہ کا حکم نامہ (چٹھی یا ہنڈی) جاری ہوا ہو۔ بلکہ والیان صوبہ سالانہ خراج داخل خزانہ کرتے تھے۔ اور خزانہ سے وقت معین پر تنخواہ تقسیم ہو جاتی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوئی سپاہی اپنی تنخواہ کے لیے زمیندار و رعایا کو نہیں ستاتا تھا۔

ان کے علاوہ دیگر ممالک کے شاہزادے اطراف عالم سے آکر جمع ہو گئے تھے۔ اور ان کا شمار سوار و پیادوں میں نہ تھا، یہ شاہزادے ملک یمن، مغرب، روم، صقلاب، نوبیا اور حبشہ کے تھے اور سلاطین دیالمہ کی بھی اولاد تھی۔ جن کی مائیں اس ملک میں آگئی تھیں۔ علاوہ بریں گرجستان، دیالمہ اور خاقان ترکستان کے شاہزادے بھی تھے۔ ان کے علاوہ بکثرت فاضل، ادیب، شاعر، فقیہ اور مختلف طبقات کے لوگ تھے، جن کا وظیفہ مقرر تھا۔ اور کسی شریف زادے کا وظیفہ پانسو دینار سے کم نہ تھا، بلکہ بعض دو ہزار دینار مغربی کے منصب دار تھے، ان منصب داروں کے کوئی کام سپرد نہ تھا، بجز اس کے کہ جس وقت وزیر اعظم کا دربار ہو تو یہ جا کر سلام کر آئیں، اور رخصت ہوں۔ جلوس کی تفصیل کے بعد اب پھر افتتاح خلیج کا حال لکھتا ہوں۔

جس صبح کو خلیفہ افتتاح خلیج کے لیے نکلتا ہے اس روز دس ہزار مزدور

جس دن خلیفہ کی سواری نکلتی ہی، دس ہزار گھوڑے جن کے زین اور طوق سنہرے اور باگ ڈوریں جڑاؤ ہوتی ہیں، اور زین کے نمدے دیبائے رومی اور بوقلمون کے ہوتے ہیں، یہ خاصکر ایک ہی انداز کے سرکاری کارخانہ میں تیار ہوتے ہیں جن میں نہ سلائی ہوتی ہی، نہ کسی جگہ جوڑ ہوتا ہی، اور حاشیہ پر خلیفہ کا نام کڑھا ہوا ہوتا ہی۔ ہر کوتل گھوڑے پر زرہ یا جوشن پڑا رہتا ہی۔ اور زین کے اُبھرے ہوئے حصّہ پر (سامنے کی طرف) خود رکھ دیتے ہیں۔ یا اسی قسم کے اور اسلحہ۔ اسی طرح اونٹ کجاؤن سے اور خچر عماریوں سے آراستہ اور زر و جواہر سے سجے ہوئے (اور جھولوں پر موتی ٹکے ہوئے) نکلتے ہیں، رسم افتتاح خلیج کی اگر تعریف کی جائے تو طوالت ہو گی۔

اس جلوس کے ہمراہ تمام شاہی لشکر ہوتا ہی۔ اور ہر فوج جداگانہ ہوتی ہی۔ اور ہر ایک کے پتے اور نام الگ الگ ہوتے ہیں۔ ایک فوج کو کتامیہ کہتے ہیں۔ یہ لوگ قیروان سے المعز لدین اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ یہ بیس ہزار سوار ہیں۔ اور دوسری فوج کا نام باطلیان ہی، یہ مغربی ہیں، جو خلیفہ مصر کی آمد سے پہلے مصر میں آ گئے تھے۔ یہ پندرہ ہزار سوار ہیں۔ اسی طرح پیادہ فوج مصامدہ کی تھی، یہ حبشی ملک مصمودیان کے باشندے تھے۔ یہ بھی بیس ہزار تھے۔ ایک فوج مشارقہ، (اہل مشرق)، کی تھی، یہ قوی الجثہ ترکی اور عجمی تھے۔ اور مشارقہ اس لیے کہلاتے ہیں کہ یہ عربی النسل نہیں ہیں۔ اگرچہ ان میں سے اکثر مصر میں پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن ان کا نام اصل لفظ (مشرق) سے مشتق ہی، یہ دس ہزار تھے۔ ایک فوج کا نام عبید الشرا، ہی۔ یہ زر خرید غلام تھے۔ جو تعداد میں تیس ہزار تھے۔ ایک گروہ نیزہ بردار بدویوں کا تھا، یہ حجازی باشندے ہیں۔ جو پچاس ہزار تھے۔ ایک جماعت کا نام اِستادان (کھڑے رہنے والے) ہی

اجرت پر مقرر کیے جاتے ہیں، جن میں سے ہر مزدور ایک ایک کوتل گھوڑے کو لے کر چلتا ہے۔ اور سو سو کی قطار ہوتی ہے اور آگے آگے نقارے، ڈھول اور شہنائی بجاتے جاتے ہیں۔ فوج کا ایک حصہ ان کے پیچھے ہوتا ہے اور حرم سرا سے دہانہ خلیج تک اسی طرح جلوس نکلتا ہے اور پھر واپس آتا ہے۔ ہر مزدور کو جو کوتل گھوڑے لے جاتے ہیں، تین درہم اُجرت دیتے ہیں۔ گھوڑوں کے پیچھے اونٹ چلتے ہیں جن پر جھولے اور ہنڈولے کسے ہوتے ہیں۔ اور ان کے بعد خچر ہوتے ہیں جن پر عماریاں ہوتی ہیں۔ چنانچہ فوجوں اور کوتل گھوڑوں کے جلوس کے بعد دور سے امیرالمومنین کی سواری نظر آتی ہے جو پورے قد کا ایک خوبصورت جوان ہے اور امیرالمومنین حسین بن علی بن ابی طالب صلوات اللہ علیہم کی اولاد سے ہے۔ سر کے بال منڈے ہوئے تھے اور خچر پر سوار تھا، جس کی زین اور لگام بالکل سادی تھی، یعنی طلائی نقرئی کام کچھ نہ تھا۔ تمام لباس سفید تھا۔ کمر میں ایک بڑا پٹکہ بندھا ہوا تھا، جیساکہ عرب کا دستور ہے اور جس کو فارس والے دُرّاعہ کہتے ہیں اس لباس کا نام دوبیقی (نرم اور نفیس حریر موضع دبیق کا بنا ہوا) ہے جس کی قیمت دس ہزار دینار ہے۔ اور اسی رنگ کا عمامہ بھی تھا۔ اور ایک بیش قیمت کوڑا ہاتھ میں تھا۔ اور خلیفہ کی سواری کے سامنے تین ہزار دیلمی پیادے تھے، جن کا لباس زربفت رومی کا تھا۔ کمریں کسی ہوئی تھیں اور آستینیں ڈھیلی تھیں جیساکہ مصر والوں کا دستور ہے۔ اور یہ سب پیادے چھوٹے چھوٹے نیزے اور تیر لیے ہوئے تھے۔ اور پائتابہ (آہنی کانٹے) چڑھائے ہوئے تھے۔ اور ایک چتر بردار گھوڑے پر سوار ہو کر خلیفہ کے ہمراہ چلتا ہے، جس کے سر پر مرصع زرین دستار ہوتی ہے اور لباس ایک ہی کپڑے کا ہوتا ہے جس کی قیمت دس ہزار دینار مغربی قرار دی جاتی ہے اور جو چتر اس خادم کے ہاتھ میں ہوتا ہے وہ

نہایت پرتکلف مرصع اور جڑاؤ ہوتا ہے اور بجز چتر بردار کے کوئی دوسرا سوار خلیفہ کے قریب نہیں ہوتا، خلیفہ کے آگے دیلمی ہوتے ہیں۔ اور دائیں بائیں خادم انگیٹھیاں لے کر چلتے ہیں جس میں عود وعنبر سلگتا جاتا ہے۔ امیر المومنین کی سواری جب سامنے سے گزرتی ہے تو ملکی دستور کے مطابق رعایا (قدیم مصری) سجدہ کرتی اور دعائیں دیتی تھی۔ اس کے بعد وزیر کی سواری آتی ہے۔ جس کے جلوس میں قاضی القضاۃ، ارباب علم اور ارکان سلطنت بہ تعداد کثیر ہوتے ہیں اور خلیفہ کی سواری مقررہ راستہ تک یعنی خلیج کے دہانہ پر جاکر ٹھیر جاتی ہے۔ اور سوار یہاں پہنچ کر کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ایک ساعت کے بعد خلیفہ کے ہاتھ میں ایک نوکدار برچھا دیا جاتا ہے کہ وہ بند پر ماریں۔ چنانچہ خلیفہ کا ہاتھ پڑتے ہی تماشائی تیزی کے ساتھ کدال اور زمین شگاف بیلچہ سے بند کو کاٹ دیتے ہیں۔ جو پانی اوپر چڑھ جاتا ہے وہ خود بخود زور کر کے نیچے گرتا ہے اور خلیج میں چلا جاتا ہے اس روز مصر قدیم اور قاہرہ کی تمام مخلوق افتتاح خلیج کا نظارہ دیکھنے آتی ہے۔ اور عجیب وغریب کھیل تماشے کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ خلیج میں جو سب سے پہلے کشتی ڈالی جاتی ہے وہ اخرسون (مفرد اخرس) کی ہوتی ہے۔ اور یہ لوگ گنگ دلال کہلاتے ہیں (گونگے بہرے مساکین) اور کشتیوں پر سوار کرائے جاتے ہیں۔ اور یہ کارروائی بطور تفاول (شگون) کے ہوتی ہے۔ اور خلیفہ ان لوگوں کو صدقہ دیتا ہے۔

اکیس[۲۱] کشتیاں شاہی ہیں، جو محل کے قریب ایک تالاب میں پڑی رہتی ہیں، جس کی وسعت دو تین میدانوں کے برابر ہے۔ ان میں سے ہر ایک کشتی کا طول پچاس گز اور عرض بیس[۲۰] گز ہے۔ اور کل کشتیاں طلائی نقرئی کام کی تھیں جن پر دیبا منڈھا ہوا اور جواہرات جڑے ہوئے تھے، اگر میں ان کی تعریف

کروں تو ایک دفتر ہو جائے۔ اکثر اوقات یہ کشتیاں تالاب میں اس ترتیب و سلیقہ سے رکھی جاتی ہیں، جیسے اصطبل میں خچر باندھے جاتے ہیں۔

شہر سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر بمقام عین الشمس ایک شاہی باغ ہے۔ اور یہاں ایک خوبصورت چشمہ بھی ہے اور باغ بھی اسی چشمہ سے موسوم ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ باغ فرعون کا تھا، اس باغ کے قریب میں نے ایک پرانی عمارت دیکھی جس میں چار بہت بڑے پتھر تھے جو مینار کی طرح قایم تھے اور ان کا ارتفاع تیس گز تھا۔ اور ان کے سروں سے پانی کی بوندیں ٹپکتی تھیں۔ اور کسی کو اس کا علم نہ تھا کہ یہ کیا ہے؟

شجر بلسان

باغ کے اندر بلسان کے درخت تھے۔ روایت ہے کہ خلیفہ کا باپ تخم بلسان مغرب سے لایا تھا۔ اور اس ملک میں بویا گیا۔ اور ملک مغرب کے سوا ساری دنیا میں یہ درخت کہیں نہیں پیدا ہوتا ہے اور اب تو ملک مغرب میں بھی اس کا پتہ نہیں ملتا۔ اگرچہ بلسان کا بیج ہوتا ہے مگر وہ ہر جگہ اگتا نہیں ہے اور اگر اگتا بھی ہے تو تیل نہیں نکلتا، بلسان کا درخت، آس (ملک عرب کا مشہور درخت ہے) کی طرح ہوتا ہے اور جب یہ جوانی پر آتا ہے تو تلوار سے شاخوں میں کچوکے لگا کر جا بجا شیشے باندھ دیے جاتے ہیں، اس طریقہ سے اس کا تیل گوند کی طرح شاخوں میں سے نکلتا ہے اور جب پورے طور پر تیل نکل آتا ہے تو درخت سوکھ جاتا ہے۔ اور باغ بان لکڑیاں لا کر شہر میں بیچ ڈالتے ہیں۔ چھال موٹی ہوتی ہے جس کو درخت سے چھیل کر کھاتے ہیں اور بادام کا ذائقہ ہوتا ہے، درخت کی جڑ سے دوسرے سال کلّے پھوٹ آتے ہیں اور بڑے ہونے پر اس کے ساتھ بھی مذکورہ بالا عمل جراحی کیا جاتا ہے۔

قاہرہ کے محلے

شہر قاہرہ میں دس محلے ہیں۔ اور محلہ کو یہاں حارہ[۱۷۳] کہتے

ہیں۔ ترتیب وار نام حسب ذیل ہیں۔ حارۃ برجوان، حارۃ زویلہ، حارۃ الجودریہ، حارۃ الامراء، حارۃ الدیالمہ، حارۃ الروم، حارۃ الباطلبہ، قصر الشوک، عبید الشرار حارۃ المصامدہ۔

قدیم شہر مصر کا بیان

جامع طولون

مصر (فسطاط) بلندی پر واقع ہے، شہر کے جانب مشرق پہاڑ ہے مگر اونچا نہیں ہے، بلکہ سنگین پشتہ کی طرح پتھروں کی سلیں ہیں۔ اور جامع طولون شہر کے کنارے بلندی پر ہے، جس کی دو دیواریں بہت مضبوط ہیں اور شہر آمد اور میا فارقین کے سوا میں نے ایسی خوبصورت دیوار کہیں نہیں دیکھی ہے۔ یہ مسجد کسی عباسی امیر کی تعمیر کردہ ہے جو مصر کا والی رہا ہے۔ حاکم بامر اللہ (متوفی ۴۱۱ھ سنہ ۱۰۲۰ع) کے زمانہ میں (جو موجودہ خلیفہ کا دادا تھا) ابن طولون کے لڑکے قاہرہ میں آئے تھے اور انھوں نے تیس ہزار دینار مغربی پر مسجد کا بیع نامہ کر دیا تھا اور کچھ دنوں کے بعد ان لڑکوں نے مسجد کا دوسرا منارہ گرانا شروع کیا۔ حاکم بامر اللہ نے ان سے کہلا بھیجا کہ یہ تو تم میرے ہاتھ بیع کر چکے ہو اب اسے کیوں گراتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے منارہ فروخت نہیں کیا ہے۔ چنانچہ پانچ ہزار دینار پر دوسرا منارہ بھی خرید لیا گیا۔ خلیفہ مصر رمضان المبارک میں اسی مسجد میں نماز پڑھتا ہے۔ اور ایام جمعہ میں بھی۔ شہر طغیانی کے خوف سے بلندی پر آباد کیا گیا ہے۔ کسی زمانہ میں یہاں بڑے اونچے پتھر تھے جن کو توڑ کر سطح کو ہموار کیا ہے۔ اب ایسے مقامات عقبہ (گھاٹی) کہلاتے ہیں۔ شہر مصر کو جب فاصلہ سے دیکھیں تو وہ ایک پہاڑ معلوم ہوتا ہے۔

مصر کے مکانات شہر کی بعض عمارتیں چودہ منزل کی ہیں اور کوئی سات منزل بھی ہے۔ میں نے ثقہ لوگوں سے سنا ہے کہ ایک شخص نے ست محلہ پر چمن لگایا تھا اور ایک بچھڑا کوٹھے پر لے جاکر پالا تھا، جب وہ جوان ہو گیا تو رہٹ کھینچتا تھا اور کنویں سے پانی نکالتا تھا۔ اس چھت پر نارنج، ترنج اور کیلے کے درخت لگائے تھے۔ اور یہ سب پھلتے تھے اور طرح طرح کے گلاب و نازبو (مروہ) کے پودے لگائے تھے۔

مصر کی گلیاں اور کوچے میں نے ایک معتبر سوداگر سے سُنا ہے کہ مصر میں متعدد مکانات ہیں، جن میں کرایہ کے لیے حجرے بنے ہوئے ہیں۔ اور پیمائش ان کی تیس تیس ہاتھ (۳۰×۳۰ = ۹۰۰) ہے جس میں تین سو پچاس آدمی رہ سکتے ہیں۔ مصر کے بعض بازاروں اور کوچوں میں دن رات قندیلیں روشن رہتی ہیں، کیونکہ ان گلیوں میں[۱] سورج کی روشنی نہیں آتی ہے۔ اور لوگوں کی آمد ورفت برابر جاری ہے۔

شہر مصر میں علاوہ قاہرہ کے سات جامع مسجدیں قریب قریب واقع ہیں اور دونوں شہروں میں پندرہ مسجدیں ہیں۔ جن میں جمعہ کے دن ہر جگہ نماز و خطبہ ہوتا ہے۔

باب الجوامع وسط بازار میں ایک مسجد ہے جس کو باب الجوامع کہتے ہیں۔ یہ حضرت عمرو بن عاصؓ کی تعمیر کردہ ہے، جب کہ آپ امیر معاویہ کی طرف سے مصر کے والی تھے۔ یہ مسجد سنگ مرمر کے چار سو[۲] ستونوں پر قایم ہے۔ اور جس دیوار پر صدر محراب ہے وہ کل سفید مرمر کی ہے اور پورا قرآن خوبصورت حروف میں ان دیواروں پر لکھا ہوا ہے۔ اور مسجد کے چاروں طرف بڑے بازار ہیں۔ اور مسجد کے دروازے بازار کی جانب ہیں جہاں قاری

[۱] بعض گلیاں دو دو فرلانگ طویل ہیں۔

اور مدرس درس دیا کرتے ہیں۔ اس بڑے شہر کی تفریح گاہ یہی مسجد ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا ہو کہ یہاں پانچ ہزار آدمیوں سے کم مجمع ہو۔ جن میں طلبہ، عرائض نویس (قبالہ اور دستاویزات لکھنے والے) وغیرہ ہوتے ہیں۔ حاکم بامراللہ نے فرزندان عمرو بن عاص سے یہ مسجد خرید کرلی ہے۔ کیونکہ ان لڑکوں نے حاکم سے کہا تھا کہ ہم محتاج اور فقیر ہو رہے ہیں، اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنے باپ کی مسجد کی اینٹ وپتھر کھود کر بیچ ڈالیں۔ چنانچہ حاکم بامراللہ نے ایک لاکھ دینار دے کر مسجد خرید لی اور مصر والوں کو گواہ کیا۔ بیع نامہ کے بعد عجیب وغریب عمارت کا اس مسجد میں اضافہ کیا گیا۔ منجملہ ان کے ایک چاندی کا فتیل سوز ایسا بنوایا جس میں سولہ پہل تھے۔ اور ہر پہلو ڈیڑھ ہاتھ کا تھا۔ چنانچہ کل محیط چوبیس ہاتھ تھا۔ جس میں کچھ اوپر سات سو چراغ مقدس راتوں میں روشن کیے جاتے تھے۔ اس فتیل سوز کا وزن پچیس[۲۵] قنطار نقرہ تھا۔ (ایک قنطار کا وزن سو رطل اور ایک رطل ۱۴۴ درہم نقرہ کا مانا گیا ہے) جب یہ فتیل سوز بن کر تیار ہوا تو مسجد کے کسی در میں نہیں سماتا تھا۔ تب مجبوراً ایک جدید دروازہ کھولا گیا اور اس کے اندر سے فتیل سوز کو مسجد میں لائے۔ اور پھر اس نئے دروازہ کو بند کر دیا۔ اس مسجد میں ہمیشہ تلے اوپر دس رنگین چٹائیاں بچھی رہتی ہیں۔ اور روزانہ شب کو سو سے زیادہ قندیلیں روشن کی جاتی ہیں، قاضی القضاۃ کا دفتر اسی مسجد میں ہے۔

سوق القنادیل

اس مسجد کے جانب شمال ایک بازار ہے، جس کو سوق القنادیل (قندیلوں کا بازار) کہتے ہیں، ایسا بازار کسی شہر میں نہ ہوگا، ساری خدائی کا نفیس اور قیمتی مال اس بازار میں ملتا ہے۔ میں نے اس بازار میں ہاتھی دانت کا بنا ہوا سامان دیکھا مثلاً صندوقچہ، کنگھی۔ اور چاقو وغیرہ۔ اور یہاں ایک قسم کا سخت بلور دیکھنے میں آیا جو ملک

مغرب سے آتا ہو اور جس کو نادرہ کا صناع تراش کر چیزیں بناتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ آج کل دریائے قلزم سے ایک قسم کا سخت بلور برآمد ہوا ہو، جو مغرب کے بلور سے بہت زیادہ لطیف اور شفاف ہو۔ میں نے ہاتھی کا ایک دانت دیکھا جس کا وزن کچھ اوپر سات من تھا۔ اور یہ ملک زنجبار سے آیا تھا۔ اور ایک چرسہ بیل کا دیکھا جو حبش سے آیا تھا۔ یہ تیندوے کی کھال سے مشابہ تھا۔ اس کے جوتے بنائے جاتے ہیں اور نیز ملک حبش سے پالتو مرغ لاتے ہیں جو قد میں بہت اونچا ہوتا ہو، اور جس کے پروں پر سفید نقطے ہوتے ہیں اور سر پر مور کی طرح کیس (کلغی) ہوتا ہو۔ مصر میں شہد اور شکر کی بھی افراط ہو۔ دَی (جنوری) کی تیسری تاریخ تھی اور ۴۱۶ھ ف تھا کہ میں نے حسب ذیل پھول اور میوے ایک ہی دن بازار میں دیکھے۔

مصر کے بازار میں میوے سبزی اور پھولوں کی افراط

سرخ گلاب، نیلوفر، نرگس، ترنج، نارنج لیموں مرکب، سیب، یاسمن، نازبو، بہی انار، امرود، خربوزہ، کچری، کیلہ، زیتون، تازہ ہڑ، خرمائے تر، انگور، گنا، بینگن، کدو، مولی، شلغم، کرم کلا، باقلہ، گگڑی، کھیرا، پیاز، لہسن، گاجر، چقندر۔ یہ خیال کرنے کی بات ہو کہ یہ سب میوے اور پھول مختلف موسم کے ہیں، یعنی کوئی خریف کے کوئی ربیع کے۔ بعض گرمی اور بعض جاڑے کے ہیں اور پھر ایک ہی فصل میں سب موجود ہیں، لوگ اس کو باور نہیں کریں گے، لیکن میری تحریر بلا غرض ہو، میں نے چشم دید واقعات لکھے ہیں اور جو سنی سنائی باتیں میں نے لکھی ہیں اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہو۔ اور یہ ظاہر ہو کہ مصر ایک عظیم الشان صوبہ ہو، جس میں سردسیر اور گرم سیر ہر قسم کی ہوائیں چلتی ہیں اور ہر حصہ ملک سے چیزیں

آتی ہیں، جو بازاروں میں فروخت ہوتی رہتی ہیں۔

ظروف گلی مصر میں ہر قسم کے مٹی کے برتن بنتے ہیں۔ اور وہ اس قدر لطیف اور شفاف ہوتے ہیں کہ اگر اس کے اوپر ہاتھ رکھو تو اندر عکس نظر آتا ہے۔ گلاس، بڑے پیالے اور رکابیاں وغیرہ بناتے ہیں۔ اور ان برتنوں پر ایسا لک (روغن) چڑھاتے ہیں جو دھوپ چھاں (بوقلمون) سے مشابہ ہوتا ہے۔ چنانچہ جس پہلو سے دیکھو نیا رنگ نظر آتا ہے۔ اور کانچ ایسا پاکیزہ اور شفاف بناتے ہیں کہ زبرجد معلوم ہوتا ہے۔ جس کو تول کر بیچتے ہیں۔

مصری سوت میں نے ایک معتبر بزاز سے سنا ہے کہ مصر میں باریک سوت جس کا وزن ایک درہم ہو، تین دینار مغربی کو بکتا ہے۔ (مساوی ۲½ دینار نیشاپوری) اور میں نے نیشاپور میں دریافت کیا تھا کہ اعلیٰ درجہ کے سوت کی کیا قیمت ہے تو جواب ملا تھا کہ جو سب سے بہتر ہو وہ بقدر ایک درہم (وزن میں) پانچ درہم کو بکتا ہے۔

وسائل آبرسانی شہر مصر طولاً دریائے نیل کے کنارے واقع ہے اور اکثر محلات و مناظر ایسے موقع پر ہیں کہ اگر چاہیں تو دریائے نیل کا پانی ڈور (رسی) سے بھر لیں۔ لیکن عموماً شہر میں بہشتی نیل سے پانی لاتے ہیں، کوئی اونٹ پر لاتا ہے، کوئی کاندھے پر۔ اور دمشق کے پیتل کے گگرے بھی دیکھے، جس میں پینتالیس سیر پانی آتا ہے۔ اور یہ بالکل سونے کے معلوم ہوتے ہیں۔ ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک کمھارن کے پاس پانچ ہزار گگرے ہیں، جو کرایہ پر چلاتی ہے۔ ادر فی گگرا ماہانہ کرایہ ایک درہم ہے، جب واپس کیا جائے تو شرط ہے کہ اصلی حالت پر ہو۔

جزیرہ مصر مصر کے سامنے مابین دریا ایک جزیرہ ہے، کسی وقت میں

یہاں شہر آباد کیا گیا تھا۔ یہ جزیرہ شہر کے مغربی جانب ہے، جس میں جمعہ مسجد اور باغات بھی ہیں۔ یہ جزیرہ حقیقت میں ایک چٹان پر ہے، جو نیل کے اندر ابھر آئی ہے۔ میں نے دریائے نیل کے ان دونوں شاخوں کا اندازہ کیا ہے، وہ وسعت میں جیحوں کے برابر ہوں گے۔ ان کی رفتار دھیمی (سُست) ہے۔ شہر اور جزیرہ کے درمیان چھتیس کشتیوں کا ایک پل باندھا گیا ہے۔

جیزہ[177]

اسی طرح دوسرا شہر بھی نیل کے کنارے ہے جس کو جیزہ کہتے ہیں۔ یہاں بھی جمعہ مسجد ہے مگر پُل نہیں ہے۔ گھاٹ اور کشتی سے عبور کرتے ہیں، بغداد اور بصرہ کے مقابلہ میں بڑی اور چھوٹی کشتیوں کی مصر میں افراط ہے۔

مصری تاجروں کی ایمانداری

مصر کے دوکاندار مال کی صحیح قیمت بیان کرتے ہیں۔ اگر کوئی دوکاندار خریدار سے جھوٹ بولے، تو اس کو اونٹ پر بٹھا کر ایک گھنٹہ ہاتھ میں دے دیتے ہیں اور وہ شہر میں گشت کرایا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ شخص گھنٹہ بجا کر بلند آواز سے کہتا جاتا ہے کہ "میں نے غلط نرخ بتایا تھا جس کی ملامت اٹھا رہا ہوں اور جو جھوٹ بولے گا اس کی سزا یہی ہے"۔ بقال، عطار، بساطی اور تمام دوکاندار خریدار کو سودا رکھنے کے لیے باردان دیتے ہیں۔ باردان سے کانچ یا مٹی کا برتن اور کاغذ (لفافہ) مراد ہے (یعنی ہر جنس کے حسب حال ظرف ہوتا ہے۔) خریدار کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ سودا رکھنے کے لیے ٹوکری یا زنبیل لیے پھریں۔

مصر کی پیداوار

مصر میں جلانے کا تیل شلجم اور مولی کے بیجوں سے نکالتے ہیں اور اس کو زیتِ حار (کڑوا تیل) کہتے ہیں۔ تلی (کنجد) کم پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے اس کا تیل نایاب ہے۔ روغن

زیتون سستا بکتا ہی۔ بادام سے پستہ کا نرخ ہمیشہ گراں رہتا ہی۔ اور پندرہ سیر مغز بادام کی قیمت ایک دینار سے زیادہ نہیں ہوتی ہی۔

کرایہ کے خچر

بازاری اور دوکاندار عموماً خچروں پر سوار ہو کر گھر سے بازار تک جاتے ہیں۔ جن پر زین کسا رہتا ہی۔ اور ہر سڑک و کوچہ میں زین کسے ہوئے خچر تیار ملتے ہیں، جس کا جی چاہے سوار ہو جائے۔ کرایہ بہت کم ہوتا ہی۔ کہتے ہیں کہ پچاس ہزار چوپایہ (خچر) زین کسے ہوئے کرایہ پر چلتے ہیں۔ گھوڑے فوجی سپاہیوں کے لیے مخصوص ہیں باقی اصحاب دوکاندار، دیہاتی، پیشہ ور اور رؤسا، (خچروں پر ہی سوار ہوتے ہیں) میں نے بکثرت سیاہ و سفید دھاریوں کے خچر دیکھے ہیں جو گھوڑے سے کہیں بہتر تھے۔

مصر کا تمول

میرے زمانہ سیاحت میں یہاں کے لوگ بہت دولت مند تھے۔ سنہ ۴۳۹ھ/۱۰۴۷ء میں (خلیفہ مستنصر باللہ) کے یہاں بیٹا پیدا ہوا حکم دیا گیا کہ تمام شہر اور بازار آراستہ کیے جائیں، اگر میں اس آرائش کی تعریف کروں تو بعض لوگوں کو یقین نہ آئے گا، بزازوں اور صرافوں وغیرہ کی دوکانیں زر و جواہر، نقد و جنس، زربفت اور قصب (مشروع) کے تھانوں سے اس طرح سجی ہوئی تھیں کہ بیٹھنے کے لیے جگہ باقی نہ تھی۔ رعایا خلیفہ کی جانب سے مطمئن ہی، کوئی شخص پولیس اور خفیہ نگاروں سے نہیں ڈرتا تھا، خلیفہ پر سب کو اعتماد ہی۔ کیونکہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا ہی۔ نہ کسی کے مال و دولت کا خواستگار ہی۔ میں نے مصر میں جس قدر تمول کی افراط دیکھی ہی۔ اگر اس کا بیان کروں تو میرے عجمی بھائی یقین نہ کریں گے مصریوں کی دولت مندی کا اندازہ میں نہیں کر سکتا ہوں۔ مصر کی جیسی آسایش میں نے کہیں نہیں دیکھی ہی۔ میں نے یہاں ایک عیسائی ساہوکار دیکھا جس کے پاس کشتیاں اور روپیہ کی اس قدر افراط تھی جس کا

اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ایک سال کا واقعہ ہے کہ دریائے نیل میں طغیانی نہ ہوئی اور غلّہ گراں ہو گیا۔ وزیر السلطنت نے اس ساہوکار کو طلب کر کے کہا کہ "یہ سال نہایت خراب ہے اور رعایا کی حالت دیکھ کر امیر المومنین بے چین ہو رہے ہیں لہٰذا بتاؤ کہ تم! نقدی یا اُدھار سے کس مقدار تک غلّہ دے سکتے ہو"؟ ساہوکار نے جواب دیا کہ "امیر المومنین اور حضور کے اقبال سے میرے پاس اس قدر غلّہ موجود ہے کہ چھ سال تک ملک کی خوراک کے لیے کافی ہوگا۔" اس وقت مصر کی مردم شماری اس قدر تھی کہ نیشاپور کی مجموعی آبادی بمشکل اس کے پانچویں حصّے کے برابر ہوگی۔ صاحب اندازہ سمجھ سکتا ہے کہ جس کے پاس اس قدر غلّہ ہوگا اس کے پاس زرِ نقد کس مقدار میں ہوگا؟ کیسی اچھّی رعایا ہے اور کیسا عادل سلطان ہے جس کا زمانہ ایسا پُر امن ہے کہ جس میں مال و دولت کی افراط ہے، نہ تو بادشاہ کسی پر ظلم کرتا ہے اور نہ رعیت اس سے کچھ مخفی رکھتی ہے۔

مصر کی کاروان سرائیں

یہاں میں نے ایک کارواں سرائے دیکھی جس کو دار الوزیر کہتے ہیں، یہ بزازہ ہے یہاں صرف قصب کے تھان فروخت ہوتے ہیں، اور نیچے کی منزل میں درزی بیٹھتے ہیں اور اس کے اوپر محرابی طاق (برج) ہیں۔ میں نے منتظم سرائے سے پوچھا کہ اس سرائے کی آمدنی کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ سالانہ بیس ہزار دینار مغربی وصول ہوتے تھے۔ لیکن آج کل اس سرائے کا ایک حصّہ شکستہ ہو گیا ہے جس کی مرمت ہو رہی ہے۔ لہٰذا ماہانہ آمدنی ایک ہزار دینار رہی۔ جس کا سالانہ بارہ ہزار ہوتا ہے مصر میں اگرچہ اس سے بڑی کوئی سرائے نہیں ہے، لیکن پھر بھی اس قسم کی دو سَو سرائیں (خان) موجود ہیں۔

دعوت ایوان الکبیر بزمانہ خلافت معد بن تمیم ملقب بہ مستنصر باللہ فاطمی سنہ ۴۴۰ھ

خلفائے فاطمین کا یہ دستور تھا کہ ہر سال عیدین کے موقعہ پر عام دعوت کرتے تھے۔ اور دربار عام میں خاص و عام طلب ہوتے تھے، چنانچہ خواص قصر خلافت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور عوام دوسرے مکانات میں ٹھیرائے جاتے ہیں۔ اس دعوت کے حالات میں بہت کچھ سُن چکا تھا، لیکن دلی خواہش تھی کہ میں اپنی آنکھ سے یہ سماں دیکھ لوں، دربار کے ایک کاتب سے میرے دوستانہ مراسم تھے، میں نے اس سے کہا کہ سلاطین عجم میں سلطان محمود غزنوی اور اس کے بیٹے سلطان مسعود کے دربار میں نے دیکھے ہیں، جو بڑی شان و شکوہ کے بادشاہ تھے۔ لیکن چاہتا ہوں کہ امیر المومنین کا دربار عید بھی دیکھ لوں۔ چنانچہ میرے اس دوست نے پردہ دار (صاحب الستریا ناظر قصر خلافت) سے سفارش کر دی۔

قصر خلافت اور دعوت عید

رمضان المبارک سنہ ۴۴۰ھ (سنہ ۱۰۴۹ء) کی آخیر تاریخ تھی کہ دربار سجایا گیا، کیونکہ صبح کو عید تھی۔ خلیفہ عید کی نماز پڑھ کر دربار میں آتا ہے اور کھانے پر بیٹھ جاتا ہے چنانچہ پردہ دار نے مجھے بھی قصر خلافت میں پہنچا دیا، صدر دروازے سے آگے بڑھ کر ایسی نشست نشین اور محلات دیکھے کہ اگر اس کا بیان کروں تو ایک کتاب بن جائے۔ بارہ ایوان مسلسل تھے اور ہر ایک مربع تھا۔ میں جس ایوان کے اندر داخل ہوتا تھا وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت نظر آتا تھا، اور ان

میں سے ہر ایک کا رقبہ سو ہاتھ مربع تھا۔

دیوان خاص اور منجملہ ان کے ایک ایوان ساٹھ ہاتھ مربع تھا، جس میں عرض کے مطابق ایک تخت بچھا ہوا تھا، یہ تخت چار گز اونچا تھا، جس کے تین رُخ بالکل طلائی تھے اور کناروں پر شکار گاہ اور میدان وغیرہ کی تصویریں کھنچی ہوئی تھیں اور خوبصورت حروف میں کتابت تھی۔ ہر قسم کے فرش جو ان محلات میں بچھے تھے وہ سب دیبائے رومی اور بوقلموں کے تھے۔ اور ہر کمرہ کی پیمائش کے مطابق کارخانہ میں تیار ہوئے تھے۔ اور طلائی کام کے جالدار تکیے ہر طرف لگے ہوئے تھے، جن کی تعریف نہیں ہو سکتی ہے۔ اور تخت کے پیچھے (جانب دیوار) چاندی کی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ اور دراصل تخت ایسا تھا کہ اگر پوری کتاب اس کی تعریف میں لکھی جائے تو بھی الفاظ کافی نہ ہوں۔

خوان نعمت روایت ہے کہ عام دعوت کے دن ایک ہزار آٹھ سو چھتیس من شکر صرف ہو جاتی ہے۔ میں نے ایک درخت دیکھا (جو درخت ترنج کے برابر تھا) جس کی تمام شاخیں اور پتیاں اور پھل شکر سے بنائے گئے تھے۔ علاوہ بریں درختوں کی شاخوں میں ایک ہزار تصویریں آویزاں تھیں[1] جو سب شکر کی تھیں۔ باورچی خانہ محل سے باہر ہے۔ پچاس غلام ہمیشہ باورچی خانہ میں حاضر رہتے ہیں اور محل سے باورچی خانہ تک ایک سرنگ ہے (جس کے اندر ہو کر کھانا جاتا ہے)

آبدار خانہ باورچی خانہ کا انتظام اس طریقہ پر تھا کہ ہر روز چودہ اونٹ برف سے لدے ہوئے آبدار خانہ میں آتے تھے، پھر یہاں

---

[1] یہ پرندوں کی تصویریں ہوں گی جس کی تصدیق لفظ تمثال سے ہو جاتی ہے۔

سے اکثر امرا اور خاص خاص لوگوں کو روزانہ تقسیم ہوتا تھا۔ اور اگر باشندگانِ شہر بیماروں کے لیے مانگیں تو ان کو بھی دے دیا جاتا تھا۔ اور اسی طرح ہر قسم کے شربت اور دوائیں جو لوگوں کو مطلوب ہوتیں، وہ قصرِ خلافت سے مانگتے تھے۔ اور دی جاتی تھیں۔ یہی حال روغنِ بلساں وغیرہ کا تھا۔ چنانچہ بقدر ضرورت جملہ اشیائے مذکورہ بلا تامل تقسیم ہوتی تھیں۔

سیرت امیر المومنین مستنصر باللہ فاطمی

باشندگانِ مصر میں امن و اطمینان کا یہ عالم تھا کہ بزاز، صراف اور جوہری اپنی دوکانوں کے دروازے بند نہ کرتے تھے۔ بلکہ ایک جال دوکان پر تان دیتے تھے اور کسی کی یہ طاقت نہ تھی کہ تصرف کر سکے۔ ایک دولت مند یہودی جوہری خلیفہ کا مقرب خاص تھا۔ اور خریداری جواہرات میں اس کا بڑا اعتبار تھا، ایک دن فوج والوں نے دست درازی کر کے اس یہودی کو مار ڈالا۔ لیکن ارتکاب جرم کے بعد سیاست سلطانی سے ڈر کر بیس ہزار سوار ایک میدان میں آکر جمع ہوئے۔ اور ایک حصہ فوج کا جنگل میں منتشر ہو گیا، یہ حالت دیکھ کر رعایا خوف زدہ ہو گئی، اور یہ لشکری دوپہر تک میدان میں ڈٹے رہے چنانچہ ایک خادم محل سے نکل کر دروازہ پر کھڑا ہوا اور سواروں سے مخاطب ہو کر کہا کہ "امیر المومنیں دریافت فرماتے ہیں کہ تم مطیع ہو یا باغی؟" سب یک بارگی چیخ اٹھے کہ "ہم غلام و فرماں بردار ہیں، لیکن ہم سے ایک قصور ہو گیا ہے" یہ جواب سن کر خادم نے اعلان کیا کہ "امیر المومنین کا ارشاد ہے کہ تم اپنی بارکون میں واپس جاؤ" چنانچہ سب اسی وقت چلے گئے۔ اس یہودی کا نام ابوسعید تھا، اس کا ایک بیٹا اور بھائی بھی تھا۔ لوگوں کا بیان

ہے کہ اس یہودی کے مال کا اندازہ صرف خدا ہی کو ہے۔ اس کے محل کی چھت پر تین سو نقرئی گملے رکھے ہوئے تھے اور ہر گملہ میں درخت تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ گویا باغ لگا ہوا ہے۔ اور تمام پودے پھلوں سے جھوم رہے تھے۔ ابوسعید کے بھائی نے خلیفہ کی خدمت میں ایک عرضداشت بھیجی کہ میں اس وقت دو لاکھ دینار مغربی داخل خزانہ کرتا ہوں، کیونکہ برادر مرحوم کے قتل سے ہم لوگ خوف زدہ ہو رہے ہیں۔ خلیفہ نے وہ عرضی باہر بھیج دی اور مجمع عام میں چاک کر ڈالی گئی۔ اور کہلا بھیجا کہ تم مطمئن رہو اور گھر کو واپس جاؤ، اب کسی کو نہ تم سے سروکار ہے اور نہ کوئی تمھارے مال و دولت کا محتاج ہے اور اس خاندان کی دلجوئی کی۔

محکمہ اوقاف

ملک شام سے قیروان تک میں نے سفر کیا ہے، ہر ہر گانو اور قریہ میں جس قدر مساجد ہیں ان کے مصارف وکیل خلیفہ ادا کرتا ہے۔ اس صرفہ میں چراغ کا تیل، چٹائی، بوریہ، مصلے، مہتمم فراش، موذنوں کی تنخواہ اور وظائف داخل ہیں۔

ایک سال کا واقعہ ہے والیِ شام نے عرضی بھیجی کہ " روغن زیتون امسال کم ہے، اگر فرمان عالی صادر ہو تو مساجد کے لیے کڑوا تیل (جو مولی اور شلجم کے بیجوں سے نکالا جاتا ہے) دیا جائے "۔ اس پر حکم ہوا کہ تم صرف حکم کی تعمیل کرنے والے ہو وزیر نہیں ہو۔ (یعنی رائے دینے کے مجاز نہیں ہو) جس شی کا تعلق خانۂ خدا سے ہے اس میں تبدیلی جائز نہیں ہے۔ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا مشاہرہ دو ہزار دینار مغربی تھا اور اسی پڑتہ سے ماتحت قاضیوں کی تنخواہیں مقرر تھیں تاکہ یہ رعایا سے نہ تو رشوت لیں نہ کسی پر ظلم ہو۔

اعلانِ حج اور قافلوں کی روانگی

یہ بھی دستور تھا کہ وسط رجب میں فرمان خلافت تمام مساجد میں سنایا جاتا تھا کہ مسلمانو! حج کا زمانہ آرہا ہے

اور حسب معمول امیر المومنین کی جانب سے فوج، گھوڑے، اونٹ اور زادِ راہ مہیا ہے۔ اور اسی قسم کے دوسری منادی رمضان المبارک میں ہوتی تھی اور آغاز ذیقعدہ سے قافلے ایک مقررہ پڑاؤ (فرودگاہ) پر جمع ہونے شروع ہوتے تھے۔ اور پندرھویں ذیقعدہ کو روانہ ہو جاتے تھے۔ اور اس لشکر کا روزانہ صرفۂ خوراک ایک ہزار دینار مغربی تھا (باستثنائے مواجب جیب خرچ) جو ہر حاجی کو بہ حساب بیس[20] دینار دیا جاتا ہے۔ یہ قافلے پچیس یوم میں مکہ معظمہ پہنچتے تھے اور قیام دس دن ہوتا تھا۔ اور پھر پچیس[25] یوم میں واپس آتے تھے، اس حساب سے ساٹھ[60] یوم میں ساٹھ ہزار دینار مغربی ان کی خوراک کا صرفہ ہوتا تھا۔ اور صلے، انعامات، مشاہرات جداگانہ تھے، اور جو اونٹ کہ راستہ میں مرجاتے تھے ان کی قیمت بھی اس میں شامل نہیں ہے۔ الغرض سنہ ۴۳۹ھ / ۱۰۴۸ء میں لوگوں کو ایک فرمان سلطانی سنایا گیا کہ "امیر المومنین حکم دیتے ہیں کہ امسال حجاج کا سفر کرنا مصلحت کے خلاف ہے کیونکہ حجاز میں قحط ہے اور مخلوق مر رہی ہے اور میرا یہ حکم اسلامی ہمدردی کی بنا پر ہے"۔ چنانچہ حاجی رک گئے

۸۔ ناصر خسرو کی قاہرہ سے مکہ معظمہ کو روانگی

خلیفہ دستور کے مطابق سال میں دو مرتبہ غلافِ کعبہ روانہ کیا کرتا تھا اور چونکہ امسال محمل براہِ قلزم روانہ ہوا تھا۔ لہٰذا میں بھی اس قافلہ کے ہمراہ روانہ ہوا اور غرہ ذی قعدہ کو مصر سے چل کر ساتویں تاریخ کو شہر قلزم میں آیا اور یہاں سے جہاز پر سوار ہو گیا۔ اور پندرھویں دن شہر جار میں داخل ہوا۔ آج ذیقعدہ کی بائیسویں[22] تاریخ تھی، اور جار سے چار دن میں مدینہ رسول اللہ صلعم میں پہنچا۔

ناصر خسرو مدینہ میں

مدینہ طیبہ[179] ایک صحرا کے کنارے آباد ہے، شہر کی

زمین مرطوب اور شورہ زار ہی، چشمہ کا پانی ہی، مگر کمی کے ساتھ، اور کھجوروں کے باغات ہیں، یہاں قبلہ جنوب کی طرف واقع ہی۔

مسجد نبوی وسعت میں مسجد الحرام کے برابر ہی، اور رسول مقبول کا حظیرہ منبر مسجد کے پہلو میں ہی، یعنی جب قبلہ کی طرف منہ کرکے کھڑے ہوں تو بائیں جانب پڑتا ہی، چنانچہ جس وقت خطیب منبر پر کھڑا ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ذکر خیر کرکے درود پڑھتا ہی، تو (دائیں ہاتھ کی طرف) روضہ اطہر کی جانب اشارہ کرتا جاتا ہی، حظیرہ نبوی مخمس (پنج گوشہ) ہی۔ اور دیوارین ستون مسجد کے درمیان سے اٹھائی ہیں اور پانچ ستون ہیں۔ اس مکان کی چھت مثل حظیرہ کے ایک تکیہ نما دیوار سے گھیر دی ہی تاکہ اس پر کوئی چڑھ نہ سکے۔ اور چھت پر ایک جال لگا دیا ہی کہ چڑیاں بھی نہ جا سکیں۔ اور منبر و مقبرہ کے درمیان بھی ایک سنگِ مرمر کا ایک حظیرہ ہی، یہ ایک نیچی عمارت ہی جس کو روضہ کہتے ہیں۔

روایت ہی کہ یہ باغ، باغہائے بہشت سے ہی، رسول مقبول ارشاد فرماتے ہیں کہ "بین قبری و منبری روضۃٌ من ریاضۃ الجنۃ" اور شیعوں کا قول ہی کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا مزار اسی جگہ ہی۔ اور مسجد کا ایک دروازہ شہر کے باہر جنوبی (شمالی) رخ پر ہی۔ اس کے بعد جنگل اور قبرستان ہی، جس میں امیر المومنین حضرت حمزہ بن عبد المطلب کا مزار ہی اور اس جگہ کو قبور الشہدأ کہتے ہیں۔ چونکہ حج کا زمانہ قریب تھا لہٰذا میں دو دن کے قیام کے بعد مدینہ طیبہ سے روانہ ہو گیا، سڑک مشرق کو جاتی تھی۔ مدینہ سے دو منزل پر ایک پہاڑ ہی اور اس میں ایک گھاٹی مثل درہ کے ہی جس کو جحفہ کہتے ہیں۔ اور یہ مقام مغرب و شام اور مصر کا میقات ہی، اور میقات اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے حاجی

احرام باندھتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک سال یہاں حاجیوں کا بڑا قافلہ پڑا ہوا تھا کہ یکایک سیلاب آگیا اور اہل قافلہ ہلاک ہو گئے۔ اور یہی وجہ تسمیہ جحفہ کی ہے، مکہ اور مدینہ میں سو فرسنگ کا فاصلہ ہے، مگر پہاڑی راستہ ہے میں آٹھ دن میں پہنچا تھا۔

ناصر خسرو کا دوسرا حج سنہ ۴۳۹ھ

یک شنبہ کے دن چھٹی ذالحجہ کو میں مکہ معظمہ میں داخل ہوا اور **باب الصفا** میں اُترا، اس سال مکہ میں قحط تھا، اور ایک دینار نیشا پوری میں چھ سیر روٹی فروخت ہوتی تھی، مجاور مکہ سے چلے گئے تھے اور کسی ملک کا قافلہ نہیں آیا تھا۔ بدھ کے دن خدا کے فضل سے ہم نے **عرفات**[۱۸] میں حج کیا، اور دو روز مکہ معظمہ میں ٹھیرے، بہت سے لوگ بھوک اور محتاجی کی بدولت حجاز سے باہر چلے گئے تھے، میں اس مرتبہ بھی حج اور مکہ کے حالات بیان نہ کروں گا آیندہ جب مکہ معظمہ میں چھ مہینے قیام ہوگا اس وقت جو کچھ دیکھوں گا اس کو تفصیل سے بیان کروں گا۔

مکہ معظمہ سے میں مصر کو روانہ ہوا اور پچھتر[۷۵] یوم میں داخل مصر ہوا۔ اس سال پینتیس[۳۵] ہزار آدمی حجاز سے مصر میں آئے تھے، خلیفہ نے سب کو جوڑے پہنائے اور پورے ایک سال تک سب کو وظیفہ دیا، کیونکہ یہ لوگ ننگے اور بھوکے تھے، یہاں تک کہ باران رحمت کا نزول ہوا اور ملک حجاز میں کھانے پینے کی افراط ہو گئی، اس وقت خلیفہ نے ان سب کو پوشاک اور انعام دے کر حجاز کو رخصت کر دیا۔

رجب سنہ ۴۴۰ھ (دسمبر سنہ ۱۰۴۸ء) میں دوسری مرتبہ فرمان خلافت سنایا گیا کہ حجاز میں قحط ہے اور حجاز کا جانا خلاف مصلحت ہے حاجی اپنے حال پر

رحم کر کے ارشاد خداوندی کی تعمیل کریں، چنانچہ امسال بھی حاجی نہیں گئے. لیکن خلیفہ کی طرف سے ارسال غلاف کعبہ اور امیر مکہ اور مدینہ اور مجاور و خدام کے لیے جو سالانہ وظیفہ حجاز کو جاتا تھا اس میں کمی اور رکاوٹ نہیں کی گئی۔ اور امیر مکہ کا تین ہزار دینار مشاہرہ اسپ و خلعت کے علاوہ سال میں دو مرتبہ بھیجا جاتا تھا چنانچہ امسال یہ وظیفہ قاضی عبداللہ (قاضی شام) کی معرفت روانہ کیا گیا، اور میں بھی قاضی صاحب کے ہمراہ براہ قلزم روانہ ہوا۔ اس مرتبہ پچیسویں[۲۵] ذیقعدہ کو جہاز جار میں پہنچا۔ حج کا زمانہ بہت ہی قریب آگیا تھا لہٰذا پانچ دینار پر ایک اونٹ کرایہ پر کر کے فوراً ہی روانہ ہوگیا۔

ناصر خسرو کا تیسرا حج ۴۴۰ھ

آٹھویں ذی الحجہ کو مکہ معظمہ پہنچ کر بہ توفیق خداوند عالم حج کیا، امسال ملک مغرب سے بہت بڑا قافلہ آیا تھا، واپسی کے وقت مدینہ طیبہ میں مغربیوں نے عربوں سے بدرقہ (راہ نما) مانگا، چنانچہ حج سے واپسی کے وقت دونوں میں جنگ ہوئی اور دو ہزار سے زیادہ مغربی قتل ہوئے اور اکثر حاجی مغرب کو واپس نہیں گئے۔

اعراب کی وحشیانہ خدمت

اسی سال خراسان کے بعض حاجی شام اور مصر کے راستے سے جہاز پر سوار ہو کر مدینہ پہنچے، ذی الحجہ کی چھٹی تاریخ تھی اور اس قافلہ کو عرفات تک ایک سو چار[۱۰۴] فرسنگ طے کرنا تھے، چنانچہ ان حاجیوں نے کہا کہ اگر تین یوم کے اندر کوئی ہم کو مکہ معظمہ پہنچا دے اور حج نصیب ہو جائے تو فی کس چالیس دینار کے حساب سے معاوضہ ادا کریں گے۔ چنانچہ بدویوں نے ڈھائی دن میں عرفات پہنچا کر دینار وصول کر لیے، مگر مدینہ سے عرفات تک اس طرح لائے کہ تیز رفتا

اونٹوں پر ایک ایک حاجی کو باندھ کر ڈال دیا تھا، چنانچہ ان میں سے دو حاجی تو اونٹوں ہی پر مر گئے۔ چار زندہ تھے، لیکن وہ بھی نیم مردہ، عصر کا وقت تھا کہ یہ لوگ ہمارے پاس پہنچے، مگر اس حالت میں کہ نہ کھڑے ہو سکتے تھے اور نہ بات ہی کر سکتے تھے، ان کا بیان تھا کہ ہم نے راستہ میں ان بدویوں سے بہ منت کہا کہ زر کرایہ تمھارا ہو چکا، ہم کو چھوڑ دو کہ طاقت جواب دے چکی ہے، مگر انھوں نے ایک نہ سنی اور اسی طرح لے کر آئے۔ الغرض وہ چار خراسانی حج کر کے شام کے راستہ سے واپس ہوئے، اور میں بھی حج سے فارغ ہو کر مصر کو روانہ ہو گیا، کیونکہ میری کتابیں وہاں رہ گئی تھیں، اور واپسی کا ارادہ نہ تھا۔

ناصر خسرو کی سیاحت کا پانچواں سال سنہ ۴۴۱ھ

اسی سال امیر مدینہ مصر میں آیا تھا اور خلیفہ کی جانب سے اس کا سالانہ وظیفہ مقرر تھا، کیونکہ یہ امیر، امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے تھا چنانچہ میں بھی امیر مذکور کے ہمراہ جہاز میں شہر قلزم تک آیا، اور یہاں سے امیر کی معیت میں مصر تک گیا۔

والی حلب کی بغاوت

سنہ ۴۴۲ھ کا واقعہ ہے کہ جب میں مصر میں تھا یہ خبر آئی کہ حلب کا والی خلیفہ سے باغی ہو گیا ہے۔ یہ خلیفہ کا ملازم تھا اور اس کا باپ شاہان حلب میں سے تھا، امیر المومنین کا یہ ایک غلام تھا جس کو عمدۃ الدولہ کہتے تھے، یہ غلام مطالبان کا سردار بھی تھا اور بہت دولت مند، اور مطالبی ان لوگوں کو کہتے ہیں جو مصر کے پہاڑوں میں خزانہ اور دفینہ ڈھونڈا کرتے ہیں، یہ لوگ اطرافِ مغرب دیارِ مصر اور شام سے آیا کرتے ہیں اور مصر کے پہاڑ اور پتھروں میں تکلیف اٹھاتے ہیں اور کھدائی میں مال خرچ کرتے ہیں، چنانچہ کامیاب ہوتے ہیں۔ اور بہتروں کا زر کثیر صرف

ہو جاتا ہے، اور کچھ بھی نہیں ملتا ہے۔ (کہتے ہیں کہ اس علاقے میں فرعون کے خزانے مدفون ہیں) اور جب کسی کو خزانہ مل جاتا ہے تو اس کا پانچواں حصہ حکومت کے نذر کرتا ہے، اور باقی خود لے لیتا ہے۔ الغرض خلیفہ نے اس غلام کو بڑی شان و شوکت سے حلب بھیجا اور اس کو بارگاہ و خیمہ وغیرہ (جو لوازمۂ ملوک سے ہے) مرحمت فرمایا، چنانچہ یہ غلام حلب پہنچ کر معرکہ آرا ہوا اور مارا گیا۔ یہ غلام اس قدر دولتمند تھا کہ دو مہینے تک آہستہ آہستہ اس کا خزانہ منتقل ہو کر خزانہ شاہی میں آتا رہا، اور اس کے حرم سرا میں تین سو کنیزیں تھیں، جن میں اکثر حسینہ جمیلہ تھیں۔ اور بعض ان میں سے معتمد الدولہ کے شبستان عیش کے لیے مخصوص تھیں۔ خلیفہ نے ان کنیزوں کو مختار کر دیا تھا کہ جو چاہیں اپنا نکاح کر لیں، چنانچہ جن خاص کنیزوں نے نکاح منظور نہیں کیا، ان کو مع ان کے مال و اسباب کے آزاد کر دیا کہ وہ اپنے گھروں میں رہیں۔ اور ان میں سے کسی کی نسبت نہ کوئی خاص حکم ہوا، نہ کسی قسم کا جبر کیا گیا۔ اس غلام کے قتل ہو جانے پر والی حلب ڈر گیا کہ اب خلیفہ اور فوجیں بھیجے گا، چنانچہ اس نے اپنے ہفت سالہ لڑکے اور بی بی کو تحف و ہدایا کے ساتھ دربار میں بھیج کر معذرت چاہی۔ یہ لوگ تقریباً دو مہینے تک شہر کے باہر پڑے رہے، نہ اندر آنے کی اجازت ہوئی، اور نہ ان کے تحائف قبول ہوئے، لیکن جب شہر کے قضاۃ اور ائمہ سفارش لے کر دربار میں پہنچے، تب ان کا ہدیہ قبول ہوا، اور خلعت سے سرفراز ہو کر رخصت ہوئے

مصر میں باغ لگانے کا قاعدہ

مصر میں یہ عجیب بات ہے کہ جس فصل میں کوئی باغ لگانا چاہے لگا سکتا ہے۔ کیونکہ جس قسم کے درخت مطلوب ہوں ہر وقت (ذخیرہ سے) مل سکتے ہیں، اور شائق لگا سکتا ہے، خواہ پھل والے ہوں یا بغیر پھل کے ہوں۔ اور

اس کام کے لیے دلّال مقرر ہیں جو فوراً فرمائش کی تعمیل کرتے ہیں، ان ذخائر کی یہ حالت ہی کہ درختوں کو گملوں میں لگا کر چھتوں پر رکھتے ہیں، اور اکثر مکانات کی چھتیں باغ ہوتی ہیں اور درخت اکثر ثمردار ہوتے ہیں۔ مثلاً نارنگی، چکوترہ، انار، سیب بہی، اور پھولوں میں گلاب اور نازبو وغیرہ۔ اگر کوئی خریدار ہو تو مزدور ان گملوں کو لکڑیوں میں باندھ کر جہاں چاہتے ہیں لے جاتے ہیں، اگر چاہو تو ان گملوں کو زمین میں دبا دو اور جب چاہو زمین سے نکال لو۔ چنانچہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہی، اور درختوں پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، یہ طریقہ مصر کے سوا تمام دنیا میں نہ میں نے دیکھا اور نہ کسی سے سنا ہی۔ اور انصاف یہ ہی کہ یہ ایک لطیف طرزِ عمل ہی۔ اب میں واپسی وطن کا تذکرہ براہ مکہ معظمہ (خدا اس کو آفات سے محفوظ رکھے) کروں گا، اور مصر سے شروع کرتا ہوں۔

ناصر خسرو کی قاہرہ سے (۱۴ ذی الحجہ ۴۴۱ھ) روانگی براہ صعید الاعلیٰ

میں نے قاہرہ میں عید کی نماز پڑھی اور سہ شنبہ کو بتاریخ ۱۴ ذی الحجہ ۴۴۱ھ (اپریل ۱۰۵۰ء) جہاز میں سوار ہو کر براہ صعید الاعلیٰ روانہ ہو گیا۔ ملک مصر کا یہ جنوبی حصہ ہی اور اسی حصہ ملک سے مصر میں دریائے نیل کا پانی آتا ہی۔ اور یہ بھی (صعید الاعلیٰ) گویا مصر کا ایک صوبہ ہی، اور بیشتر مصر کی سرسبزی کا باعث یہی حصہ ہی۔ اس میں نیل کے کنارے کنارے دونوں جانب بکثرت شہر اور قریہ آباد ہیں۔ جس کی تشریح موجب طوالت ہی۔ قاہرہ سے چل کر اب میں اس شہر میں پہنچ گیا جس کو اسیوط کہتے ہیں، یہاں افیون پیدا ہوتی ہی، یہ خشخاش ہی کہ جس کا بیج سیاہ ہوتا ہی، جب درخت بڑھ جاتا ہی اور اس میں ڈنڈی بندھ جاتی ہی تو نشتر دیتے ہیں، اس سے ایک قسم کا لعاب (لیس دار شیرہ) نکلتا ہی، اسے بحفاظت جمع کرتے ہیں، اور اسی کا نام افیون ہی۔ خشخاش کا دانہ مثل زیرہ کے بہت ہی چھوٹا

ہوتا ہی۔

اسیوط [۱۸۱] اسیوط میں بکریوں کی بالوں کی پگڑیاں بنتی ہیں جس کی نظیر دنیا میں نہیں ہوتی۔ عجم میں جو باریک قسم کا صوف جاتا ہی، اور جسے مصری کہتے ہیں وہ سب صعید الاعلیٰ کا ہوتا ہی، کیونکہ مصر میں صوف نہیں بُنا جاتا ہی، میں نے اسیوط میں ایک پٹکا دیکھا جس کی نظیر نہ لہاوَر (لاہور) میں دیکھی نہ ملتان میں۔ اور ظاہری شکل وصورت میں مثل ریشم کے معلوم ہوتا تھا۔

قوص [۱۸۲] اُسیوط سے میں شہر قوص میں داخل ہوا، یہاں پتھر کی ایسی بڑی عمارتیں دیکھیں کہ جس کو دیکھ کر ہر شخص تعجب کرتا ہی۔ یہ ایک پرانا شہر ہی جس کی فصیل پتھر کی تھی اور اس کی تمام عمارتیں بڑے بڑے پتھروں سے بنائی گئی تھیں، جن میں بعض پتھر وزن میں سات سو پچاس [۷۵۰] اور ایک ہزار ایک سو پچیس [۱۱۲۵] من ہوں گے، اور تعجب یہ ہی کہ دس پندرہ فرسنگ تک اطراف قوص میں نہ کوئی پہاڑ ہی اور نہ پتھر ہیں معلوم نہیں ہی کہ یہ کہاں سے اور کیونکر لائے گئے ہیں۔

اخمیم [۱۸۳] قوص سے چل کر اخمیم میں آیا۔ یہ بہت آباد شہر ہی۔ اور بڑی مردم شماری ہی۔ یہاں ایک مضبوط قلعہ ہی، کھجوروں کے درخت اور باغات بکثرت ہیں۔ یہاں بیس روز ٹھیرا رہا، کیونکہ یہاں سے دو راستے جاتے تھے، ایک صحرائی راستہ تھا جس میں پانی نہ تھا۔ اور دوسرا دریائی راستہ تھا۔ میں متردد تھا کہ کس راستہ سے سفر کروں۔ آخر کار دریا کے راستہ سے روانہ ہوا

اسوان اور شہر اسوان میں پہنچا۔ اس شہر کے جنوب میں ایک پہاڑ ہی، جس کے دہانے سے دریائے نیل نکلتا ہی۔ لوگوں کا بیان ہی کہ کشتی یہاں سے بلندی پر نہیں جا سکتی ہی کیونکہ نیل تنگ راستوں اور پہاڑی چٹانوں

سے نکلتا ہؤا نیچے کی طرف آتا ہی۔

اسوان سے ولایت نوبیا کا راستہ

اسوان سے چار فرسنگ کے فاصلہ پر ولایت نوبیا کا راستہ ہی، نوبیا کے تمام باشندے عیسائی ہیں اور نوبیا کا بادشاہ سلطان کو ہمیشہ تحائف بھیجتا رہتا ہی، اور معاہدہ یہ ہی کہ نوبیا والوں پر فوج کشی نہ ہو، اور وہ نقصان سے محفوظ رہیں۔ شہر اسوان بہت مستحکم ہی تاکہ نوبیا سے اس پر فوج کشی نہ ہوسکے۔ چنانچہ شہر اور ملک کی حفاظت کے لیے یہاں ہمیشہ فوج رہتی ہی۔

جزیرہ

شہر کے سامنے (مابین اسوان و قاہرہ) ایک جزیرہ ہی جو باغ کے مانند ہی۔ اس میں کھجور کے باغات اور زیتون وغیرہ کے درخت ہیں، اور کاشت بہت ہوتی ہی۔ رہٹ سے آبپاشی کرتے ہیں۔ درختوں کی بھی افراط ہی۔ یہاں اکیس[۲۱] دن قیام رہا کیونکہ بحر قلزم تک دو سو[۲۰۰] فرسنگ کا ایک جنگل سامنے تھا یہ وہ زمانہ تھا کہ حجاج (اونٹوں پر سوار ہوکر) واپس آرہے تھے۔ چنانچہ میں بھی اس انتظار میں ٹھیرا ہؤا تھا کہ اونٹ آجائیں تو کرایہ کرکے روانہ ہوجاؤں۔"

قیام اسوان کے زمانہ میں میری ملاقات ایک شخص سے ہوگئی، جس کا نام ابو عبداللہ محمد بن فلیج تھا۔ یہ پارسا اور نیک بخت آدمی تھا، اور کسی قدر منطق جانتا تھا، اس شخص نے اونٹوں کے کرایہ کرنے اور ہم سفر تلاش کرنے میں میری

سیاحت کا چھٹا سال ۴۴۲ھ

مدد کی۔" چنانچہ ایک اونٹ ڈیڑھ دینار پر کرایہ کیا۔ اور پانچویں ربیع الاول ۴۴۲ھ (جولائی ۱۰۵۰ء) کو میں اسوان سے روانہ ہوگیا۔ اب میں مشرق و جنوب کی طرف سفر کررہا تھا، جب آٹھ فرسنگ طے ہوگئے تو ایک منزل آگئی جس کا نام ضیقہ تھا۔

ضیقہ

جنگل کی جانب دراصل یہ ایک درہ تھا جس کے دونوں طرف قدرت

نے پہاڑ کی دو دیواریں کھینچ دی تھیں، اور دیواروں کے اندر سو ہاتھ کا چوڑا میدان تھا، اور اس میدان میں ایک کنواں کھودا ہے جس میں پانی کی افراط ہے لیکن بدمزہ۔ اس منزل سے چل کر پانچ دن تک برابر جنگل میں چلنا پڑتا ہے، جس میں پانی میسر نہیں آتا ہے لہٰذا ہر شخص نے پانی کی ایک مشک بھر کر رکھ لی تھی، آگے چل کر ایک دوسری منزل پر پہنچے جس کو حوضش کہتے ہیں۔

حوضش یہ ایک پہاڑ ہے جس میں پانی کے دو جھرنے ہیں، اور ایک گڈھے میں پانی جمع ہوتا رہتا ہے، یہ میٹھا پانی تھا اور جھرنا اس قدر چوڑا ہے جس کے اندر آدمی جاکر اونٹ کے لیے پانی بھر لاتے ہیں۔ سات دن ہو گئے تھے کہ اونٹوں کو پانی اور چارہ نہیں ملا تھا، کیونکہ اس راستہ میں در اصل کچھ نہ تھا۔ دن رات میں صرف ایک بار یعنی دھوپ تیز ہونے سے ظہر تک ٹھیر جاتے تھے اور باقی وقت چلنے میں گزرتا تھا۔ یہ پڑاؤ جن پر قیام ہوتا تھا، سب کو معلوم تھے، کیونکہ ایسی جگہ نہیں ٹھیرتے تھے جہاں آگ جلانے کو (لکڑی وغیرہ) کچھ نہ مل سکے۔ البتہ جہاں اونٹ کی مینگنیاں ملتی تھیں وہاں اتر کر کچھ پکا لیتے تھے، اونٹ بھی ان منزلوں سے واقف تھے اور سمجھتے تھے کہ اگر چلنے میں ذرا بھی کاہلی کی گئی تو پیاس کے مارے مرجائیں گے۔ اور بغیر ہنکائے جنگل میں منہ اٹھائے بھاگے چلے جاتے تھے، حالانکہ سڑک اور پگڈنڈی کا نشان تک نہ تھا، مگر یورپ کی طرف خود ہی چلے جاتے تھے۔ کسی جگہ پندرہ[۱۵] فرسنگ پر تھوڑا کھاری پانی مل جاتا تھا، اور کبھی تیس[۳۰] و چالیس[۴۰] فرسنگ تک پانی نہیں ملتا تھا۔

عیذاب [۱۸۴] انیسویں ربیع اوّل ۴۴۲ھ کو شہر عیذاب میں پہنچے۔ اسوان سے عیذاب تک پندرہ دن میں آئے، اور تقریبًا دو سو فرسنگ

راستہ طے کیا (چالیس میل روزانہ) شہر عیذاب دریا کے کنارے واقع ہے، جمعہ مسجد بھی ہے پانسو کی مردم شماری ہے، اور خلیفہ مصر کا مقبوضہ ہے۔ حبش، زنجبار اور یمن سے جو کشتیاں آتی ہیں، ان کا محصول عیذاب میں وصول کیا جاتا ہے۔ اور یہاں سے اونٹوں پر مال لاد کر شہر اسوان تک اسی جنگل کے راستے سے لے جاتے ہیں جس طرف سے کہ ہم لوگ آئے ہیں۔ اور پھر اسوان سے کشتیوں کے ذریعے سے (براہ نیل) مال جاتا ہے۔

قوم بجاہان

شہر عیذاب کے دائیں ہاتھ پر جب قبلہ رو کھڑے ہوں، تو سامنے ایک پہاڑ نظر آتا ہے، جس کی پشت پر ایک بہت بڑا جنگل ہے۔ جہاں گھاس بافراط ہے۔ اور ایک بڑی قوم آباد ہے، جس کو بجاہان کہتے ہیں۔ یہ لامذہب ہیں، کسی پیغمبر و پیشوا پر ایمان نہیں لاتے ہیں، اور اس کا سبب یہ ہے کہ آباد شہروں سے منزلوں دور رہتے ہیں۔ ان کے مقبوضہ جنگل کا طول ایک ہزار فرسنگ سے زیادہ، اور عرض تین سو فرسنگ ہوگا۔ اور اس بُعد مسافت میں صرف دو چھوٹے شہر آباد ہیں، جن میں سے ایک کا نام بحر النعام اور دوسرے کا عیذاب ہے۔

علاقہ مصر و نوبیا کا ایک مشترکہ جنگل

طول میں یہ جنگل مصر سے حبشہ تک یعنی شمال سے جنوب تک چلا گیا ہے۔ اور عرض میں ولایت نوبیا سے بحر قلزم تک یعنی مغرب سے مشرق تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ جنگل تمام و کمال قوم بجاہان سے آباد ہے، یہ لوگ فطرۃً بُرے نہیں ہیں، چوری ڈکیتی بھی نہیں کرتے ہیں، اپنے مویشیوں میں اُلجھے رہتے ہیں۔ مسلمان وغیرہ ان کے بچوں کو چُرا لے جاتے ہیں اور اسلامی شہروں میں لے جا کر بیچ ڈالتے ہیں۔

بحر قلزم

دریائے قلزم۔ ایک خلیج ہے جو بحر محیط سے پھٹ کر بطور ایک شاخ

کے عدن تک چلی گئی ہی- اور جانب شمال شہر قلزم تک آئی ہی- بحر قلزم کے کنارے جو شہر آباد ہیں اُنھیں کے نام سے وہ پکارے جاتے ہیں مثلاً کہیں بحر قلزم کہیں بحر عیذاب اور کسی جگہ بحر النعام- بحر قلزم میں تین سو سے زیادہ جزیرے بیان کیے جاتے ہیں- ان جزائر سے کشتیاں آتی ہیں جس میں روغن اور پنیر ہوتا ہی- کیونکہ اس علاقہ میں گائے، بکریاں بکثرت ہیں، کہتے ہیں کہ یہاں کے باشندے مسلمان ہیں- کوئی (نسلاً) مصری ہی کوئی یمنی-

شہر عیذاب میں کنویں اور چشمہ کا پانی نہیں ہی، بلکہ صرف آب باراں پر گزر ہی- اور جب کبھی بارش نہیں ہوتی ہی تو یہی (بجاہان) پانی لاکر فروخت کرتے ہیں، میں تین مہینے تک یہاں رہا، ایک مشک پانی کبھی ایک درہم کو اور کبھی دو درہم کو خرید کیا کرتا تھا- اور روانگی کشتی کے انتظار میں یہاں ٹھیرا ہوا تھا- کیونکہ شمالی ہوا چل رہی تھی اور مجھ کو جنوبی ہوا کی ضرورت تھی- یہاں کے لوگوں نے دیکھتے ہی مجھ سے درخواست کی کہ آپ ہماری خطابت (نماز پڑھانا) کریں میں نے بھی اس میں کچھ مضائقہ نہ سمجھا، اور جتنے دن تک عیذاب میں رہا نماز پڑھاتا رہا- یہاں تک کہ روانگی کشتی کا زمانہ آگیا- اور کشتیاں شمال کو روانہ ہو گئیں- عیذاب سے چل کر میں جدّہ میں داخل ہوا- بیان کیا جاتا ہی کہ جیسا اصیل اونٹ یہاں کے جنگل میں پیدا ہوتا ہی، ویسا کہیں اور نہیں ہوتا- اور اسی نواح سے مصر و حجاز کو اونٹ لے جاتے ہیں-

ماہی قرش کا بیان [۱۸۵]

عیذاب کے ایک شخص نے (جس پر مجھے اعتبار ہی) بیان کیا کہ ایک مرتبہ یہاں سے جہاز حجاز کو جا رہا تھا، جس پر اونٹوں کا ایک گلہ امیر مکہ کے لیے بھیجا گیا تھا، اور میں بھی اسی پر سوار تھا کہ ایک اونٹ مر گیا، خلاصیوں نے اس کو بحر قلزم میں پھینک دیا کہ

معاً ایک مچھلی پورا اونٹ نگل گئی۔ البتہ ایک پاؤں کا کچھ حصہ مچھلی کے منہ سے باہر نکلا ہوا تھا کہ دوسری مچھلی آئی اور اس نے اس مچھلی کو بجنسہٖ نگل لیا اور کسی قسم کا اثر اس مچھلی پر نمایاں نہ ہوا۔ اس مچھلی کا نام قرش تھا۔ اسی شہر میں میں نے مچھلی کا ایک خول دیکھا، جس کو خراسان میں شفق کہتے ہیں۔ اور میں خراسان میں گمان کیا کرتا تھا کہ یہ ایک قسم کی سوسمار (گوہ) ہے، یہاں آ کر دیکھا تو وہ مچھلی تھی اور اس میں مچھلی کے پَر موجود تھے۔

ناصر خسرو کا ایک فیاض دوست

جس زمانہ میں کہ میرا قیام اسوان میں تھا، میرا ایک دوست تھا ابو عبداللہ محمد بن فلیج (جس کا اوّل تذکرہ ہو چکا ہے) چنانچہ جب میں عیذاب کو آنے لگا تو عبداللہ نے بنظرِ محبت، اپنے وکیل کے نام، جو عیذاب میں رہتا تھا ایک خط لکھ دیا تھا کہ "ناصر جو مانگے اس کو دے کر رسید لیتے رہو، حساب میں مجرا کر دیا جائے گا۔" عیذاب میں تین مہینے میرا قیام رہا اور جو کچھ تھا وہ خرچ ہو گیا تھا، بہ ضرورت وہ خط میں نے وکیل مذکور کو دے دیا، اس نے فیاضانہ طریقہ سے کہا کہ خدا کی قسم میرے پاس ابو عبداللہ کی بہت سی چیزیں ہیں، جو مطلوب ہو وہ پیش کروں، آپ مجھے وہ خط دکھائیں۔ مجھے محمد فلیج کے حسن سلوک سے بہت تعجب ہوا کہ بغیر ملاقاتِ سابقہ میرے ساتھ ایسا شریفانہ برتاؤ کیا، اگر میں چالاک ہوتا اور جائز رکھتا تو اس خط کے ذریعہ سے ایک بڑی رقم وصول کر لیتا۔ الغرض میں نے وکیل مذکور سے تین من اور تین سیر آٹا لے لیا، اور یہ مقدار یہاں ایک بڑی چیز سمجھی جاتی ہے، اور میں نے اس کی ایک رسید لکھ کر دے دی۔ اور وکیل نے میری رسید اسوان بھیج دی۔ چنانچہ میری روانگی سے پہلے محمد فلیج کا جواب آ گیا تھا اور اس میں لکھا تھا کہ "میری ملک سے جو کچھ ناصر طلب کرے

وہ اس کو دے دو، اور اگر تم اپنے پاس سے دو گے تو میں اس کا بھی معاوضہ کر دوں گا۔ امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ المومن لا یکون محتشمًا ولا مغتنمًا (مومن نہ شاندار بنتا ہے نہ مال غنیمت جمع کرتا ہے) یہ تذکرہ میں نے اس لیے لکھ دیا ہے تاکہ ناظرین سمجھیں کہ لوگ ایک دوسرے کا اعتبار کرتے ہیں اور فیاضی ہر جگہ ہے۔ اور فیاض لوگ ہمیشہ رہے ہیں اور رہیں گے۔

(۹) **بندرگاہ جدہ**

جدہ[۱۸۶] بڑا شہر ہے اور اس کی فصیل مضبوط ہے، اور بحر قلزم کے کنارہ (شمالی جانب) آباد ہے، پانچ ہزار کی مردم شماری ہے۔ بازار خوبصورت ہیں، اور جامع مسجد کا قبلہ مشرق کی طرف ہے شہر کے باہر کسی قسم کی عمارت نہیں ہے، صرف ایک مسجد ہے، جو مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے مشہور ہے۔ شہر میں دو دروازے ہیں، ایک جانب مشرق جو شہر مکّہ کے رُخ پر ہے، اور دوسرا جانب مغرب جو بحر قلزم کی طرف ہے۔ اگر جدہ سے سمندر کے کنارے کنارے جنوب کی طرف بڑھیں تو یمن کے شہر صعدہ میں پہنچ جائیں، جس کا فاصلہ پچاس فرسنگ ہے اور اگر جانب شمال سفر کریں تو جار میں داخل ہوں، جو ملک حجاز کا شہر ہے۔ شہر جدہ میں نہ درخت ہیں نہ کھیتی ہوتی ہے، ضرورت کی تمام چیزیں دیہات سے آتی ہیں، جدہ سے مکہ معظمہ بارہ فرسنگ ہے۔ امیر جدہ والی مکہ کا غلام تھا، جس کو تاج المعانی بن ابی الفتوح کہتے تھے اور مدینہ طیبہ بھی والی مذکور کی حکومت میں تھا۔

میں امیر جدہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ بنظر شفقت، امیر جدہ نے واجب الادا محصول مجھ سے نہیں لیا اور معاف کر دیا، جس وقت میں دروازہ مشرق سے نکلا ہوں اس وقت امیر مذکور نے مکہ معظمہ میں یہ اطلاع کر دی تھی کہ یہ شخص ایک فقیہ ہے، اور اس سے کسی قسم کا محصول نہ لیا جائے۔

جمعہ کے دن نماز ظہر کے وقت میں جدہ سے (براہ سلم دروازہ) روانہ ہو کر یک شنبہ کے دن آخیر تاریخ جمادی الآخر کو مکہ معظمہ میں پہنچ گیا، نواح حجاز دمین کے حاجی عمرہ کے لیے شروع رجب میں مکہ معظمہ پہنچ جاتے ہیں۔ یہ بڑے چہل پہل کا زمانہ ہوتا ہے، اور اسی دھوم دھام سے عید ہوتی ہے۔ چونکہ ان حجاج کا راستہ قریب کا ہے اور کسی قسم کی دشواری نہیں ہے لہٰذا حج کے زمانہ میں آتے ہیں اور سال میں تین مرتبہ آیا کرتے ہیں۔

صفت شہر مکہ معظمہ[۱۸۷]

ناصر خسرو کا چوتھا حج
مکہ معظمہ کا جغرافیہ
اور
ارکان حج کا بیان

شہر مکہ پہاڑوں کے مابین آباد ہے اور بلند ہے، اور شہر کے کسی جانب جائیں، جب تک داخل مکہ نہ ہوں سواد شہر نظر نہیں آتا ہے اور سب سے اونچا پہاڑ مکہ کے متصل کوہ ابو قبیس[۱۸۸] ہے۔ پہاڑ گنبد کی طرح گول ہے، اگر اس کے نیچے کھڑے ہو کر تیر پھینکیں تو چوٹی پر پہنچتا ہے، اور ابو قبیس شہر کے مشرق میں ہے۔ چنانچہ دَی (جنوری) کے مہینہ میں جب مسجد الحرام میں کھڑے ہوں تو آفتاب اس پہاڑ کی چوٹی سے نکلتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کے اوپر ایک پتھر کا ستون قایم ہے جس کی نسبت مشہور ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نصب کردہ ہے۔ پہاڑ کے درمیان جو کھلا ہوا میدان ہے وہی شہر مکہ ہے جس کی وسعت[۱] دو تیروں کی رفتار سے زیادہ نہ ہو گی۔ مسجد الحرام اس کھلے ہوئے حصہ کے اندر ہے اور مسجد کے چاروں طرف شہر آباد ہے، جس میں گلیاں اور بازار ہیں۔

---

[۱] مصنف نزہت القلوب نے شہر مکہ کا دور دو ہزار قدم سے زیادہ لکھا ہے۔ جس کو ناصر خسرو نے دوسرے الفاظ میں سمجھایا ہے +

جہاں کہیں پہاڑ میں درہ آگیا ہی اس کو فصیل کی دیوار بنا لیا ہی اور دروازہ لگا دیا ہی۔ شہر میں کہیں درخت کا پتہ نہیں ہی، البتہ جانب مغرب دروازہ مسجد الحرام پر جس کو باب ابراہیم کہتے ہیں، کنویں کے اوپر چند بلند اور پرانے درخت موجود ہیں۔

کوہ صفا ۱۸۹ع

مسجد الحرام سے جانب مشرق ایک بڑا بازار ہی جو جنوب سے شمال کی طرف چلا گیا ہی، اور بازار کے سرے پر جنوب کی طرف کو ابو قبیس ہی، اور اس کے دامن میں کوہ صفا ہی جس کی شان یہ ہی کہ دامن کوہ کو سیڑھیوں کی طرح بلند کیا ہی اور اس میں پتھر اس ترتیب سے نصب کیے گئے ہیں کہ اس پر لوگ چڑھ جاتے ہیں، اور وہاں بیٹھ کر دعا کرتے ہیں اور اسی کا نام ہی صفا مروہ پر سعی کرنا۔

کوہ مروہ ۱۹۰ع

بازار کے آخیر میں شمال کی طرف کوہ مروہ ہی۔ یہ پہاڑ کسی قدر اونچا ہی، جس پر لوگوں نے بکثرت مکانات بنائے ہیں اور یہ وسط شہر ہی۔ اور اسی بازار میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک حاجی دوڑتے ہیں۔ جو حاجی دور سے عمرہ کے لیے آتے ہیں، وہ مکہ سے نصف فرسنگ پر جاتے ہیں جہاں نشانات میل قایم ہیں اور مسجدیں بھی ہیں وہاں سے عمرہ کے لیے احرام باندھتے ہیں۔

احرام عمرہ اور حج

احرام کے یہ معنی ہیں کہ سلے ہوئے کپڑے جسم سے اتار کر ایک تہمد باندھتے ہیں اور دوسرا تہمد یا چادر اوپر سے اوڑھ لیتے ہیں۔ اور بلند آواز سے کہتے ہیں کہ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ (ای خدا میں تیری خدمت کے لیے حاضر ہوں) اور میقات سے مکہ کی طرف آتے ہیں۔ اور جو شخص مکہ میں موجود ہو اور عمرہ کرنا چاہے وہ میل مقررہ تک جاتا ہی،

اور وہاں سے احرام باندھتا ہی اور لبیک کے نعرے لگاتا ہی، اور مکہ میں عمرہ کی نیت سے داخل ہوتا ہی۔ اور جب شہر میں آتا ہی تو اوّل مسجد الحرام میں جاتا ہی، اور خانہ کعبہ کے قریب جاکر داہنے ہاتھ کو گھوم جاتا ہی۔ چنانچہ اس وقت کعبہ کے بائیں ہاتھ پر ہوتا ہی اور اس رکن میں داخل ہوتا ہی جہاں حجر اسود نصب ہی (یعنی رکن عراقی) پھر حجر اسود کو بوسہ دے کر آگے بڑھ جاتا ہی، اسی طرح واپس آتا ہی اور حجر اسود کو بوسہ دیتا ہی، اب ایک طواف ختم ہوا۔ چنانچہ اسی طرح سات طواف کیے جاتے ہیں۔ اوّل تین مرتبہ تیزی سے، اور دوسری چار مرتبہ آہستہ سے دوڑنا چاہیے۔ اور ختم طواف کے بعد مقام ابراہیم (جو خانہ کعبہ کے برابر ہی) میں حاضر ہو کر اس کے پیچھے کھڑا ہو، اس طرح پر کہ مقام ابراہیم اب زائر اور کعبہ کے درمیان میں ہو، پھر دو رکعت نماز پڑھے، جس کو نماز طواف کہتے ہیں۔ پھر چاہ زم زم پر جاکر پانی پیے، یا چہرہ پر ملے۔ اور مسجد الحرام سے براہ باب الصفا نکل جائے، اور باب الصفا مسجد الحرام کے اس دروازہ کا نام ہی، جس سے نکلتے ہی کوہ صفا سامنے آجاتا ہی۔ پھر حاجی کوہ صفا کی سیڑھیوں پر چڑھ جاتا ہی، اور رو بہ قبلہ ہو کر دعا پڑھے۔ اور دُعا مقررہ ہی! اور دعا کے بعد نیچے اتر آئے، اور بازار میں ہو کر مروہ کی طرف چلا جائے، یعنی اب جنوب سے شمال کی طرف پھر جائے۔ اس بازار سے گزرتے وقت مسجد الحرام کے سامنے آتے ہیں۔ یہ وہ بازار ہی کہ جس میں خود رسول اللہ نے سعی کی ہی اور دوسروں کو سعی کی ہدایت فرمائی ہی، یہ صرف پچاس قدم ہیں۔

اس مقام کے دونوں طرف چار مینار ہیں، کوہ صفا کی جانب سے لوگ دو میناروں کے اندر دوڑتے ہوئے آتے ہیں، اور بازار کی طرف جہاں دوسرے دو مینار ہیں، درمیان سے دوڑتے ہوئے گزر جاتے ہیں، پھر کوہ مروہ

تک آہستہ آہستہ چلتے ہیں اور سیڑھیوں پر چڑھ جاتے ہیں اور مقررہ دعا پڑھ کر واپس آتے ہیں۔ اور دوسری بار پھر اس بازار میں آتے ہیں، چنانچہ چار مرتبہ صفا سے مروہ پر اور تین بار مروہ سے صفا پر جاتے ہیں۔ اس طرح بازار سے سات مرتبہ گزرتے ہیں، جب مروہ سے نیچے اُترتے ہیں تو وہاں ایک بازار ہے اور سامنے ہی بیس دُکانیں ہیں جہاں بیٹھ کر حجام سر کے بال کاٹتے ہیں۔ جب عمرہ ختم ہو جاتا ہے اور حرم سے باہر آتے ہیں تو اس بڑے بازار میں جو جانب مشرق ہے داخل ہوتے ہیں، اس کا نام سوق العطارین ہے۔

اس بازار کی عمارتیں خوبصورت ہیں، جس میں عطاروں ہی کی دُکانیں ہیں۔ مکہ میں دو گرم حمام ہیں، جن کے فرش سنگ سبز کے ہیں، ان پتھروں کی سان بنائی جاتی ہے (سنگ فسان جس پر چاقو وغیرہ تیز کرتے ہیں) میرا قیاس ہے کہ مکہ معظمہ کے اندر شہری باشندے دو ہزار سے زیادہ نہیں ہیں، اور تقریباً پانسو مسافر اور مجاور ہوں گے۔

یہ قحط کا زمانہ تھا، اور ایک دینار مغربی میں چوبیس [۲۴] سیر گیہوں فروخت ہوتا تھا۔ بہت آدمی یہاں سے چلے گئے تھے۔ شہر مکہ میں بلاد خراسان، ماوراءالنہر اور عراق وغیرہ کے لوگوں کے مکانات (رباط) موجود ہیں۔ لیکن اکثر شکستہ اور ویران تھے۔ خلفائے عباسیہ نے بکثرت خوبصورت عمارتیں بنائی ہیں لیکن اب ان میں سے بعض ویران ہو گئی ہیں اور بعض کی دیگر سلاطین نے مرمت کرا دی ہے۔ مکہ معظمہ کے تمام چاہات کا پانی کھاری ہے، جس کو کوئی شخص پی نہیں سکتا ہے۔ البتہ بہت سے حوض اور پختہ تالاب موجود ہیں، جو دس ہزار دینار کی لاگت سے بنے ہوں گے۔ اور جب برسات کا پانی پہاڑی دروں سے بہ کر آتا ہے تو یہ بھر لیے جاتے ہیں۔ میرے قیام کے زمانہ میں یہ سب حوض و تالاب

خالی پڑے ہوئے تھے۔

ایک امیر عدن مسمی ابن شادول نے مکہ معظمہ میں ایک زمین دوز نہر (کاریز) تعمیر کی تھی، جس پر کثیر دولت صرف ہوئی تھی۔ عرفات میں اس نہر کے کنارہ کاشت ہوتی ہی اور اس جگہ نہر کو روک کر بند بنا لیا ہی جس پر خربزہ کے کھیت ہیں۔ بدیں وجہ مکہ معظمہ میں کمی پانی کی شکایت ہی۔ اور اس جگہ حوض بنے ہوئے ہیں، جس میں کاریز سے آکر پانی جمع ہوتا ہی، اور پھر اس میں سے بھشتی پانی بھر کرتے ہیں۔ اور شہر میں لاکر فروخت کرتے ہیں۔ نصف فرسنگ چل کر راستہ میں ایک کنواں آتا ہی، جس کو بیر الزاہد کہتے ہیں، اس کا پانی میٹھا ہی، اس جگہ خوبصورت مسجد بھی ہی۔ اس کنویں سے بھی بھشتی پانی لاکر شہر میں فروخت کیا کرتے ہیں۔

مکہ معظمہ کی ہوا بہت گرم ہی، اور میں نے آخیر بہمن (فروری) میں تروتازہ ککڑیاں، کھیرے اور بیگن دیکھے تھے۔

مکہ معظمہ میں اب چوتھی مرتبہ میرا آنا ہوا ہی، اور اس مرتبہ غرہ رجب ۴۴۲ھ سے بیس ذی الحجہ تک قیام رہا۔ پندرہ فروردین (اپریل) کو بازار میں انگور آگئے تھے، جو دیہات سے شہر میں لاکر لوگ فروخت کر رہے تھے، اور اردی بہشت (مئی) کے شروع میں خربزہ بافراط آگیا تھا، اور نیز جاڑے میں تمام میوے ملتے ہیں، کبھی بازار خالی نہیں رہتا ہی۔

۱۰۔ ملکِ عرب اور ارض یمن[۱۹۱] کا بیان

حجاز اور یمن کا جغرافیہ مع دیگر حالات	مکہ معظمہ سے جب جنوب کی طرف سفر کریں تو ایک منزل کے بعد صوبہ یمن میں پہنچ جاتے ہیں اور بحر قلزم

کے کنارے کنارے کل یمن کا ملک ہی۔ یمن اور حجاز کی سرحد ملی ہوئی ہی اور ان دونوں ملکوں کی زبان عربی ہی۔ جغرافیہ کی اصطلاح میں، ارض یمن کو حمیر اور حجاز کو عرب کہتے ہیں۔ ان دونوں ملکوں کے تین طرف سمندر ہی اور یہ علاقہ مثل جزیرہ کے ہی، کیونکہ مشرق کی طرف دریائے بصرہ (شط العرب) اور مغرب میں بحر قلزم ہی (اوّل بیان ہو چکا ہی کہ بحر قلزم ایک خلیج ہی) اور جنوب میں بحر محیط ہی۔

اس جزیرہ (یمن و حجاز) کا طول کوفہ سے عدن تک شمالاً و جنوباً پانسو[۵۰۰] فرسنگ ہی۔ اور عرض عمان سے جار تک شرقاً غرباً چارسو[۴۰۰] فرسنگ۔ حجاز کا ملک (عربستان) کوفہ سے مکہ معظمہ تک ہی، اور زمین حمیر (یمن) مکہ معظمہ سے عدن تک ہی۔

عرب میں آبادی کم ہی۔ باشندے خانہ بدوش اور صحرائی ہیں، ان کا اثاث البیت مواشی، باربرداری کے جانور اور خیمے ڈیرے ہیں۔

ارض حمیر تین حصوں پر منقسم ہی، ایک حصہ کا نام تہامہ[۱۹۲] ہی۔ یہ حصہ در اصل بحر قلزم کا مغربی ساحل ہی، جس کے کنارہ بہت آباد شہر ہیں۔ مثلاً صعدہ[۱۹۳]، زبید[۱۹۴]، اور صنعا[۱۹۵] وغیرہ۔ یہ شہر جنگل کے رُخ پر آباد ہیں، اس صوبہ کا فرماں روا ابن شادول کا ایک حبشی غلام ہی۔ دوسرا حصہ یمن کا کوہستانی ہی جس کو نجد[۱۹۶] کہتے ہیں۔ یہ صحرائی علاقہ سرد سیر ہی، جس میں تنگ درے اور مضبوط قلعے ہیں۔ تیسرا حصہ مشرق کی طرف سے شروع ہوتا ہی، جس میں بکثرت شہر آباد ہیں مثلاً نجران، عشر، بیشہ وغیرہ۔ اس حصہ میں بکثرت ناحیے واقع ہیں اور ہر ناحیہ ایک جداگانہ ملک ہی، جس کا رئیس بھی الگ ہوتا ہی اور یہ کل ملک کسی ایک مطلق العنان فرمانروا کے زیر حکومت نہیں ہی۔ سب خودسر قبائل ہیں۔ اور اکثر چور، ڈاکو اور راہزن ہیں۔ یہ علاقہ پیمائش میں دوسو اور ایک سو پچاس (۲۰۰ × ۱۵۰) فرسنگ ہی۔

مردم شماری اچھی ہے اور ہر نوع کی مخلوق ہے۔

197 قصرِ غمدان

قصر غمدان، یمن کے شہر صنعا میں ہے۔ اس محل کا اب ایک حصّہ وسط شہر میں بطور ٹیلہ کے یادگار ہے۔ کہتے ہیں کہ اس محل کا مالک ساری دنیا کا بادشاہ تھا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس ٹیلے کے نیچے بکثرت خزانے ہیں، لیکن بادشاہ سے رعیت تک کوئی اس خزانہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتا ہے

عقیق صنعاً

شہر صنعا میں عقیق نکالا جاتا ہے۔ یہ ایک پتھر ہے کہ جس کو پہاڑ سے تراشتے ہیں اور ان سنگ ریزوں کو ایک گرم توے میں ریت ڈال کر جلا دیتے ہیں۔ اور پھر ریت میں ڈال کر کچھ مدت تک سورج کی روشنی میں رکھتے ہیں، پھر چرخ پر چڑھا کر اس کو سڈول کرتے ہیں۔ میں نے مصر میں ایک تلوار دیکھی ہے جو یمن سے سلطان کے لیے آئی تھی۔ اس کا قبضہ و دستہ مثل یاقوت کے سراپا عقیق سرخ کا تھا۔

١١۔ مسجد الحرام اور خانہ کعبہ کا بیان

198 مسجد الحرام

میں اوپر کہہ چکا ہوں کہ خانہ کعبہ مسجد الحرام کے صحن میں ہے اور مسجد الحرام شہر مکہ کے وسط میں ہے۔ جس کا طول مشرق سے مغرب کو اور عرض شمال سے جنوب کی طرف ہے لیکن (بیرونی) دیوار مسجد زاویہ قائمہ نہیں بناتی ہے اور ارکان (ستون) کی ساخت اس قسم کی ہے کہ وہ گولائی کی طرف مائل ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب مسجد میں نماز پڑھتے ہیں تو ہر طرف سے نمازیوں کا منہ خانہ کعبہ کی طرف ہوتا ہے۔ باب ابراہیم علیہ السلام سے باب بنی ہاشم (موجودہ باب بنی شیبہ) تک مسجد کا طول بہت ہے، جس کی پیمائش چارسو چوبیس ۴۲۴ ہاتھ (تقریباً ۲۳۶ گز) ہے۔ اور عرض باب الندوہ (موجودہ

باب النبی سے موسوم ہے۔ ان دونوں دروازوں کا درمیانی فاصلہ سو ہاتھ سے زیادہ ہے۔ اس دروازے میں دو محراب ہیں، جب اس دروازہ سے برآمد ہو تو سامنے عطاروں کا بازار ہے جس کی ایک گلی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دولتکدہ تھا۔ حضورؐ اسی دروازہ سے نماز کے لیے مسجد الحرام میں تشریف لاتے تھے۔ اور اسی دروازہ سے نکل کر مشرقی دیوار کی جانب باب علی علیہ السلام ہے۔ یہ وہ دروازہ ہے جس سے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ مسجد میں ادائے نماز کے لیے آتے تھے۔ اس دروازہ کی تین محرابیں ہیں۔ جب اس دروازہ سے مسجد میں جاؤ تو مسجد کے گوشہ پر دوسرا مینارہ ہے جو سعی کے راستہ پر پڑتا ہے۔ اس مینارہ سے جو باب بنی ہاشم میں ہے دوڑنا چاہیے۔ اور یہ مینار بھی منجملہ ان چار میناروں کے ہے (جس کا ذکر سعی صفا مروہ میں ہو چکا ہے) جنوبی دیوار میں (کہ جو دراصل مسجد کا طول ہے) سات دروازے ہیں۔ پہلا دروازہ رکن کے قریب ہے جو نصف دائرہ کی صورت میں ہے، اس کو باب الدقاقین (باب بغلہ) کہتے ہیں۔ یہ دو محرابوں پر قایم ہے اور جب کسی قدر مغرب کی طرف چلیں تو ایک اور دروازہ دو محراب کا ملتا ہے جس کو باب الفسانین (باب پاشا) کہتے ہیں۔ ذرا اور آگے بڑھیں تو باب الصفا ملتا ہے۔ اس دروازہ کی پانچ محرابیں ہیں۔ اور ان میں وسطی محراب بہت بڑی ہے اور دو بغلی چھوٹی ہیں۔ اور رسول مقبولؐ اسی دروازہ سے ہو کر کوہ صفا کو تشریف لے گئے ہیں۔ اور وہاں آپ نے دعا فرمائی ہے۔ اس وسطی محراب کی دہلیز میں ایک بہت ہی سفید پتھر لگا ہوا ہے، یہ پہلے سیاہ رنگ کا تھا، جس پر رسولؐ نے اپنا قدم مبارک رکھا تھا۔ اور اس پتھر میں قدم مبارک کا نقش بن گیا ہے، اور صرف نشان قدم کو سنگ سیاہ سے تراش کر سنگ سفید میں وصل کر دیا ہے۔ چنانچہ پاؤں کی انگلیوں کے پوریں مسجد کے اندر

باب الزاویہ) سمت شمالی سے باب الصفا (سمت جنوبی) تک ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ چوڑائی تین سو چار[۳۰۴] ہاتھ (تقریباً ۱۹۰ گز) ہے۔ اور مدوّر ہونے کی وجہ سے مسجد الحرام کہیں بہت تنگ اور کسی جگہ بہت کشادہ نظر آتی ہے۔ اور مسجد کے چاروں طرف تہرے دالان ہیں، جن کی چھت پٹی ہوئی ہے اور جس کو سنگ رخام کے ستون اُٹھائے ہوئے ہیں۔ اور وسط عمارت بطور چوپڑ کے ہے۔ صحن مسجد (صدر عمارت) کی جانب طولاً پینتالیس[۴۵] محراب ہیں جن پر چھت قایم ہے اور عرض میں تیئیس[۲۳] محراب ہیں اور سنگ مرمر کے جملہ ستون ایک سو چوراسی[۱۸۴] ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ ستون خلفائے عباسیہ کے حکم سے بغداد سے براہ شام (فرات اور بحرالروم سے گزر کر) مکہ معظمہ میں آئے تھے۔ روایت ہے کہ جب یہ ستون مکہ میں پہنچ گئے تو وہ شکستہ رسیاں کہ جن سے کشتیاں اور چرخیاں بندھی ہوئی تھیں فروخت کردی گئیں، تو ساٹھ ہزار مغربی دینار وصول ہوئے۔

ان ستونوں میں سے ایک باب الندوہ میں نصب ہے جو سنگ سرخ کا ہے کہتے ہیں کہ اس ستون کے وزن کے مطابق دینار تول کر قیمت دی گئی تھی اور اس کا وزن تقریباً ایک سو بارہ[۱۱۲] من ہوگا۔

تفصیل ابواب مسجد الحرام

مسجد الحرام میں اٹھارہ[۱۸] دروازے ہیں، اور سب محرابی ہیں۔ جو سنگ مرمر کے ستونوں پر قایم ہیں۔ اور کسی محراب میں ایسا دروازہ نہیں لگایا ہے جس کو کھول سکیں۔ جانب مشرق چار دروازے ہیں، گوشہ شمالی سے (پہلا دروازہ) باب النبی ہے جو تین محراب پر قایم ہے۔ اور اسی دیوار کے گوشہ جنوبی میں ایک دروازہ ہے وہ بھی

---

[۱] اس کل رقبہ میں اب بھی نماز ہوتی تھی۔ ناصر خسرو نے پیمائش میں لفظ ارش استعمال کیا ہے جو گز کے معنی میں ہے موجودہ ارش کی مقدار دس گرہ ہے۔ جس کو عرب عرشون کہتے ہیں۔

واقع ہوئی ہیں۔ بعض حاجی اس نشان قدم کا بوسہ لیتے ہیں۔ اور بعض تبرکاً اس پر پاؤں رکھتے ہیں، لیکن میں نے نقشِ قدم چومنے کو واجب سمجھا۔

باب الصفا سے جانب مغرب تھوڑی دور چل کر باب السطوی (باب[1] الرحمۃ وباب الجیاد) ہی جو دو محراب پر قایم ہی۔ اور تھوڑے فاصلہ پر باب التمارین (باب تکیہ مصری) ہی دو محراب پر۔ اور اس دروازہ سے آگے دو محراب پر باب المعالی (باب حمیدیہ) ہی۔ اور اس کے قریب ابوجہل کا مکان ہی۔ جہاں اس وقت پائخانہ ہی۔ اور مغربی دیوار میں جو دراصل مسجد کا عرض ہی، تین دروازے ہیں۔ چنانچہ پہلے جنوبی گوشہ میں باب عروہ (باب الوداع) ہی، جس میں دو محراب ہیں۔ اور اس ضلع کے وسط میں باب ابراہیم علیہ السلام ہی، جس میں تین محراب ہیں اور شمالی دیوار پر کہ جو مسجد کا طول ہی چار دروازے ہیں۔ چنانچہ مغربی گوشہ میں باب الوسیط (باب العمرہ) ہی، جس میں صرف ایک محراب ہی۔ اس دروازہ سے آگے بڑھ کر مشرق جانب باب العجلہ (باب باسطیہ) ہی۔ یہ دروازہ بھی ایک محراب کا ہی۔ اس دروازہ کے آگے بڑھ کر ضلع شمالی وسط میں دو محراب پر باب الندوہ (باب الزیادہ) قایم ہی۔ اور ذرا اس سے آگے ایک محراب پر باب المشاورہ (باب قاضی) ہی۔ اور گوشہ مسجد الحرام پر پہنچ کر شمال و مشرق میں ایک دروازہ ہی جس کو باب بنی شیبہ کہتے ہیں۔

عمارت خانہ کعبہ خانہ کعبہ صحن مسجد الحرام کے درمیان میں ہی، جس کی شکل یہ ہی کہ عمارت مربع طولانی ہی، جس کا طول شمال سے جنوب کی طرف ہی۔ اور عرض مشرق سے مغرب کی طرف ہی۔ چنانچہ طول تیئس ہاتھ اور عرض سولہ ہاتھ ہی۔ اور خانہ کعبہ کا دروازہ مشرق کی طرف

[1] جو نام قوسین کے اندر ہیں وہ موجودہ زمانہ کے نام ہیں اور قدیم جگہ پر قایم ہیں۔

ہے۔خانہ کعبہ کے اندر جانے پر رکن عراقی داہنے ہاتھ پر پڑتا ہے۔اور رکن حجرالاسود بائیں ہاتھ پر ہوتا ہے۔اور رکن مغربی جنوبی کو رکن یمانی کہتے ہیں۔ اور رکن شمالی غربی کا نام رکن شامی ہے۔

حجر اسود حجرالاسود گوشۂ[ا] دیوار کے ایک بڑے پتھر میں نصب ہے۔اور اس قدر بلند ہے کہ جب ایک قدآور آدمی اس کے سامنے کھڑا ہو تو سنگ اسود اس کے سینہ کے مقابل ہوگا۔حجر اسود کا طول ایک ہاتھ چار انگل اور عرض آٹھ انگل ہے، اور شکل وصورت میں گول ہے۔ اور حجر اسود سے خانہ کعبہ کا دروازہ چار ہاتھ کے فاصلہ پر ہے۔

حجر اسود اور دروازہ خانہ کعبہ کے مابین جو جگہ ہے، اس کا نام **ملتزم** ہے۔ اور خانہ کعبہ کا دروازہ زمین سے چار ہاتھ بلند ہے۔چنانچہ پورے قد کا آدمی زمین پر کھڑا ہو کر چوکھٹ تک پہنچتا ہے۔لکڑی کی سیڑھی بنی ہوئی ہے، اور ضرورت کے وقت لوگ اس پر چڑھ کر خانہ کعبہ کے اندر جاتے ہیں۔ یہ سیڑھی اس قدر چوڑی ہے کہ دس آدمی برابر چڑھ اُتر سکتے ہیں۔اور زمین خانہ کعبہ اسی مقدار سے بلند ہے۔جو بیان کر دی گئی ہے۔

خانۂ کعبہ کے دروازہ کا بیان

خانۂ کعبہ کا دروازہ ساج کی لکڑی کا ہے، جس کے دو پٹ ہیں۔ اور ساڑھے چھ ہاتھ بلند ہے، اور عرض ہر کواڑ کا پونے دو گز ہے۔اس حساب سے دونوں پٹ ۳½ گز کے ہیں۔ دروازوں اور اس کے روکار پر کتابیں ہیں، اور چاندی پر بیل بوٹے بنا کر اس طرح منبت کاری کی گئی ہے کہ اول چاندی کو حل کر کے زمین

[ا] چاندی کے پتر سے ڈھکا ہوا ہے اور تقریباً نو انچ کھلا ہوا ہے۔

بنای ہی، اور پھر اس پر طلائی حروف میں کتابت ہی، اور یہ آیت شریف اوّل سے آخر تک لکھی ہوئی ہی۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ الخ اور چاندی کے دو بڑے کڑے (جو غزنین سے آئے ہیں) ہر ایک پٹ میں لگے ہوئے ہیں۔ (اور اس قدر اونچے ہیں) کہ کسی کا ہاتھ اس پر نہیں پہنچ سکتا ہی۔ اور اسی طرح چاندی کے دو چھوٹے کڑے اور ہیں، جو دونوں پٹوں پر لگے ہیں (اور یہ اس قدر نیچے ہیں) کہ وہاں تک ہر شخص کا ہاتھ پہنچ جاتا ہی۔ اور ایک بڑا قفل چاندی کا چھوٹے کڑوں میں لگا ہوا ہی جس سے دروازہ بند کیا جاتا ہی، اور جب تک یہ قفل نہ کھولیں دروازہ نہیں کھلتا ہی۔

خانہ کعبہ کے اندرونی حصّہ کا بیان

دیوار کی چوڑائی (آنتار) چھ بالشت (۱½ گز) ہی اور فرش سنگ مرمر کا ہی جو بالکل سفید ہی۔ اور تین چھوٹے خلوت کدے[1] ہیں جو مثل چبوترے کے ہیں، جن میں سے ایک دروازہ کے مقابل ہی اور دو جانب شمال ہیں۔ خانہ کعبہ میں اور نیز چھت کے نیچے جس قدر ستون ہیں وہ سب چوکور ترشے ہوئے چوبِ ساج کے ہیں۔ صرف ایک ستون گول ہی اور جانب شمال سنگ سرخ کا ایک بڑا تختہ نصب ہی، جس کو فرش زمین سمجھنا چاہیے۔

روایت ہی کہ رسول مقبولؐ نے اس پر نماز پڑھی ہی، اور جو شخص اس مقام کو پہچانتا ہی، وہ اس جگہ نماز پڑھنے کی کوشش کرتا ہی۔ خانہ کعبہ کی دیواروں پر رنگین سنگ مرمر کے تختے نصب ہیں اور مغربی جانب چھ محرابیں ہیں، جن پر چاندی کے

---

[1] نزہت القلوب میں خانہ کعبہ کی اندرونی مساحت چوالیس ۴۴ گز اور پشت کی جانب سے دیوار کا طول ستائیس ۲۷ گز لکھا ہی ÷ [2] اندر زانیہ کے سوا اب کوئی عمارت باقی نہیں ہی۔

پتر کیلوں سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان محرابوں کی اونچائی قدآدم ہے جن پر پُر تکلف سنہرا (چاندی کی زمین پر) کام ہے، یہ حجرا مین سطح زمین سے بہت بلند ہیں اور کعبہ کی دیوار سطح زمین سے چار ہاتھ اونچی ہے، اور سب سے بلند دیوار چھت تک سنگ مرمر کی ہے۔ جس میں نقاشی کی گئی ہے۔ اور چاروں دیواروں کا بڑا حصّہ طلاکار ہے، جس کے اندر تین خلوت کدے ہیں (جس کا تذکرہ ہوچکا ہے) چنانچہ ایک رکن عراقی میں ہے اور ایک رکن شامی میں، اور ایک رکن یمانی میں، اور ہر گوشہ میں لکڑی کے دو تختے چاندی کی کیلوں سے دیواروں میں جڑے ہیں۔ یہ تختے نوح علیہ السلام کی کشتی کے ہیں، ہر تختہ کا طول پانچ گز اور عرض ایک گز ہے۔ جو خلوت کدہ حجر اسود کے عقب میں واقع ہے اس میں دیبائے سرخ کا فرش ہے۔ جب خانہ کعبہ کے دروازہ سے باہر نکلیں تو داہنے ہاتھ پر ایک زاویہ میں چوپڑ ہے، جو عرضاً وطولاً تین گز ہے۔ اور وہاں زینہ ہے، جس پر سے خانہ کعبہ کی چھت کا راستہ ہے۔ یہاں ایک منزل پر نقرئی دروازہ قایم ہے اس کو باب الرحمۃ (باب التوبہ) کہتے ہیں۔ اور چاندی کا قفل دروازہ پر لگا رہتا ہے۔ جب کوٹھے پر چڑھیں تو ایک دوسرا پست دروازہ ہے، اور زینہ کے دروازہ کی طرح اس پر بھی چاندی کے پتر ہیں۔ خانہ کعبہ کی چھت لکڑی سے پٹی ہوئی ہے۔ اور دیبا کی چھت گیری لگی ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے کی لکڑیاں (دھنی یا میال) نظر نہیں آتی ہیں۔ اور خانہ کعبہ کے سامنے والی دیوار پر (کارنس کے قریب ایک زرین چوکھٹا جڑا ہوا ہے جس میں سلطان مصر کا نام لکھا ہوا ہے۔ جس نے مکہ معظمہ کو خلفائے عباسیہ کے قبضہ سے نکالا تھا (یہ واقعہ سنہ ۳۷۰ھ م سنہ ۹۸۰ء کا ہے۔ اس سلطان کا نام[۱] [۱۹۹] العزیز لدین اللہ (اور اس کا دوسرا نام العزیز باللہ ہے)، اور چار بڑے بڑے نقرئی چوکھٹے اور بھی مسلسل دیوار خانہ کعبہ پر چاندی کی کیلوں سے جڑے ہوئے ہیں اور ہر ایک پر خلفائے مصر کا نام لکھا ہوا

---

[۱] صحیح نام المعز الدین اللہ ہے۔

ہے۔ جنھوں نے اپنے عہد حکومت میں یہ چوکھٹے بھیجے تھے۔

ستونوں کے درمیان میں چاندی کی تین قندیلیں آویزاں ہیں اور خانہ کعبہ کی پشت (دیوار) رخام یمانی کی ہے۔ جو بلور کی طرح چمکتی ہے۔ اور چھت کے سر چہار گوشہ میں روشندان ہیں۔ اور ہر ایک پر کانچ کے شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ جس میں سے روشنی چھن کر آتی ہے اور بارش کا پانی بھی نہیں آتا ہے۔

خانہ کعبہ کی چھت پر جانب شمال عین وسط میں پرنالہ لگا یا ہے۔ یہ پرنالہ تین گز لانبا ہے۔ جس پر سونے کا ملمع ہے۔

غلاف کعبہ سفید رنگ کا تھا۔ اور دو جگہ نقاشی تھی۔ اور یہ کام ایک گز عرض میں بنایا گیا تھا، اور دونوں طرازوں (منقش کام) کے مابین اوپر نیچے تقریباً دس گز کا فاصلہ تھا۔ چنانچہ ان طرازوں کی وجہ سے خانہ کعبہ کی بلندی تین حصوں پر تقسیم ہو جاتی ہے۔ یعنی ہر حصہ تقریباً دس گز کا ہے۔ اور غلاف کے چاروں طرف رنگین محراب کے نشانات بُناوٹ میں ہیں جو سونے کے تاروں سے بُنے گئے ہیں، اور جن میں نقاشی کی گئی ہے۔ ہر دیوار میں تین محراب ہیں چنانچہ وسطی محراب بڑی ہے اور بغلی چھوٹی ہیں۔ اس طرح چاروں دیواروں پر بارہ محرابیں قایم ہیں۔ اور اسی مکان کے جانب شمال یعنی خانہ کعبہ کے باہر ایک دیوار ڈیڑھ گز کی ہے۔ جس کے دونوں سرے ارکان خانہ کعبہ تک چلے گئے ہیں یہ دیوار قوس نما یعنی نصف دائرہ کی صورت میں ہے۔ جس کا فاصلہ دیوار خانہ کعبہ سے پندرہ گز ہے۔ چنانچہ یہ دیوار اور یہاں کی زمین رنگین اور منقش سنگ مرمر کی ہے اور اس جگہ کا نام حجر ہے۔

حجر خانہ کعبہ کی چھت سے پرنالہ کا پانی اسی حجر میں گرتا ہے۔ پرنالے کے نیچے سنگ سبز کا محراب نما ایک پتھر تراش کر رکھ دیا ہے جس پر پانی گرتا ہے۔

اور یہ پتھر اس قدر بڑا ہے، جس پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔

مقام ابراہیم

مقام[1] ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ سے مشرق جانب ہے۔ یہ ایک پتھر ہے۔ جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات ہیں، چنانچہ اس کو ایک دوسرے پتھر میں تراش کر وصل کر دیا ہے جس پر ایک چوکور لکڑی کا خوبصورت غلاف چڑھا ہوا ہے جو بلندی میں قدِ آدم ہے۔ جس کے چاروں گوشوں پر چاندی کی کلسیاں بنی ہوئی ہیں، غلاف کو دو طرف سے زنجیروں میں اٹکا کر بڑے پتھروں سے باندھ دیا ہے، اور دوہرے تالے لگے ہوئے ہیں۔ تاکہ اس پر کسی کا ہاتھ نہ پہنچے، مقام ابراہیم اور خانہ کعبہ میں بیس ہاتھ کا فاصلہ ہے۔

چاہِ زمزم کا بیان[2]

چاہ زمزم اور اس کی عمارت

چاہِ زمزم خانۂ کعبہ سے جانب مشرق، اور حجر اسود کے گوشہ پر ہے زمزم اور خانہ کعبہ کے درمیان چھیالیس ہاتھ کا فاصلہ ہے۔ زمزم[2] کا محیط ساڑھے تین گز مربع ہے، اور پانی میں کھاری[3] پن ہے، لیکن پی سکتے ہیں۔ زمزم کے چاروں طرف سنگ مرمر کا جنگلہ (کٹھرہ) لگا دیا ہے، جس کی اونچائی دو ہاتھ ہے، اور زمزم کے چاروں طرف حوض بنا دیے ہیں جس میں پانی جمع ہوتا ہے اور لوگ وضو کرتے ہیں۔ چاہ زمزم کے دہانے پر جالی دار لکڑی کا چوکھٹا جڑا ہوا ہے۔ چنانچہ جس قدر پانی گرتا

---

[1] اب ایک حجرے کے اندر ہے۔ جس کے باہر ایک در کا چھوٹا سا دالان ہے اور یہی مصلّے شافعی ہے جس کو امام شافعی نے باتباع حضرت عمر مصلّے قرار دیا تھا۔ اور اسی مقام پر آیت واتخذ و من مقام ابراہیم مصلّی نازل ہوئی تھی۔

[2] نزہت القلوب میں لکھا ہے کہ چاہِ زمزم کا عمق چالیس گز اور اس کا دہانہ گیارہ گز تھا، اور چوب ساج کا قبہ تھا۔

[3] اس کا مزہ مختلف اوقات میں بدلتا رہتا ہے۔

ہے وہ کنوئیں کے اندر چلا جاتا ہے۔

زمزم کی عمارت کا دروازہ مشرق جانب ہے۔

سقایۃ الحاج اس عمارت کے برابر جانب مشرق ایک مربع عمارت اور ہے۔ جس پر گنبد (قبہ) ہے اور اس کا نام سقایتہ الحاج ہے۔

اس مکان کے اندر پانی کے مٹکے رکھے ہوئے ہیں، جس سے حجاج پانی پیتے ہیں۔

اور اس سقایتہ الحاج کے مشرق کی طرف ایک دوسرے طولانی عمارت ہے۔ جس پر تین گنبد ہیں۔

خزانتہ الزیت اس کا نام خزانتہ الزیت (روغن زیتون کا گودام) ہے۔ جس کے اندر شمعیں روغنِ زیتون اور قندیلیں رکھی رہتی ہیں۔ خانہ کعبہ کے چاروں طرف ستون قایم ہیں، اور دو دو ستونوں پر لکڑی کے پٹاؤ رکھے ہوئے ہیں جن پر پُرتکلّف نقش و نگار ہیں، جس میں کنڈے اور کانٹے (ہُک) جڑے ہوئے ہیں، تاکہ رات کو ان کے اندر شمع اور چراغ روشن کیے جائیں۔ اور اس میں قندیلیں لٹکاتے ہیں اور اس نورانی سلسلہ کا نام مشاعل ہے۔ خانہ کعبہ کی دیوار سے مشاعل مذکور کا فاصلہ ڈیڑھ سو گز ہے اور یہی محل طواف ہے۔ مسجد الحرام کے صحن میں خانہ کعبہ کے علاوہ تین عمارتیں ہیں۔ ایک عمارت زمزم، دوسرا سقایتہ الحاج اور تیسرا خزانتہ الزیت ہے۔

اور مسجد الحرام کے اطراف میں جو سائبان ہے، اس کے نیچے دیوار سے متصل بلادِ مغرب، مصر، شام و روم، عراقین، خراسان، ماوراالنہر وغیرہ کے مساکین کے لیے) صندوق (گولک) رکھے ہیں۔

امیر مکہ کا محل مکہ معظمہ سے جانب شمال چار فرسنگ کے فاصلہ پر ایک

ناحیہ ہے جس کو برقہ کہتے ہیں، امیر مکہ کی یہاں سکونت ہے، اور اسی جگہ امیر کی فوج بھی رہتی ہے۔ برقہ میں نہر اور باغات ہیں، اور یہ ناحیہ دو فرسنگ طولانی ہے اور اسی قدر عرض بھی ہے۔

میں اس سال ابتدائے رجب سے مکہ معظمہ میں مجاور تھا۔ اور مکہ والوں کا دستور ہے کہ رجب کے مہینے میں روزانہ سورج نکلتے ہی خانہ کعبہ کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

خانہ کعبہ کے دروازہ کھولنے کا بیان

متولیان خانہ کعبہ خانہ کعبہ کا کلید بردار عربوں کا ایک قبیلہ بنی شیبہ ہے جو خانہ کعبہ کے متولی ہیں۔ خلیفہ مصر کی جانب سے ان متولیوں کو تنخواہ اور خلعت ملا کرتا ہے۔

افتتاح دروازہ کا بیان اس قبیلہ کا ایک سردار ہے، جس کے پاس کنجی رہتی ہے۔ جب وہ دروازہ کھولنے آتا ہے، تو پانچ چھ آدمی اس کے ہمراہ ہوتے ہیں، یہ لوگ جب دروازہ پر پہنچتے ہیں، تو دس حاجی اس سیڑھی کو اٹھا کر لاتے ہیں (جس کا ذکر کر چکا ہوں) اور دروازہ کے سامنے کھڑی کر دیتے ہیں، اور وہ بوڑھا سردار اس پر چڑھ کر دہلیز پر کھڑا ہوتا ہے، اور دو شخص اور بھی اس کے ہمراہ ہوتے ہیں۔ اور دیبائے زرد کی چادر کھولتے ہیں، جس کا ایک سرا ایک آدمی کے ہاتھ میں اور دوسرا سرا دوسرے کے ہاتھ میں ہوتا ہے، اور اس بوڑھے سردار کو (بطور پردہ) چادر میں چھپا لیتے ہیں تاکہ وہ قفل کھولے، چنانچہ وہ قفل کھولتا ہے، اور قفل کو کڑوں سے نکالتا ہے، اس وقت حاجیوں کا ایک گروہ دروازہ پر جمع رہتا ہے، اور دروازہ کھلتے ہی

میں بھی دوشنبہ، پنجشنبہ اور جمعہ کو خانۂ کعبہ کا دروازہ کھولتے ہیں اور جب ذیقعدہ کا مہینہ شروع ہو جاتا ہے، تو پھر دروازہ نہیں کھلتا۔

عُمرۂ جعرانہ [۲۰۲]

جعرانہ

مکہ معظمہ سے چار فرسنگ پر، جانب شمال ایک مقام ہے جس کو جعرانہ کہتے ہیں۔ ایک مرتبہ رسول مقبول جعرانہ میں مع فوج کے مقیم تھے کہ سولھویں ذیقعدہ کو آپ احرام باندھ کر مکہ میں تشریف لائے، اور عمرہ کیا۔ جعرانہ میں دو کنویں موجود ہیں۔ ایک کو بیرالرسول اور دوسرے کو بیرعلی (صلوات اللہ علیہما) کہتے ہیں، دونوں کا پانی بہت ہی میٹھا ہے۔ اور دونوں میں دس گز کا فاصلہ ہے۔ اس قدیم سنت کو لوگ برتتے ہیں، اور اس موسم میں عمرہ کرتے ہیں۔ ان کنوؤں کے پاس ایک پہاڑی ہے، جس کے پتھروں میں گڑھے پڑ گئے ہیں، اور ان کی صورت پیالہ نما ہے، روایت ہے کہ رسول مقبول نے اپنے ہاتھ سے ان گڑھوں میں آٹا گوندھا ہے چنانچہ جو حاجی یہاں آتے ہیں وہ بھی ان گڑھوں میں چاہات مذکور سے پانی لے کر آٹا گوندھتے ہیں، یہاں لکڑی کی افراط ہے، چنانچہ حاجی لکڑیاں توڑ کر روٹی پکاتے ہیں، اور تبرکاً ملکوں ملکوں لے جاتے ہیں۔

اور اسی جگہ ایک دوسری پہاڑی ہے، جس پر حضرت بلالِ حبشی نے کھڑے ہو کر اذان دی تھی۔ چنانچہ حاجی بھی اسی جگہ اذان دیا کرتے ہیں۔ فی زمانناً ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ہزار سے زیادہ اونٹوں کی عماریاں نظر آتی تھیں، معمولی اونٹوں کا کیا شمار ہے۔

مصر سے مکہ معظمہ تک جس راستہ سے اس مرتبہ میں آیا ہوں اس کا فاصلہ تین سو فرسنگ تھا، اور مکہ سے یمن بارہ فرسنگ ہے۔

وہ ہاتھ اٹھاکر (بلند آواز سے) دعا مانگتے ہیں۔ اور جو لوگ شہر میں ہوتے ہیں وہ حاجیوں کی آواز سن کر سمجھ لیتے ہیں کہ حرم کا دروازہ کھل گیا، اب بالاتفاق حجاج اونچی آواز سے دعا مانگتے ہیں" اور اس کی آواز سے مکہ گونج اٹھتا ہے۔ اور وہ بوڑھا سردار حرم میں داخل ہوتا ہے، اور وہ دو آدمی اسی طرح پردہ کیے کھڑے رہتے ہیں، اور وہ بوڑھا دو رکعت نماز پڑھ کر حرم سے واپس آتا ہے، اور خانہ کعبہ کے دروازہ (دونوں پٹ) کھول دیتا ہے، اور آستانہ پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتا ہے، اور بلند آواز سے رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام اور ان کے اہل بیت پر درود کا ہدیہ بھیجتا ہے۔ بعد ازاں وہ بوڑھا اور اس کے ہمراہی دروازہ کے دونوں طرف کھڑے ہو جاتے ہیں، اور حاجی اندر آنا شروع ہوتے ہیں، اور حرم میں پہنچ کر دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد واپس ہوتے ہیں، اور یہ سلسلہ دوپہر تک قایم رہتا ہے۔ جب خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے ہیں تو منہ دروازہ کی طرف ہوتا ہے، اور دوسری طرف بھی منہ کرنا جائز ہے، مگر یہ اس وقت ہو سکتا ہے کہ خانہ کعبہ بھر چکا ہو اور دوسروں کے لیے گنجایش نہ ہو۔ میں نے شمار کیا تو اس وقت سات سو بیس[۲۰] حاجی تھے۔

یمن کے قافلے حج کو آتے ہیں

یمنی اور ہندی کی نسلی مشابہت

عموماً یمنی ہندوؤں کی طرح لنگی باندھتے ہیں، اور سر کے بال کاندھوں پر پڑے رہتے ہیں، اور داڑھیاں بٹی ہوئی ہوتی ہیں، اور ہندوؤں کی طرح قطیف[۲۱] کا بنا ہوا کٹار کمر میں لگائے رہتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہنود کا مرز بوم (اصلی وطن) یمن ہے۔ اور کتارہ (کٹار) کو معرب کر کے فتالہ کر لیا ہے۔ شعبان، رمضان اور شوال

میدان عرفات اور جبل الرحمتہ

عرفات کا میدان[۲۰۳] پہاڑیوں کے اندر ایک پشتہ کے مانند ہی۔ جس کا طول دو فرسنگ اور عرض دو فرسنگ ہی اس میدان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کردہ ایک مسجد ہی، چنانچہ اینٹ کا ٹوٹا پھوٹا منبر ہنوز باقی ہی۔ جب ظہر کی نماز کا وقت آتا ہی تو خطیب منبر پر کھڑا ہو کر خطبہ پڑھتا ہی، پھر اذان ہوتی ہی، اور دو رکعت نماز جماعت سے مسافروں کی طرح پڑھتے ہیں، پھر سب مل کر تکبیر کہتے ہیں، اور دو رکعت نماز جماعت سے ادا کرتے ہیں۔ اس کے بعد خطیب اونٹ پر سوار ہوتا ہی۔ اور سب مشرق کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ ایک فرسنگ کے فاصلہ پر ایک چھوٹی سی پہاڑی ہی، جس کو جبل الرحمتہ کہتے ہیں، وہاں کھڑے ہو کر دعا مانگتے ہیں، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جاتا ہی۔

ابن شادول مذکور نے جو امیر عدن تھا۔ بصرف کثیر ایک پہاڑ سے (جو یہاں سے فاصلہ پر ہی) نہر نکال کر عرفات کے میدان میں لے گیا ہی، اور یہاں حوض بنائے ہیں جو حج کے زمانہ میں پانی سے لبریز کر دیے جاتے ہیں کہ حاجیوں کو پانی کی تکلیف نہ ہو۔ اور نیز ابن شادول نے جبل الرحمتہ پر چار بڑی محراب بنائی ہیں، جس کے گنبد پر قیام عرفات کے دنوں میں چراغ اور شمعیں روشن کی جاتی ہیں، جس کی روشنی دو فرسنگ سے نظر آتی ہی۔ ایسا مشہور ہی کہ امیر مکہ نے ایک ہزار دینار لے کر تعمیر کی اجازت دی تھی۔

ناصر خسرو کا چوتھا حج سنہ ۴۴۲ھ

نویں ذی الحجہ سنہ ۴۴۲ھ کو (توفیق الٰہی سے) میں نے چوتھا حج کیا۔ اور غروب آفتاب کے بعد حجاج اور خطیب عرفات سے چل کر) ایک فرسنگ کے فاصلہ پر مشعر الحرام میں آکر ٹھیرے جس کو مزدلفہ[۲۰۴] کہتے ہیں۔ اس مقام پر ایک خوبصورت عمارت مقصورہ کی

طرح بنائی ہی جہاں حاجی نماز پڑھتے ہیں اور منیٰ میں جو کنکریاں پھینکتے ہیں وہ اسی جگہ سے اٹھاتے ہیں۔

منیٰ اور مسجد خیف دستور یہ ہی کہ عید کی رات کو مزدلفہ میں ٹھیرتے ہیں اور یہاں صبح کی نماز پڑھتے ہیں، اور سورج نکلتے ہی منیٰ چلے جاتے ہیں اور اسی جگہ حاجی قربانی کرتے ہیں۔ منیٰ میں ایک بڑی مسجد ہی جس کو مسجد خیف کہتے ہیں۔ اس دن خطبہ اور عید کی نماز پڑھنے کا دستور نہیں ہی۔ اور نہ اس پر رسول اللہ صلعم نے عمل فرمایا ہی۔ دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں ٹھیرتے ہیں اور کنکریاں پھینکتے ہیں، جس کی تفصیل مناسک حج میں بیان کی گئی ہی۔ بارھویں تاریخ کو جس کا دل چاہے وہ منیٰ سے اپنے مقام کو واپس جائے اور جس کو مکہ جانا ہو وہ مکہ چلا جائے۔ چنانچہ حج سے فارغ ہو کر میں خانہ کعبہ سے رخصت ہوا اور ایک بدوی کا اونٹ لحسا تک کرایہ کیا۔ مکہ معظمہ سے لحسا تک بیان کرتے ہیں کہ تیرہ یوم میں پہنچتے ہیں۔

۱۲۔ مکہ معظمہ سے ناصر خسرو کی روانگی اور ملک یمن کا سفر جمعہ کے دن انیسویں ذی الحجہ ۴۴۲ھ (مطابق خرداد) کو مکہ معظمہ سے چل کر سات فرسنگ کے فاصلہ پر ایک مرغزار ملا، یہاں سے کوہستانی سلسلہ شروع ہوا، جب میں اس پہاڑی راستہ سے چلا، تو سامنے جنگل تھا جس میں آبادی بھی تھی، اور ایک کنواں ملا جو بیر الحسن بن سلامۃ کے نام سے مشہور تھا۔ ہوا سرد تھی، اور راستہ مشرق کو جا رہا تھا، چنانچہ دوشنبہ کے دن بائیسویں ذی الحجہ کو میں شہر طائف میں پہنچا، جس کی مسافت مکہ سے بارہ فرسنگ تھی۔

طائف[۲۰۵] طائف ایک ناحیہ ہی، جو پہاڑ پر آباد ہی، خرداد (جون) کے

مہینہ میں اس قدر سردی تھی کہ لوگ دھوپ میں بیٹھتے تھے، اور مکہ معظمہ میں خربوزہ بافراط تھا۔ قصبہ طائف ایک چھوٹا سا شہر ہے، جس کا قلعہ مستحکم ہے، ایک مختصر سا بازار بھی ہے، اور معمولی سی مسجد بھی۔ پانی کے چشمے ہیں، انار اور انجیر کے درخت بافراط ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا مزار شہر کے قریب ہے۔ خلفائے عباسیہ نے اس جگہ ایک بڑی مسجد تعمیر کی ہے، جس کے ایک گوشہ میں مزار کو شامل کرلیا ہے۔ اور اس کے دائیں ہاتھ پر محراب و منبر ہے۔ مسجد کے قریب لوگوں نے مکانات بناکر سکونت اختیار کی ہے۔

اب ہم طائف سے روانہ ہوئے، راستے میں پہاڑ اور کھنڈرات نظر آئے، دوران سفر میں ہر جگہ چھوٹی چھوٹی گڑھیاں اور مزرعے ملتے رہے، کھنڈرات میں ایک چھوٹا سا ویران قلعہ مجھے دکھایا گیا، بدویوں نے کہا کہ یہ لیلیٰ کا مکان تھا، اور ان کا قصہ عجیب ہے۔

ناحیہ ثُریا اور قلعہ مطار

یہاں سے ہم ایک قلعہ میں پہنچے جس کو مطار کہتے ہیں۔ یہ مقام طائف سے بارہ فرسنگ ہے۔ مطار سے ناحیہ ثریا میں آئے، یہاں کھجوروں کے باغات تھے، اور کھیتوں میں ذریعہ رہٹ چاہات سے پانی دے رہے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس ناحیہ میں کوئی حاکم اور سلطان نہیں ہے، بلکہ ہر جگہ اسی قبیلہ کا ایک سردار ہے، مگر یہ سب چور ڈاکو ہیں، ہر روز آپس میں لڑا کرتے ہیں۔ طائف سے اس منزل تک پچیس فرسنگ قیاس کرتے ہیں۔

حصن بنی نسیر اور قلعہ جزع

ثریا سے چل کر قلعہ جزع ملا، نصف فرسنگ میں چار قلعے تھے، ان میں سے جو سب سے بڑا قلعہ تھا، اور جس میں ہم ٹھیرے تھے، اس قلعہ کا نام حصن بنی نسیر تھا۔ کھجور کے

درخت کم تھے۔ اور ہم نے جس بدو کا اونٹ کرایہ کیا تھا، اس کا مکان جزع میں تھا۔ چنانچہ پندرہ دن تک یہاں ٹھیرنا پڑا، کیونکہ کوئی راہ نما موجود نہ تھا جو دوسری منزل تک پہنچائے، اس علاقہ میں عرب کے ہر قبیلے کی ایک جداگانہ چراگاہ، (بیڑ) ہے، اور کوئی بیگانہ اس علاقہ میں نہیں جا سکتا ہے، کیونکہ جس کو بلا راہ نما کے پا جاتے ہیں اس کو گرفتار کر کے کپڑے تک اتار لیتے ہیں۔ لہٰذا ہر قوم کی طرف سے ایک بدرقہ مقرر ہے جو مسافر کو اپنی حد تک پہنچاتا ہے۔ (خضیر، بدرقہ اور قلاوز کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی راہ نما) آیندہ منزل میں اعراب بنی سواد کا علاقہ آنے والا تھا چنانچہ اتفاق سے اس قبیلہ کا ایک سردار جزع میں آگیا، ہم نے اس کو بدرقہ میں لے لیا۔

ناصر خسرو کی سیاحت کا ساتواں سال محرم ۴۴۲ھ

اس سردار کا نام ابو غانم عبس بن البعیر تھا، چنانچہ ہم ابن البعیر (اونٹ کا بچہ) کے ہمراہ روانہ ہوئے ایک گروہ ہماری طرف لپکا، اور سمجھے کہ اچھا شکار ہاتھ لگا، کیونکہ یہ قبائل ہر بیگانہ شخص کو صَید (شکار) کہتے ہیں۔ چونکہ ان کا سردار ہمارے ہمراہ تھا، اس وجہ سے کوئی شخص نہ بولا، ورنہ یہ ہم کو قتل ہی کر ڈالتے۔ غرضکہ اس قبیلہ میں چند روز ٹھیرنا پڑا، کیونکہ اگلی منزل کے لیے بدرقہ نہ تھا، چنانچہ اس منزل سے دس دس دینار کے معاوضہ پر دو راہ نما ہمراہ لیے (تاکہ وہ دوسرے قبیلہ تک پہنچا دیں۔) ان ہی قبایل میں ایک قبیلہ تھا جس کے ہفتاد سالہ بڈھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ تمام عمر میں اونٹ کے دودھ کے سوا ہم نے کچھ نہیں کھایا ہے، کیوں کہ ان جنگلوں میں کچھ پیدا ہی نہیں ہوتا ہے البتہ ایک کڑوی کسیلی گھانس ہوتی ہے، جس کو اونٹ کھاتا ہے، ان بدیوں کا خیال تھا کہ ساری دنیا ایسی ہی ہو گی۔ الغرض میں قبیلہ قبیلہ گھومتا پھرا، اور

ہر جگہ جان کا خطرہ تھا، لیکن یہ محض خدائے پاک کی مرضی تھی کہ ہم لوگ ان منزلوں سے صحیح وسلامت نکل آئے۔

برمایا سرما کے آثار قدیمہ

اب ہم ایسے کھنڈرات میں پہنچے جس کو ہرما کہتے تھے، گنبد کی طرح پہاڑیاں تھیں کہ میں نے ویسی کسی ملک میں نہیں دیکھیں، اور اس کی اونچائی اس قدر تھی کہ تیر پہنچ سکے، اور بیضۂ مرغ کی طرح چمکدار، ہموار اور سخت تھیں، جس میں کوئی شگاف بھی نہ تھا۔ اس منزل سے آگے بڑھے، ہمارے ساتھی جب سوسمار (گوہ) دیکھتے تھے تو مار کر کھا جاتے تھے۔ اور جہاں عربوں کی آبادی ہوتی تھی وہاں اونٹنی کا دودھ دوہتے تھے، میں نہ سوسمار کا گوشت کھاتا تھا اور نہ یہ دودھ پیتا تھا، راستہ میں جہاں کوئی پھل دار درخت ملتا (جس کے پھل اُڑد کے برابر تھے) اس کے چند پھل توڑ کر رکھ لیتا، اور اسی پر قناعت کرتا تھا۔ چنانچہ بڑی مصیبت اور تکلیف کے بعد تیئس ۲۳ صفر کو فلج میں پہنچا، مکہ معظمہ سے یہاں تک ایک سو اسی فرسنگ کی مسافت تھی۔

فلج ۲۰۶

وسط جنگل میں ہر کسی زمانہ میں بڑا ناحیہ تھا۔ لیکن اب تعصب کے ہاتھوں برباد ہو رہا ہے، جب میں یہاں آیا ہوں تو آباد تھا، جس کا طول ڈیڑھ میل اور عرض ایک میل تھا۔ اور اس رقبہ کے اندر چودہ قلعے تھے، یہاں کے باشندے چور مفسد اور جاہل ہیں۔ یہ چودہ قلعے دو حصوں پر تقسیم تھے، کیونکہ ان قبائل میں ہمیشہ سے پھوٹ اور دشمنی چلی آتی تھی، اور ان کا قول تھا کہ ہم لوگ اصحاب کہف کی نسل سے ہیں۔ جن کا خدا نے کلام مجید میں تذکرہ کیا ہے۔ اس جگہ چار کاریزیں تھیں، جن سے نخلستان میں پانی جاتا تھا ان کی کھیتیاں بلندی پر تھیں۔ اور کھیتوں کی آبپاشی کا بڑا ذریعہ چاہات ہیں

اونٹوں سے ہل جوتتے تھے، کیونکہ میں نے اس نواح میں کہیں بیل نہیں دیکھے
کاشت کی مقدار قلیل تھی۔ ایک آدمی کی روزانہ اُجرت دس سیر غلہ ہے، اور یہی ان
کی خوراک ہے، نماز مغرب سے دوسری نماز مغرب تک، رمضان المبارک کی طرح
کچھ نہیں کھاتے ہیں، صرف دن میں کھجوریں کھالیتے ہیں۔ اس علاقہ کی کھجور بصرہ
وغیرہ کے مقابلہ میں بہت اچھی ہیں۔ یہاں کے آدمی مفلس ہیں اور بدنصیب کیونکہ
باوجود افلاس کے آئے دن لڑتے ہیں اور خونریزیاں کرتے ہیں۔ یہاں ایک خاص
قسم کی کھجور پیدا ہوتی ہے، جس کا نام میدون ہے۔ اس کا وزن دس درہم کے برابر
ہوتا ہے اور گٹھلی کا وزن تقریباً ڈیڑھ دانگ، بیان کیا جاتا ہے کہ اگر بیس سال تک یہ
کھجوریں رکھی رہیں تو خراب نہیں ہوتی ہیں۔

فلَج والوں کا لین دین نیشاپوری روپیہ سے تھا، فلج میں میرا قیام چار مہینے
رہا، مگر ایسی حالت میں کہ جس سے زیادہ سخت مصیبت نہیں ہوسکتی ہے، کتابوں
کی دو خرجیوں کے سوا میرے پاس ایک کوڑی بھی نہ تھی اور یہ اعراب (بدوی)
ننگے بھوکے اور جاہل تھے۔ جب نماز پڑھنے آتے تو تلوار و سپر باندھ کر آتے
تھے، اور کتابوں کے خریدار نہ تھے۔ میں ایک مسجد میں مقیم تھا اور میرے پاس
کسی قدر لاجورد اور شنجرف موجود تھا، چنانچہ میں نے دیوارِ مسجد پر اس رنگ سے
ایک بیت لکھا اور اس کے اندر بیل بوٹے بنائے جس کو دیکھ کر یہ بدوی حیرت زدہ
رہ گئے اور سب قلعے والے جمع ہوکر دیکھنے آئے اور مجھ سے درخواست کی کہ
اگر اس مسجد کی محراب میں ایسی ہی گُل کاری کردو تو سو من کھجوریں نذر کریں گے
اور یہ مقدار ان کے نزدیک بڑی مالیت تھی اس لیے کہ میرے قیام کے زمانہ
میں عرب سے یہاں ایک فوج آئی تھی اور سپاہی ان سے پانسو من کھجوریں مانگتے
تھے، مگر انھوں نے نہ دیں اور آمادۂ جنگ ہوگئے۔ چنانچہ قلعے کے دس آدمی

مارے گئے اور عربوں نے ایک ہزار نخل کاٹ ڈالے، لیکن اس پر بھی اُنھوں نے دس من کھجوریں نہ دیں۔ جب مجھ سے معاہدہ ہوگیا تو میں نے اس محراب کو نقش و نگار سے آراستہ کر دیا اور ان سو من کھجوروں سے میری حاجت روائی ہوگئی کیونکہ میں تو زندگی سے مایوس ہو رہا تھا اور فلیج میں کھانے کو کچھ نہ ملتا تھا اور اس کا تو وہم و گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کبھی اس جنگل سے رہائی نصیب ہوگی کیونکہ اس مقام سے چاروں طرف جب تک دو سو فرسنگ کا خوفناک اور مہلک جنگل طے نہ کیا جائے، کسی آبادی کی صورت نظر نہیں آسکتی تھی۔ میں نے چار مہینے میں کسی جگہ پانچ من گیہوں کا انبار نہیں دیکھا، آخر کار ایک قافلہ شہر یمامہ سے آیا جو ادیم (خوشبودار چمڑہ) خرید کرتا ہے اور یہ ادیم خرید کر لحسا کو لے جاتے ہیں۔ اور پھر یمن سے فلیج میں لاتے ہیں اور سوداگروں کے ہاتھ بیچتے ہیں۔ ایک عرب مجھے بصرہ لے جانے پر آمادہ تھا، لیکن میرے پاس کچھ نہ تھا جو کرایہ میں ادا کرتا۔ اور یہاں سے بصرہ دو سو فرسنگ کے فاصلہ پر تھا اور اونٹ کا معمولی کرایہ ایک دینار تھا حالانکہ ایک اچھا اونٹ دو تین دینار میں فروخت ہوتا تھا، مگر چونکہ میرے پاس نقدی نہ تھی بلکہ معاملہ ادھار پر تھا، اس لیے مجھ سے کہا جاتا تھا کہ تیس دینار ادا کرو تو بصرہ پہنچا دیں۔ میں نے مجبوراً منظور کیا، کیونکہ میں نے کبھی بصرہ دیکھا بھی نہ تھا۔ معاہدہ کے بعد عربوں نے کتابوں کی خُرجیاں اونٹ پر لاد دیں۔ اور میرے بھائی (خواجہ ابوسعید) کو سوار کر لیا اور میں پیادہ ساتھ ہولیا اور بنات النعش کے مطلع کی طرف روانہ ہوئے، زمین ہموار تھی۔ پہاڑ اور ٹیلے نہ تھے، جہاں زمین بہت سخت تھی، وہاں برسات کا پانی جمع تھا۔ اور دن رات چلتے تھے کہیں راستہ کا نشان نظر نہ آتا تھا، لیکن تعجب[۱] ہے کہ صرف بانسلی کی آواز پر دن رات

---

[۱] اصل جملہ یہ ہے "شب و روز میرفتند کہ ہیچ جا اثرِ راہ پدید نبود اِلّا بر سماع میرفتند"۔ سماع سے بدویوں کی حُدی خوانی مراد ہے۔

بغیر راستہ و نشان کے یہ اونٹ بھاگے چلے جاتے تھے، ناگاہ ایک کنوئیں پر پہنچے جس میں پانی تھا۔ الغرض چار شبانہ روز میں یمامہ پہنچے۔

یمامہ ۲۰۲ | یمامہ میں ایک بڑا اور پرانا قلعہ تھا، اور قلعہ کے باہر شہر اور بازار ہے، جس میں ہر قسم کے دستکار موجود تھے۔ اور جامع مسجد خوبصورت ہے۔ اس ملک کے امیر قدیم زمانہ سے علوی چلے آتے ہیں اور کسی غیر نے اس علاقہ پر قبضہ نہیں کیا ہے، کیونکہ اس ناحیہ کے قریب کوئی دوسرا زبردست سلطان و بادشاہ نہیں ہے۔ ان علوی امیروں کی بھی ایک شان و شوکت ہے۔ جلو میں تین چار سو سوار نکلتے ہیں، اور ان کا مذہب زیدی ہے۔ اقامت میں یہ الفاظ کہتے ہیں "محمد و علی خیر البشر وحی علی خیر العمل"۔

یمامہ سادات کی بستی ہے، کاریزوں سے پانی بہتا رہتا ہے۔ اور نخلستان ہیں جس سال کھجوروں کی فصل اچھی ہوتی ہے، تو ایک دینار میں سینتیس ۳۷ من تک بک جاتی ہیں۔ یمامہ سے لحسا چالیس فرسنگ شمار کرتے ہیں۔ سفر کے لیے موسم سرما مناسب ہے، کیونکہ برساتی پانی جابجا ملتا ہے، جس کو پی سکتے ہیں اور گرمیوں میں پانی نہیں ملتا ہے۔

شہر لحسا ۲۰۳

لحسا | شہر لحسا جنگل کے کنارے آباد ہے، کیونکہ جس طرف سے جانا چاہو ایک بڑا جنگل طے کرنا پڑے گا۔ اور لحسا سے قریب تر اسلامی شہر جس میں سلطان رہتا ہے وہ بصرہ ہے۔ لحسا سے بصرہ کا فاصلہ ایک سو پچاس فرسنگ ہے اور بصرہ کے کسی سلطان نے کبھی لحسا پر فوج کشی کا خیال نہیں کیا ہے۔

شہر لحسا کی تعریف

ابوسعید قرمطی فرمانروائے لحسا کے حالات اور متفرق واقعات

لحسا ایک ایسا مقام ہو کہ جس میں شہر اور دیہات کی شان پائی جاتی ہو اور اس میں ایک قلعہ بھی ہو، شہر کے چاروں طرف مٹی کی چار مضبوط فصیلیں ہیں، جو یکے بعد دیگرے واقع ہیں فصیل کی دونوں دیواروں کے مابین تقریباً ایک ایک فرسنگ کا فاصلہ ہو، شہر میں پانی کے بڑے چشمے ہیں جن میں تقریباً پانچ پانچ چکیاں چل سکتی ہیں، ان چشموں کے پانی سے کام لیا جاتا ہو اور پانی فصیل کے باہر نہیں جاتا ہو۔

قلعہ کے درمیان بڑا شہر آباد ہو جس میں بڑے شہروں کی طرح تمام چیزیں میسّر آتی ہیں اور بیس ہزار سے زیادہ فوج رہتی ہو۔

روایت ہو کہ لحسا کا سلطان سید تھا، لیکن اس نے لوگوں کو مذہب اسلام سے منحرف کر دیا تھا اور اعلان کر دیا تھا کہ میں نے تم پر سے روزہ نماز اُٹھا دیا۔ صرف میری ذات تمھارے لیے مرجع و مآب ہو، اس سلطان کا نام ابو سعید تھا۔ جب شہر والوں سے پوچھو کہ تمھارا مذہب کیا ہو، تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم بوسعیدی ہیں۔

یہ لوگ نہ نماز پڑھتے ہیں، نہ روزہ رکھتے ہیں۔ لیکن آنحضرتؐ کی رسالت کے قائل ہیں۔ ابوسعید نے ان لوگوں کو یہ سمجھا دیا ہو کہ مرنے کے بعد ایک مرتبہ میں پھر تمھارے پاس آؤں گا۔ ابوسعید کی قبر لحسا میں ہو اور اس کا مقبرہ شاندار بنایا ہو، اور یہ اپنے بیٹوں کو وصیت کر گیا ہو کہ میری اولاد میں سے ہمیشہ چھ مل کر حکومت کرتے رہیں اور رعایا کی عدل و انصاف سے حفاظت کریں اور باہم

اتحاد رکھیں (یہاں تک کہ میں دوبارہ واپس آؤں)۔

ان فرمانرواؤں کا ایک بڑا محل ہے اور وہی ان کا دارالحکومت ہے جس میں ایک تخت بچھا ہوا ہے جس پر چھی حکمران مل کر بیٹھتے ہیں اور اتفاق رائے سے فیصلہ کرتے ہیں، اور ان کے وزیر بھی چھ ہیں۔ چنانچہ یہ چھ فرمانروا ایک تخت پر بیٹھ کر اجلاس کرتے ہیں، اور وزرا دوسرے تخت پر بیٹھتے ہیں اور جملہ امور باہمی مشورہ سے طے کرتے ہیں۔ فرمانروائے لحسا کے اس وقت زرخرید بیس ہزار غلام زنگی اور حبشی ہیں جو کھیتی اور باغبانی کا کام کرتے ہیں۔ اور رعایا سے بطریق عشر (پیداوار کا دسواں حصہ) بھی کچھ نہیں لیا جاتا۔ اگر رعایا میں سے کوئی محتاج یا مقروض ہو جائے تو اس کی کفالت کرتے ہیں جس سے اس کی حالت سنبھل جاتی ہے۔ اگر کوئی کسی کا قرضدار ہوتا ہے تو اصل رقم سے زیادہ نہیں لیتے ہیں۔ اگر کوئی مسافران کے شہر میں آئے اور وہ دستکار ہو تو کام چلانے کے لیے اس کو سرمایہ دیتے ہیں تاکہ وہ ضروری سامان متعلقہ خرید سکے اور کامیابی پر اصل روپیہ واپس کر دے۔ اگر کوئی شخص جو صاحب جائداد واملاک ہو اور اس کا کاروبار بگڑ جائے اور دوبارہ کام نہ چلا سکے تو یہ بادشاہ اپنے غلاموں کو نامزد کر دیتے ہیں کہ یہ جا کر ان کا کام کریں اور بگڑے ہوئے کاموں کو درست کریں۔ اور اس خدمت کا کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا ہے۔ لحسا میں سرکاری چکیاں ہیں جن میں رعایا کا آٹا مفت پستا ہے اور چکیوں کی مرمت اور ملازموں کی تنخواہ خزانۂ شاہی سے ادا ہوتی ہے۔ یہ سلاطین سادات اور ان کے وزرا شائرہ (مشورہ دہندہ)[1]

---

[1] باب مفاعلہ سے مشاورۃ کا فاعل شائر غلط ہے بلکہ شتیر ہونا چاہیے۔ قال ابو سعید فلان وزیر فلان وشیرہ ای مشاورۃ (ج شوراء کشعراء) تاج العروس شرح قاموس جلد ۳ صفحہ ۳۲۰ مطبوعہ مصر۔

یا ممبران کونسل) کہلاتے ہیں۔

لحسا میں جامع مسجد نہیں ہے، نہ نماز ہوتی ہے، نہ خطبہ ہوتا ہے، لیکن ایک عجمی نے جس کا نام علی بن احمد ہے یہاں ایک مسجد بنوائی ہے۔ یہ ایک دولتمند مسلمان حاجی ہے اور جو حاجی اس شہر میں آتے ہیں، یہی شخص ان کی خدمت کرتا ہے۔

لحسا میں لین دین سیسہ سے ہوتا ہے اور سیسہ تھیلیوں میں رہتا ہے اور ہر تھیلی میں چھ ہزار درہم کی مقدار میں سیسہ ہوتا ہے۔ معاملہ کے وقت بجنسہ تھیلیاں گن کر دیتے ہیں اور نقدی کو تھیلوں سے نہیں نکالتے ہیں۔ (سیسہ کے ٹکڑے بصورت درہم ہوں گے)۔

لحسا میں کمر بند (پٹکے) عمدہ بُنے جاتے ہیں جو بصرہ اور دوسرے شہروں میں جاتے ہیں۔

اگر کوئی نماز پڑھے تو اس کو منع بھی نہیں کرتے ہیں۔ لیکن خود نہیں پڑھتے ہیں۔ جب سلطان دربار کرتا ہے تو وہ ہر شخص کے سوال کا معقول جواب دیتا ہے اور اخلاق سے پیش آتا ہے، شراب کبھی نہیں پیتا ہے۔

شبانہ روز ایک گھوڑا زین کسا ہوا اور طوق و باگ ڈور سے تیار ابوسعید[۲۰۴] کی قبر پر کھڑا رہتا ہے تاکہ جس وقت ابوسعید قبر سے اُٹھے گھوڑے پر سوار ہو جائے۔ روایت ہے کہ ابوسعید نے اپنی اولاد سے یہ بھی وصیت کی ہے کہ "جب میں دوبارہ تم میں واپس آؤں اور تم مجھ کو پہچان نہ سکو تو میری شناخت یہ ہے کہ میری ہی تلوار سے سر اُڑا دو۔ اگر میں ہوں گا تو اسی وقت زندہ ہو جاؤں گا" اور یہ قاعدہ اس لیے مقرر کر دیا ہے کہ کوئی ابوسعید ہونے کا مدعی نہ ہو۔

سلاطین لحسا میں سے کسی نے خلافت عباسیہ کے زمانہ میں مکہ معظمہ پر فوج کشی کر کے قبضہ کر لیا تھا۔ اور عین طواف کے وقت حجاج کو قتل کر دیا تھا۔

اور حجر آسود کو رکن سے نکال کر لحسا لے گئے تھے۔ اُن کا قول تھا کہ یہ پتھر لوگوں کے حق میں مقناطیس ہی جو تمام عالم کو اپنی طرف کھینچتا ہی۔ لیکن انھوں نے یہ سمجھا کہ یہ کشش نبوت اور عظمت رسالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی جو اپنی طرف کھینچتی ہی، ورنہ حجر آسود تو ایک زمانۂ دراز سے موجود ہی اور کوئی بھی وہاں نہ جاتا تھا۔ آخر مجبور ہو کر حجر اسود ان لوگوں سے خرید کر مکہ معظمہ لے گئے۔ (اور اپنی جگہ پر نصب کیا گیا۔) (یہ واقعہ تاریخوں میں تفصیل سے درج ہی)۔

لحسا میں تمام حیوانات کا گوشت فروخت کرتے ہیں۔ مثلاً بلی، کتا، گدھا، بیل، بکری، وغیرہ۔ اور ان جانوروں کا سر اور چمڑہ گوشت کے قریب ہی رکھ دیتے ہیں تاکہ خریدار سمجھ لے کہ اُسے کس جانور کا گوشت خرید کرنا ہی۔ اس شہر میں کھلا پلا کر کتّے کو اس قدر فربہ کرتے ہیں کہ وہ چری ہوئی بکری کی طرح ہو جاتا ہی اور موٹاپے کی وجہ سے چل پھر نہیں سکتا، پھر اس کو ذبح کر کے کھا جاتے ہیں۔

جزیرہ بحرین

لحسا سے جانب مشرق سات فرسنگ پر خلیج فارس ہی، اگر اس راستہ سے جائیں تو اوّل بحرین آتا ہی، یہ ایک جزیرہ ہی جس کا طول پندرہ فرسنگ ہی، اور بڑا شہر ہی، کھجور کے باغات بہت ہیں۔ اور اس سمندر سے موتی نکلتے ہیں۔ غوطہ خور جس قدر موتی نکالتے ہیں اس کا نصف حصہ سلاطین لحسا کا حق ہی۔

خلیج عُمان[۲۰۵]

اور اگر لحسا سے جنوب کی طرف چلیں تو عُمان ملتا ہی۔ یہ دریا (خلیج عمان) عرب کی زمین پر بہتا ہی جس کے تین طرف جنگل اور خشکی ہی اور ناقابلِ گزر ہی، ولایت عمان اسّی فرسنگ مربع ہی، اور گرم سیر علاقہ ہی۔ اس ملک میں جوزِ ہندی جس کو نارجیل کہتے ہیں پیدا ہوتا ہی۔ اگر عمان سے مشرق کی طرف براہ خلیج فارس جائیں تو کیش (جزیرۂ قیس) اور مکران کے علاقہ

میں پہنچ جائیں ۔ اور اگر جنوب کی طرف جائیں تو عدن پہنچیں ۔ اور اگر دوسری طرف (جانب شمال)، جائیں تو فارس میں داخل ہوں۔ لحسا میں اس کثرت سے کھجوریں پیدا ہوتی ہیں کہ مویشیوں کو کھلا کر موٹا کرتے ہیں، اور کبھی یہ افراط ہوتی ہے کہ سینتیس من ایک دینار کو بکتی ہیں ۔

اگر لحسا سے شمال کی طرف جائیں تو سات فرسنگ پر ایک ناحیہ ہے جس کو **قطیف** کہتے ہیں۔ اور یہ بھی ایک بڑا شہر ہے جس میں نخلستان بکثرت ہیں ۔

عرب کے کسی فرمانروا نے لحسا پر فوج کشی کی تھی چنانچہ اس نے منجملہ چار فصیلوں کے ایک پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور ایک سال تک محاصرہ کیے پڑا بھی رہا اور بڑا حصہ شہر کا برباد بھی کر دیا۔ مگر کچھ ہاتھ نہ لگا۔ اور جب مجھ سے ملاقات ہوئی تو دریافت کیا (بروے علم نجوم) کہ میں لحسا کو فتح کر لوں گا یا نہیں۔ کیونکہ یہاں کے باشندے کافر ہیں، میں نے مصلحت وقت کے مطابق جواب دے دیا، میرے نزدیک بدوی بھی لا مذہبی میں لحسا والوں کے قریب قریب ہیں، چنانچہ بعض ایسے ہیں جو سال میں ایک مرتبہ بھی ہاتھ نہیں دھوتے ہیں۔ میں جو کچھ کہ رہا ہوں یہ میرا ذاتی تجربہ ہے، جھوٹی باتیں نہیں ہیں۔ کیونکہ متفرق طور پر نہیں بلکہ نو مہینے تک مسلسل ان لوگوں میں رہا ہوں۔ میں اونٹ کا دودھ نہیں پی سکتا تھا۔ بدیں وجہ جہاں کہیں پینے کو پانی مانگتا تھا، وہاں یہ لوگ دودھ پیش کرتے تھے جب میں نہ لیتا اور پانی ہی مانگتا تو جواب دیتے کہ "جہاں پانی دیکھو وہاں مانگو، کیونکہ پانی تو ایسے شخص کے گھر میں ملے گا کہ جہاں پانی کا وجود ہو"۔ انھوں نے تمام عمر میں حمام اور پانی کے چشمے کبھی نہیں دیکھے تھے ۔

۱۲۔ ناصر خسرو یمامہ سے بصرہ جاتا ہے

اب پھر میں نفس مطلب پر آتا ہوں، یمامہ سے جب میں بصرہ روانہ ہوا تو کسی منزل پر پانی ملتا تھا اور

کہیں نہ ملتا تھا۔ آخر کار بیسویں[۲۰۵] شعبان سنہ ۴۴۳ھ کو میں بصرہ پہنچا۔

بصرہ[۲۰۶] شہر بصرہ کی فصیل بڑی ہی، مگر جانب دریا فصیل نہیں ہی۔ بصرہ میں شط بہتا ہی (نواح بصرہ کے قریب دجلہ اور فرات آکر مل گئی ہیں اس کا نام شط ہی) اور جب جوبرہ کا پانی بھی اس میں آکر ملتا ہی تو اس کو شط العرب[۲۰۷] کہتے ہیں۔ شط العرب سے دو بڑی نہریں نکالی ہیں جن کے دہانوں میں ایک فرسنگ کا فاصلہ ہی اور دونوں نہروں کو کاٹ کر قبلہ کی جانب چار فرسنگ تک لے گئے ہیں۔ پھر آگے چل کر دونوں نہروں کے دہانے ملا دیے گئے ہیں پھر ایک فرسنگ کے بعد دوسری نہر کو بھی جانب جنوب گھما دیا ہی، اور پھر ان نہروں سے اطراف و جوانب میں بکثرت نہریں نکالی ہیں جن کے کنارے نخلستان اور باغات لگائے ہیں۔

نہر معقل[۲۰۸] و نہر اُبلہ[۲۰۹] ان دو بڑی نہروں میں سے ایک جو بلندی پر مشرقی شمالی گوشے میں ہی اس کا نام نہر معقل ہی اور جو مغربی جنوبی گوشے پر ہی، اس کا نام نہر اُبلہ ہی۔ اور ان دونوں نہروں کے اِتصال سے ایک بڑا جزیرہ پیدا ہو گیا ہی جو مستطیل واقع ہوا ہی، اور شہر بصرہ میں اس مستطیل کے ایک چھوٹے ضلع (عرض) پر آباد ہی۔ اور بصرہ کے مغربی جنوبی گوشے پر ایک چٹیل میدان ہی جس میں آبادی، پانی اور درختوں کا نام و نشان نہیں ہی میرے زمانۂ قیام میں شہر کا اکثر حصہ ویران ہو چکا تھا، اور آبادی منتشر تھی، یعنی ایک محلہ سے دوسرے محلے تک ڈیڑھ ڈیڑھ میل تک ویرانہ تھا تاہم در و دیوار مستحکم اور مردم شماری اچھی تھی۔ سلطان بصرہ کی آمدنی بہت تھی۔ اور ان دنوں امیر بصرہ ابو کالنجار دیلمی کا بیٹا تھا (جو صوبہ فارس پر حکمران تھا)۔ اور امیر بصرہ کا وزیر ابو منصور شہ مردان تھا۔

بصرہ کا بازار بصرہ میں روزانہ تین جگہ بازار لگتا تھا۔ صبح سوق الخزاعہ میں لین دین ہوتا تھا، دوپہر کو سوق عثمان میں اور شام کو سوق القداحین میں۔ بصرہ کے بازار میں خریداری کا یہ طریقہ ہے کہ ہر شخص نقدی صراف کے حوالے کر دیتا ہے اور صراف سے ایک چٹھی (ہنڈی) لکھا لیتا ہے، پھر جو شے چاہتا ہے خرید کرتا ہے اور قیمت کے لیے صراف کا حوالہ دے دیا جاتا ہے، شہر کا کوئی دوکان دار چٹھی سے زیادہ مال نہ دیتا تھا۔

ناصر خسرو حمام بصرہ میں جب میں بصرہ پہنچا ہوں تو برہنگی اور مفلسی سے میری حالت پاگلوں جیسی تھی اور تین مہینے ہو چکے تھے کہ خط نہیں بنوایا تھا لہٰذا حمام کا ارادہ کیا کہ اسی ذریعے سے بدن میں کچھ حرارت پیدا ہو۔ کیونکہ ہوا سرد تھی اور کپڑے پاس نہ تھے، اور ہم دونوں بھائی پرانی لنگیاں باندھے ہوئے تھے، اور ٹاٹ کا ایک ایک ٹکڑا پیٹھ پر بندھا ہوا تھا (سردی سے بچنے کے لیے)۔ خیال آیا کہ حمام میں داخل ہوں، چنانچہ کتابوں کا تھیلہ فروخت کیا، اس کی قیمت میں چند ٹکے ملے، وہ ایک پڑیہ میں باندھ کر رکھ لیے کہ مالک حمام کو دوں گا اور تھوڑی دیر کے لیے وہ حمام میں داخل کرلے گا اور بدن کا میل دھو ڈالیں گے۔ جب میں نے وہ پیسے اس کے سامنے رکھے تو وہ میرا منہ دیکھنے لگا اور ہم کو پاگل سمجھا۔ اور کہنے لگا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ اور لوگ حمام سے نکلنے والے ہیں۔ اور ہم کو حمام میں داخلہ کی اجازت بھی نہ دی، چنانچہ حمام سے ہم شرمندہ ہو کر نکل بھاگے۔ حمام کے دروازے پر لڑکے کھیل رہے تھے، انھوں نے ہم کو دیوانہ سمجھا اور پیچھے پڑ گئے۔ پتھر پھینکنے لگے اور غل مچانے لگے، چنانچہ ہم ایک گلی میں چلے گئے اور زمانہ کی حالت کو بنظر تعجب دیکھتے تھے اور

اونٹ والا تیس ۳۰ دینار مغربی کرایہ مانگتا تھا۔

ناصر خسرو کی ابوالفتح علی بن احمد سے ملاقات

اب بجز اس کے اور کوئی تدبیر نہ سوجھی کہ وزیر اہواز [۲۱] سے جس کا نام ابوالفتح علی بن احمد تھا (رجوع کروں)۔ یہ وزیر صاحب فضل وکمال تھا۔ شعر اور ادب سے واقف تھا اور فیاض بھی تھا۔ بصرہ میں مع اہل و عیال اور غلاموں کے ٹھیرا ہوا تھا، لیکن اس وقت وہ خود بے کار تھا۔ بصرہ میں میری ایک ایرانی سے (کہ وہ بھی اہل علم تھا) ملاقات ہو گئی تھی اور وہ وزیر کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور اکثر وزیر سے صحبت رہتی تھی۔ لیکن یہ شخص بھی تنگ دست تھا اور اس قدر استطاعت نہ تھی کہ میری مدد کر سکے۔ لیکن اس نے میرا حال وزیر سے بیان کیا۔ وزیر نے ایک خادم کو مع گھوڑے کے میرے پاس بھیجا کہ جس حال میں ہوں اس کے پاس چلا آؤں۔ لیکن میں اپنی پریشان حالی اور برہنگی سے شرما گیا اور جانا مناسب نہ سمجھا۔ عریضہ لکھ کر معذرت کر دی اور گزارش کر دیا کہ پھر کسی وقت حاضر ہوں گا۔ اس تحریر سے دو مطلب تھے۔ ایک یہ کہ میری محتاجی کی پردہ پوشی ہو جائے، دوسرا یہ خیال تھا کہ وزیر سمجھے گا کہ یہ شخص بھی صاحبِ فضل و کمال ہو اور جب اس کو مضمونِ خط پر اطلاع ہو گی تو وہ میری اہلیت کا اندازہ کرے گا اور جب وزیر کا سامنا ہو گا تو ندامت نہ ہو گی۔ چنانچہ وزیر نے اسی وقت تیس ۳۰ دینار میرے پاس بھیج دیے کہ اس رقم سے کپڑے بنوا لو، میں نے دو اچھے جوڑے سلوائے اور تیسرے دن وزیر کے دربار میں حاضر ہوا۔ یہ شخص ادیب فاضل، خوبصورت، خلیق اور متدین تھا، تقریر اچھی کرتا تھا۔ اور اس کے چار بیٹے تھے، سب سے بڑا لڑکا فصیح، ادیب، فاضل اور ہوشیار تھا۔ اس کو رئیس ابو عبداللہ احمد بن علی بن احمد کہتے تھے۔

یہ نوجوان شاعر تھا اور منشی بھی اور عقل و فراست کے ساتھ پرہیزگار بھی۔ مجھے اپنے پاس ٹھیرایا۔ چنانچہ اول شعبان سے پندرہ رمضان تک میں ابو عبداللہ کا مہمان رہا اور وزیر نے اعرابی کو اونٹ کا کرایہ بھی ادا کر دیا اور مجھے اس عذاب سے نجات دلائی۔ خدائے پاک اپنے سب بندوں کو قرض سے سبکدوش کرے (بحق الحق واهلہ) اور جب میں نے بصرہ سے جانا چاہا تو وزیر نے ہم کو انعام و اکرام دے کر دریا کے راستے سے رخصت کر دیا۔ چنانچہ خوش حالی اور اطمینان کے ساتھ ہم لوگ فارس میں پہنچ گئے۔ (اس فیاض آدمی کی برکت سے اور خداوند عالم ایسے فیاض لوگوں سے خوشنود رہے)۔

مشاہد حضرت علی کرم اللہ وجہہ بصرہ میں امیر المومنین علی بن ابی طالب کے نام سے تیرہ مشہد (درگاہ) ہیں۔ منجملہ ان کے ایک کا نام مشہد بنی مازن ہے۔ یہ وہ ہے کہ جب ربیع الاول ۳۵ھ میں امیر المومنین حضرت علی بصرہ میں تشریف لائے ہیں اور حضرت عایشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جنگ (جمل) کے واسطے نکلی تھیں اس وقت امیر المومنین علیہ السلام نے مسعود نہشلی کی دختر لیلیٰ سے نکاح کیا تھا چنانچہ یہ مشہد اسی لیلیٰ کا مکان ہے۔ اور امیر المومنین علیہ السلام نے بہتر دن اس مکان میں قیام فرمایا ہے، اور پھر کوفہ کو تشریف لے گئے۔

دوسرا مشہد جامع مسجد کے پہلو میں ہے جس کو مشہد باب الطیب کہتے ہیں۔ میں نے جامع مسجد بصرہ میں ایک لٹھا دیکھا جو تیس ہاتھ لانبا اور پانچ بالشت چار انگل موٹا تھا اور اس کا ایک سرا بہت ہی موٹا تھا۔ یہ لٹھا ہندوستان سے آیا تھا۔

روایت ہے کہ امیر المومنین اس کو اٹھا کر مسجد میں لائے تھے۔ باقی گیارہ مشہد اپنی اپنی جگہ پر ہیں اور میں نے ان سب کی زیارت کی ہے۔

ناصر خسرو دوبارہ حمامِ بصرہ میں

اس کے بعد ہماری حالت درست ہوگئی تو ہم دونوں بھائیوں نے کپڑے بدلے اور ایک دن پھر اس حمام میں گئے جہاں لوگوں نے ہم کو گھسنے نہیں دیا تھا۔ جیسے ہی ہم نے دروازے پر قدم رکھا، مالک حمام اور جو لوگ وہاں موجود تھے، وہ ہمارے استقبال کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور ہم داخل حمام ہوئے۔ نہلانے والوں اور مہتمم حمام نے ہماری خدمت کی جب ہم نہا کر نکلے تو کپڑے اتارنے والے درجہ میں (جامہ کن) جس قدر خادم موجود تھے وہ ہماری تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے اور جب تک ہم کپڑے پہن کر باہر نہیں آگئے اس وقت تک وہ کھڑے رہے اور حمام والوں میں سے کسی نے اپنے دوست سے کہا کہ "یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے فلاں روز حمام میں داخل ہونے سے منع کیا تھا"۔ اور وہ جانتے تھے کہ ہم ان کی زبان نہیں جانتے ہیں، چنانچہ میں نے عربی میں جواب دیا کہ ہاں تم سچ کہتے ہو ہم وہی ہیں جن کی پیٹھ پر کل ٹاٹ کا ٹکڑا بندھا ہوا تھا چنانچہ وہ شرمندہ ہوا اور معافی چاہی۔ اور یہ دونوں حالتیں بیسؔ دن کے اندر گزر گئیں۔ یہ تذکرہ میں نے محض اس لیے کیا ہے، تاکہ لوگ سمجھیں کہ گردشِ زمانہ سے جو مصائب پڑیں ان سے نالہ و فریاد نہ کرنا چاہیے اور خدائے جل جلالہٗ و عم نوالہٗ کے فضل و رحمت سے ناامید نہ ہونا چاہیے کیونکہ وہ بڑا رحیم ہے۔

دریائے بصرہ کے مدّوجزر اور اس کی نہروں کا بیان

مدّوجزر کے اسباب

دریائے عمّان کا خاصہ ہے کہ دن رات میں دو مرتبہ مدّ (چڑھاؤ) پر آتا ہے، جس سے دس گز پانی اونچا ہو جاتا ہے اور جب پورا چڑھاؤ ہو جاتا ہے تو آہستہ آہستہ گھٹتا ہے۔ اور پانی دس بارہ گز اُتر جاتا ہے اور یہ دس گز (جس کا ذکر ہو چکا ہے) پیمائش، بصرہ میں ایک پیمانہ سے معلوم ہو جاتی ہے،

جوایک دیوار کے نیچے نصب ہی اور اگر اس علاقہ کی زمین نیچی اور ہموار ہوتی تو یہ پانی دور تک پھیل جاتا اور وہی حالت ہوتی جو دجلہ اور فرات کی ہی کیونکہ یہ دونوں اس درجے سست رفتار ہیں کہ بعض مقامات پر یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کدھر جا رہے ہیں۔ جب مدّ ہوتا ہی تو تقریباً چالیس فرسنگ دونوں کا پانی بڑھتا ہی اور ایسا معلوم ہوتا ہی کہ پلٹ کر بلندی پر چڑھ رہا ہی، لیکن بعض مقامات پر (دریا کے کنارے) باعتبار بلندی و پستی زمین کے مدوجزر رہؤا کرتا ہی، یعنی جس مقام پر نیچی زمین ہوتی ہی، وہاں پانی بہت پھیلتا ہی اور جہاں زمین اونچی ہوتی ہی وہاں کمتر اور اس کو مدوجزر (جوار بھاٹا) کہتے ہیں۔ اور اس کا تعلق ماہتاب سے ہی کیونکہ چودھویں تاریخ کو جب ماہتاب راس وزحل کی سمت ہوتا ہی تو پانی میں نہایت مد (چڑھاؤ) ہوتا ہی اور جب ماہتاب افق مشرق و مغرب میں ہوتا ہی تو اس وقت جزر (اُتار) ہوتا ہی اور مد کی ایک صورت یہ بھی ہی کہ جب ماہتاب چودھویں رات کو (بحالت بدر) آفتاب کے مقابل ہوتا ہی تو پانی بڑھنا شروع ہوتا ہی یعنی اس وقت مد بہت ہوتا ہی اور پانی زیادہ اونچا ہوتا جاتا ہی۔ اور جب ماہتاب حالت تربیع[1] میں ہوتا ہی تو پانی گھٹتا ہی، یعنی بوقت مد اس کا ارتفاع اس قدر نہیں ہوتا جس قدر کہ اجتماع اور استقبال کے وقت (یعنی ٹھیک آفتاب کے مقابل) اور یہی مناسبت سے جزر بھی کم ہوتا ہی، اور انہی دلائل کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ مدوجزر کا تعلق ماہتاب سے ہی اور واقعی بات خدا کے علم میں ہی۔

شہر اُبلہ ۲۱۱ شہر اُبلہ نہر کے کنارے آباد ہی اور نہر بھی اسی نام سے موسوم ہی۔ یہ شہر بہت آباد ہی جس میں محلات، بازار، مساجد اور رباط بکثرت ہیں جن کی تعریف نہیں ہو سکتی ہی۔ اصلی شہر نہر اُبلہ کے شمالی جانب ہی اور جنوبی

---

[1] یعنی نوّے درجہ (ربع فلک) آفتاب سے دُور ہوتا ہی۔

سمت میں بھی محلے، مسجدیں، بازار اور رباط میں اور عمارتیں بڑی بڑی ہیں جن سے بہتر اور ستھری دنیا میں نہ ہوں گی۔ اس حصہِ شہر کا نام شق عثمان ہی اور یہ بڑی نہر جو دجلہ اور فرات کا مجموعہ ہی اسی کو شط العرب کہتے ہیں۔ اور نہر اُبلہ کے مشرق جانب ہی اور شہر جنوب کی طرف ہی۔ نہر اُبلہ اور نہر معقل دونوں بصرہ میں آ کر مل گئی ہیں جس کی تفصیل پہلے ہو چکی ہی۔ بصرہ میں بیس ناحیے ہیں اور ہر ناحیہ میں بکثرت مواضعات اور مزرعے ہیں۔

اعمال بصرہ کا بیان

بصرہ کے مشہور ناحیے

اعمال بصرہ حسب ذیل ہیں۔
حسان[1]، شریہ[2]، بلاس[3]، عقر[4]، میسان[5]، المقیم[6]، نہر الحرب[7]، شط العرب[8]، سعد[9]، سام[10]، جعفریہ[11]، المشان[12]، الصمد[13]، الجونہ[14]، جزیرۃ العظمیٰ[15]، مروۃ الشریر[16]، جزیرۃ لعرش[17]، الحمیدا[18]، جوزۃ المنفردات[19][20]۔

لوگ بیان کرتے ہیں کہ جس جگہ نہر اُبلہ کا دہانہ ہی کسی زمانہ میں اس جگہ سے کشتی کا پار ہونا ناممکن تھا، کیونکہ یہاں بہت بڑا بھنور پڑتا تھا۔ بصرہ کی ایک متمول بی بی نے حکم دیا کہ چار سو کشتیاں چھوارے کی گٹھلیاں بھر کر (اور کشتیوں کو مضبوط طریقے سے بند کر کے) اس جگہ ڈبو دی جائیں۔ چنانچہ اس کے بعد سے کشتیاں گزرنے لگیں۔

ناصر خسرو بصرہ سے براہ فارس وطن کو جاتا ہی

الغرض نصف شوال ۴۴۳ھ کو بصرہ سے روانہ ہو کر کشتی میں سوار ہوا۔ شہر اُبلہ سے چار فرسنگ تک (جس راستہ سے کہ ہم آئے تھے) نہر کے

خشّاب ۲۱۳ کی شکل وصورت اس طرح پر ہے کہ ساج کے چار بڑے ستون ہیں جو منجنیق کی طرح مربع کھڑے کیے گئے ہیں اور ان کا قاعدہ (نیچے کا ضلع) چوڑا ہے اور راس (اوپر کا ضلع) تنگ ہے۔ اور سطح آب سے یہ ستون چالیس گز بلند ہیں اور اس کے اوپر سنگ ریزے اور پتھر رکھے ہوئے ہیں او ان کو ستون مذکور سے وصل کر کے چھت کی طرح پاٹ لیا ہے۔ اس چھت پر چار محراب قایم ہیں، جس پر محافظ کشتی موجود رہتا ہے۔ بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ اس خشّاب کا بانی ایک بڑا سوداگر ہے اور بعض کا قول ہے کہ کسی بادشاہ کا بنایا ہوا ہے، بہر حال اس تعمیر سے دو مقصد تھے، اوّل یہ کہ پانی میں جہاں ریت جمع ہو گئی ہے اور پانی گھٹ گیا ہے، اگر وہاں کوئی بڑی کشتی پہنچ جائے تو زمین پر بیٹھ نہ جائے اور رات کو لالٹین کے اندر چراغ جلاتے ہیں جو ہوا سے گل نہیں ہو سکتا ہے اور مسافر دور سے روشنی دیکھ کر احتیاط کرتے ہیں، کیونکہ اگر کشتی یہاں پہنچ جائے تو پھر اسے کوئی نکال نہیں سکتا ہے۔

دوسرا مقصد یہ تھا کہ سمتیں (اطراف) معلوم ہوتی رہیں اور اگر کوئی دریائی چور ہو تو دیکھ کر احتیاط کریں اور کشتی وہاں سے واپس لائیں۔ جب اس خشّاب سے گزر گئے اور وہ نظر سے غائب ہو گیا تو اسی شکل وصورت کا ایک دوسرا نمودار ہوا، لیکن اس خشّاب پر گنبد نہ تھا جو غالباً ناتمام رہ گیا ہے (یہ خشّاب روشنی کا مینار تھا جس کو لائٹ ہاؤس کہتے ہیں اور عربوں نے اس کا نام فانوس البحر رکھا تھا)۔

مہروبان ۲۱۴ یہاں سے مسافر (براہ خوزستان) شہر مہروبان میں داخل ہوئے۔ یہ بڑا شہر ہے جو دریا کے کنارے جانب مشرق آباد ہے، بازار بھی بڑا ہے اور جامع مسجد بھی خوبصورت ہے، لیکن برساتی پانی پر گزر ہے اور بجز اس پانی کے نہ چاہات ہیں نہ کاریز، جن کے ذریعے میٹھا پانی مہیا ہو سکے۔ باشندوں

دونوں طرف باغ، چمن، محلات اور مناظر تھے اور یہ سلسلہ برابر چلا گیا تھا۔ نہرِ اُبلہ سے ہر طرف شاخیں نکالی ہیں جن میں سے ہر ایک ندی کے برابر ہی۔ شق عثمان میں پہنچ کر ہم شہر اُبلہ کے سامنے کشتی سے اُتر کر ٹھیر گئے۔

سترہ شوال کو ایک بڑی کشتی میں سوار ہوئے جس کا نام بوصی تھا جو لوگ اس کشتی کو اطراف و جوانب سے دیکھ رہے تھے، وہ دُعائیں مانگ رہے تھے کہ "اے بوصی خدا تجھ کو ڈوبنے سے بچائے"۔

عبادان ۲۱۲

عبادان پہنچ کر ہم کشتی سے اُترے۔ عبادان مثل ایک جزیرے کے شط العرب کے کنارے آباد ہی اور اس مقام پر شط کی دو دو شاخیں ہو گئی ہیں۔ چنانچہ کسی جانب سے بھی بغیر عبور شط العرب عبادان میں پہنچ نہیں سکتے ہیں عبادان کی جنوبی سمت میں بحر فارس (شاخ بحر المحیط) واقع ہی اور جب شط العرب مدّ پر آتا ہی تو عبادان کی دیواروں کے نیچے تک پانی آجاتا ہی اور جب اُتار پر ہوتا ہی تو دو فرسنگ ہٹ جاتا ہی۔

عبادان میں لوگوں نے چٹائیاں خریدیں اور کسی نے اشیاء خوردنی دوسرے دن صبح کو پھر بوصی شط العرب میں چلنے لگی اور ہم جانب شمال روانہ ہوئے، اور دس فرسنگ تک چلے گئے سب لوگ شط العرب کا خوش ذائقہ پانی پیتے ہیں۔ میٹھے پانی کی یہ لہر شعلہ آتش کی طرح درمیان میں رواں تھی۔

خشاب یا فانوس البحر ۲۱۳

جب آفتاب نکلا تو دریا میں کوئی شی چڑیا کی طرح نظر آنے لگی اور جس قدر نزدیک ہوتے گئے وہ بڑی معلوم ہونے لگی۔ جب ہم اس کے مقابل پہنچے اور بائیں ہاتھ پر ایک فرسنگ کا فیصلہ رہ گیا تو بادِ مخالف چلنے لگی، کشتی کا لنگر ڈال دیا اور بادبان گرا دیے گئے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا شی ہی؟ تو سب کہنے لگے کہ یہ خشاب ہی۔

نہریں اور نکالی ہیں اور زرکثیر صرف کرکے شہر میں پانی لائے ہیں۔ پھر شہر سے نہر کو باہر لے گئے ہیں اور اس کے کنارے باغ و چمن لگائے ہیں جن میں کھجور، نارنگیاں، ترنج اور زیتون کے درخت بافراط ہیں۔

آبادی کی یہ کیفیت ہے کہ جس قدر مکانات زمین کے اوپر ہیں اسی قدر زمین کے نیچے بھی ہیں اور ان نشیبی مکانات اور تہ خانوں میں بھی پانی کے نل موجود ہیں جس کی وجہ سے گرمیوں میں آرام ملتا ہے۔ مہروبان میں ہر ملت و مذہب کے آدمی موجود ہیں اور فرقہ معتزلہ کا امام ابوسعید بصری ہے۔ یہ فصیح البیان شخص تھا، علم ہندسہ اور حساب میں بھی اس کو دعویٰ تھا، چنانچہ علمِ کلام اور حساب وغیرہ میں ابوسعید سے میرا مباحثہ ہوا اور دونوں طرف سے خوب ہی سوال وجواب ہوئے۔

سیاحت کا آٹھواں سال

محرم سنہ ۴۴۴ھ کے شروع میں براہ کوہستان مہروبان سے اصفہان کو روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک تنگ درہ ملا۔ لوگ کہتے ہیں کہ بہرام گور نے اس کو تلوار سے کاٹا ہے اور اسی لیے اس کا نام شمشیر برید ہے۔ اس جگہ پانی کی افراط ہے جو دائیں ہاتھ کی جانب ایک جھرنے سے نکلتا ہے اور بلندی سے نیچے کو دوڑتا ہوا آتا ہے۔ عوام کا بیان ہے کہ موسم گرما میں ہمیشہ پانی آتا ہے اور جاڑے میں رک کر یخ ہو جاتا ہے۔

لوردغان ۲۱۶

یہاں سے لوردغان میں داخل ہوا جو اراغان سے چالیس فرسنگ ہے۔ لوردغان سے صوبہ فارس کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ میں اس شہر سے خان لنجان میں پہنچا، جس کے صدر دروازے پر سلطان طغرل بیگ سلجوقی کا نام لکھا ہوا تھا۔ یہاں سے اصفہان سات فرسنگ ہے خان لنجان کی رعایا بہت ہی امن و اطمینان سے زندگی بسر کرتی ہے اور سب کاروباری لوگ ہیں۔

نے حوض اور تالاب بنا رکھے ہیں جس کی وجہ سے پانی کی قلت نہیں ہوتی ہو اور شہر میں تین بڑی مہمان سرائے ہیں جس میں سے ہر ایک مثل قلعہ کے مضبوط اور بلند ہو۔

جامع مسجد کے منبر پر یعقوب بن لیث کا نام لکھا ہوا تھا، میں نے ایک شخص سے پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہو تو اس نے بیان کیا کہ اس شہر کو یعقوب بن لیث (صفّار) نے فتح کیا ہو اور اس کے قبل خراسان کے کسی حکمران کو اس کے فتح کرنے کی طاقت نہ تھی۔ جب میں مہروبان میں پہنچا ہوں، اس وقت ابو کالنجار (فرمانروائے فارس) کا بیٹا یہاں حکمران تھا۔ اس شہر میں اشیاء خوردنی دوسرے شہروں سے آتی ہیں کیونکہ یہاں صرف مچھلی کی پیداوار ہو۔ یہ شہر پرمٹ اور بندرگاہ ہو۔ یہاں سے اگر دکھن کی طرف دریا کے کنارے کنارے جائیں تو ناحیہ توّہ اور گازرون ملتا ہو۔

میں اس شہر میں چند روز مقیم رہا، جس کا سبب یہ تھا کہ راستہ پُر خطر تھا اور ابو کالنجار کے بیٹے باہم مصروفِ جنگ تھے اور ملک میں تشویش پھیلی ہوئی تھی۔ مجھے معلوم ہوا کہ اراغان میں ایک بزرگ اور فاضل شخص ہو، جس کو شیخ سدید محمّد بن عبدالملک کہتے ہیں۔ شہر کے قیام سے چونکہ میں افسردہ خاطر ہو رہا تھا لہٰذا شیخ کا نام سُنتے ہی میں نے اس کو ایک خط لکھا اور اپنے حال سے آگاہ کیا اور عرض کیا کہ مجھے اس شہر سے ایسی جگہ پہنچا دیجیے جہاں امن و امان ہو الغرض خط پہنچتے ہی تیسرے دن میرے پاس تین مسلح پیادے پہنچ گئے اور انھوں نے کہا کہ ہم کو شیخ نے بھیجا ہو کہ ہم آپ کے ہمراہ اراغان چلیں، چنانچہ مجھ کو نہایت آرام سے اراغان لے گئے۔

اراغان [۳۲۵] یہ بھی بڑا شہر ہو، بیس ہزار کی مردم شماری ہو۔ اراغان کے شرقی جانب ایک ندی ہو، جو پہاڑ سے نکلی ہو اور پھر اس ندی کے شمال سے چار بڑی

اصفہان ۲۱۷

خان لنجان سے چل کر آٹھ صفر ۴۴۴ھ کو میں اصفہان میں داخل ہوا۔ بصرہ سے اصفہان تک ایک سو اسّی فرسنگ کی مسافت ہو۔ شہر اصفہان مسطح زمین پر آباد ہو۔ آب و ہوا اچھی ہو اور دس گز زمین کھودنے پر ٹھنڈا اور شیریں پانی نکل آتا ہو۔ شہر کی فصیل بلند اور مضبوط ہو جس میں دروازے اور مورچے بنائے ہیں اور تمام فصیل پر کنگرے ہیں۔ شہر کے اندر نہریں بہتی ہیں اور عمارتیں بلند و خوبصورت ہیں۔ وسط شہر میں ایک بڑی اور خوشنما جامع مسجد ہو۔ شہر پناہ کی دیوار ۳½ فرسنگ میں ہو۔ تمام شہر آباد ہو، کسی جگہ ویرانہ نظر نہیں آیا بازار بہت ہیں، صرافہ بازار میں دو سو صراف ہوں گے۔ ہر بازار الگ الگ ہو اور اس کی حد بندی دروازوں سے کی گئی ہو، یہی حالت تمام شہر کے محلوں کی ہو، جس میں مضبوط دروازے لگے ہوئے ہیں۔ مہمان سرائیں اچھی تھیں اور ایک کوچہ تھا جس کا نام کوطراز تھا، چنانچہ اس کوچہ میں پچاس سرائیں تھیں اور ہر ایک سرائے میں دلال اور تاجر بیٹھے رہتے ہیں۔ جس قافلہ کے ہمراہ میں آیا تھا ان کے پاس ایک ہزار تین سو خروار وزن تھا۔ جب میں شہر میں پہنچا تو قافلہ والوں میں سے کوئی نظر نہ آیا کہ یہ لوگ کہاں اُترے، کیونکہ نہ قلت جگہ کی شکایت تھی، نہ کمی خوراک کی۔

جب سلطان طغرل بیگ ابوطالب محمد بن میکائیل بن سلجوق رحمۃ اللہ علیہ نے اس شہر کو فتح کیا ہو تو اصفہان کا والی ایک نیشاپوری جوان تھا جوادیب، خوشنویس، سلیم الطبع اور خوبصورت تھا جس کو خواجہ عمید کہتے تھے۔ علم دوست فصیح البیان اور فیاض تھا۔ اور سلطان نے حکم دیا تھا کہ "تین برس تک رعایا سے خراج نہ لیا جائے"، چنانچہ خواجہ نے اس پر عمل کیا۔ اور آوارہ وطن اشخاص آکر آباد ہوتے جاتے تھے۔ اور خواجہ عمید سلطان کے ارکانِ مشورہ میں سے تھا۔

میرے پہنچنے سے پہلے یہاں عظیم الشان قحط تھا لیکن جب میں پہنچا ہوں اس وقت جَو کے کھیت (فصل ربیع) کٹ رہے تھے۔ گیہوں کی سوا دو سیر (۲¼) روٹی ایک درہم عدلی کو فروخت ہوتی تھی اور اسی حساب سے جَو کی روٹی ساڑھے چار سیر (۴½) بکتی تھی۔ لوگوں کا بیان تھا کہ ایک درہم میں بارہ سیر روٹی سے کم کبھی کسی نے فروخت ہوتے نہیں دیکھی ہے۔ جن ممالک میں فارسی زبان بولی جاتی ہے میں نے ان شہروں میں اصفہان سے زیادہ خوبصورت اور آباد کوئی دوسرا شہر نہیں دیکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر گیہوں اور جَو اور دوسرے غلّے بیس سال تک کھتّوں میں رکھے رہیں تو خراب نہیں ہوتے۔ بعض کا قول ہے کہ جب فصیل شہر نہ تھی تو آب وہوا بہت ہی اچھی تھی اب فصیل بنانے سے تبدیل ہوگئی جس کی وجہ سے بعض اشیا خراب ہوجاتی ہیں۔ لیکن دیہات کی آب وہوا بدستور ہے۔ چونکہ قافلہ دیر میں پہنچا اس لیے بیس دن تک اس کے انتظار میں اصفہان میں مقیم رہا۔

نائین[۲۱۸]

اٹھائیس صفر ۴۴۴ھ کو اصفہان سے روانہ ہوکر موضع ہیثماباد میں پہنچا اور یہاں سے براہ صحرا و کوہ مکیان قصبہ نائین میں داخل ہوا۔ اصفہان سے اس قصبہ تک تیس فرسنگ کا فاصلہ تھا اور نائین سے چالیس فرسنگ چل کر موضع کرمہ میں آیا۔ یہ جنگلی پرگنہ کا ایک موضع ہے جس میں دس بارہ گانو آباد ہیں اور یہ گرم مقام ہے۔ کھجور کے باغات ہیں۔ یہ ناحیہ قدیم زمانہ میں کوفچی (کرمان کے ڈاکو) قوم کے قبضے میں تھا۔

امیر ابوالحسن گیلکی بن محمّد فرمانروائے طبس کے حالات

میرے زمانہ سیاحت میں امیر گیلکی نے ان لوگوں سے یہ ناحیہ چھین لیا تھا اور اس امیر کی طرف سے ایک موضع میں جس میں ایک چھوٹا سا قلعہ بھی ہے، اس کا نائب رہتا ہے۔ اور اس موضع کا نام پیادہ ہے

اور نائب مذکور اس علاقہ کا منتظم ہے۔ وہی راستوں میں امن و امان قایم رکھتا ہے۔ اگر کوفچی ڈاکہ ڈالنے کے لیے کہیں جاتے ہیں تو امیر گیلکی کے سپاہی ان کا تعاقب کرتے ہیں اور ان کو گرفتار کر کے مال چھین لیتے ہیں اور قتل کر ڈالتے ہیں چنانچہ اس سردار کی نگرانی کے باعث راستہ پُرامن اور مخلوق آسودہ ہے (خدائے تبارک تعالیٰ تمام شاہان عادل کا محافظ اور مددگار رہے اور سلاطین سلف کی روحوں پر اپنی رحمت نازل کرے)۔

اس جنگل کے راستہ پر دو دو فرسنگ کے فاصلے پر چھوٹے چھوٹے بُرج بنا دیے ہیں اور حوض بھی ہیں جن میں بارش کا پانی جمع ہوتا ہے۔ اور یہ حوض ایسے مقام پر ہیں جہاں کی زمین میں کھار نہیں ہے۔ اور یہ برج اس لیے بنائے ہیں کہ مسافر راستہ نہ بھولیں اور نیز گرم و سرد موسم میں تھوڑی دیر ان میں آرام کریں۔

راستے میں ریگ رواں (ایک قسم کی دَلدل) بہت ہے۔ اس ریگستان میں اگر کوئی راستہ بھول جائے تو پھر اس کا ریگ سے نکلنا محال ہے مر ہی جاتا ہے۔ ریگستان طے کرنے کے بعد زمین شور نمایاں ہوئی جس کی سطح اُبھری ہوئی تھی۔ چھ فرسنگ تک اسی قسم کی زمین تھی۔ اگر کوئی شخص ذرا بھی راستے سے بہک جائے تو اس زمین میں دھنس جائے۔ یہاں سے میں براہ رباط زبیدہ جس کو رباط مرامی بھی کہتے ہیں روانہ ہوا۔ رباط زبیدہ میں پانچ کنویں ہیں۔ اگر یہ رباط اور چاہات نہ ہوتے تو اس جنگل سے کوئی مسافر گزر نہیں سکتا تھا۔ یہاں سے موضع رستاباد میں داخل ہوا۔ جو طبس کے چار مواضعات میں سے ایک موضع ہے اور نویں ربیع الاول کو شہر طبس میں داخل ہوا۔

طبس ۲۱۹ | اصفہان سے طبس تک ایک سو دس فرسنگ کا فاصلہ ہے۔

شہر طبس کی آبادی گنجان اور دیہات سے مشابہ ہی، پانی کی کمی ہی اور زراعت بھی کمتر ہی۔ لیکن نخلستان اور باغات بہت ہیں۔ جب طبس سے شمال کی طرف چلیں تو چالیس فرسنگ کی مسافت پر نیشاپور آتا ہی اور جب جنوب کی سمت سے خبیص کو براہ بیابان روانہ ہوں تو بھی چالیس فرسنگ کی مسافت ہی۔ اور شرق میں ایک بڑا پہاڑ ہی۔ اس وقت طبس کا حاکم گیلکی بن محمد تھا جس نے طبس کو بزورِ تلوار فتح کیا ہی۔ رعایا بہت امن اور آسایش سے رہتی ہی۔ چنانچہ شب کو مکانوں کے دروازے بند نہیں کرتے ہیں اور مواشی گلیوں میں کھلے پھرتے ہیں (باوجودیکہ فصیل نہیں ہی) اور کسی عورت کی یہ طاقت نہیں ہو کہ غیر آدمی سے باتیں کرے اور اگر ایسا ہو تو دونوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ اور امیر کے عدل و حفاظت کی وجہ سے چور اور ڈاکو بھی نہیں ہیں۔ عرب و عجم میں صرف چار مقام پر انصاف اور امن و امان میں نے دیکھا ہی (۱) ناحیہ رشت میں بزمانہ حکومت لشکر خاں (۲) دیلستان میں بزمانہ امیر امیران جستان بن ابراہیم (۳) امیر المومنین المستنصر باللہ فاطمی کے عہد میں (۴) طبس میں بزمانہ حکومت ابوالحسن گیلکی بن محمد۔ میں نے جہاں تک سیاحت کی ہی، بجز ان چار مقامات کے اور کہیں ایسا امن و امان نہ دیکھا ہی، نہ سنا ہی۔ امیر مذکور نے طبس میں مجھے سترہ دن مہمان رکھا، دعوتیں کیں اور رخصت کے وقت صلہ دیا اور پھر بھی معذرت کی (خداوند تعالیٰ اس سے خوشنود ہو) اور ایک سوار کو زوزن تک میرے ساتھ روانہ کیا جس کا فاصلہ بہتر فرسنگ تھا۔ طبس سے بارہ فرسنگ پر ایک قصبہ ملا جس کو رقہ کہتے ہیں۔

اس قصبہ میں پانی کے چشمے تھے، کھیت، باغ، درخت، فصیل، جامع مسجد، مواضعات اور مزارع بھی بکثرت تھے۔ نویں ربیع الثانی کو رقہ سے

روانہ ہوکر بارھویں کو شہر تون میں پہنچے۔ رقہ اور تون میں بیس فرسنگ کا فاصلہ ہے۔

تون ۲۲۰

تون کسی زمانہ میں بڑا شہر تھا، لیکن جب میں نے دیکھا ہے، اس وقت اکثر حصّہ ویران ہو چکا تھا۔ اور جنگل کے کنارے آباد ہے۔ چشمے اور کاریز موجود ہیں۔ مشرقی سمت میں بکثرت باغات ہیں اور قلعہ بھی مضبوط ہے۔

کہتے ہیں کہ اس شہر میں چار سو کارگاہیں تھیں جن میں مصلّے بنے جاتے تھے۔ اور شہر کے مکانوں میں پستہ کے درخت بہت تھے۔ بلخ و تخارستان کے باشندے خیال کرتے ہیں کہ پستہ کا درخت بجز پہاڑ کے نہ کہیں اگتا ہے اور نہ کہیں ہوتا ہے۔

کاریز کنابد ۲۲۱

جب میں تون سے روانہ ہوا تو سوار ندکور نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں تون سے کنابد کو جا رہا تھا کہ رہزنوں نے جنگل سے نکل کر ہم پر حملہ کیا، چند آدمی ڈر کر کاریز کے کنوئیں میں جا گرے، اس کے بعد ان میں سے ایک شخص کا باپ آیا جو اپنے بیٹے کو از حد چاہتا تھا۔ اس نے اُجرت دے کر ایک آدمی کو کاریز میں اتارا کہ اس کے لڑکے کو نکال لائے۔ چنانچہ بہت سی رسیاں فراہم کی گئیں اور بہت لوگ جمع ہو گئے۔ سات سو گز رسی نیچی گئی تب وہ مزدور کاریز کی تہ میں پہنچا اور نعش کو رسّی میں باندھ کر کھینچ لیا۔ جب وہ مزدور باہر نکلا تو اس نے بیان کیا کہ اس کاریز کے اندر پانی بافراط ہے اور چار فرسنگ تک چلی گئی ہے۔ اور مشہور ہے کہ کیخسرو کے حکم سے یہ کاریز تعمیر کی گئی ہے۔

قائن ۲۲۲

۲۳ ربیع الاول کو میں شہر قائن میں پہنچا، تون سے یہاں تک اٹھارہ فرسنگ ہوتے ہیں۔ لیکن قافلہ چار دن میں پہنچتا ہے، کیونکہ اس منزل کے کوس سخت ہیں۔

قائن بڑا شہر اور مستحکم ہے جس کے گرد خندق ہے اور جامع مسجد بھی شہر کے اندر ہے اور جس جگہ مقصورہ ہے وہاں بڑی محراب ہے اور تمام خراسان میں اتنی بڑی محراب میری نظر سے نہیں گزری، لیکن یہ محراب مسجد کے شایان نہیں ہے۔ اور تمام شہر کے مکانات کی چھتیں لداؤ ہیں (جن پر گنبد ہیں)۔

قائن سے جب مشرق و شمال کی طرف روانہ ہوں تو اٹھارہ فرسنگ پر زوزن ہے۔[۲۲۳] اور جنوبی سمت میں تیئس فرسنگ پر ہرات ہے۔ قائن میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی جس کو ابو منصور محمد بن دوست کہتے تھے۔ ہر علم سے باخبر تھا، طب، نجوم اور کسی قدر منطق بھی جانتا تھا۔ مجھ سے سوال کیا کہ افلاک اور ستاروں کے ماورا کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ چیز کا اطلاق صرف ان اشیا پر ہوتا ہے جو داخل افلاک ہیں (نہ کسی اور پر)۔ یہ سن کر کہنے لگا کہ ان گنبدوں (افلاک) کے ماورا کچھ اور ہے یا نہیں؟ میں نے کہا کہ ضرور ہونا چاہیے، کیونکہ عالم محدود ہے جس کی حد فلک الافلاک ہے۔ اور حد کی تعریف یہ ہے کہ اپنی جزُ سے جُدا نہ ہو۔ اور جب یہ معلوم ہو گیا تو واجب آیا کہ افلاک کی اندرونی کیفیت بیرونی کے مخالف ہو، پس جس شے کو عقل ثابت کرتی ہے وہ غیر متناہی ہے۔ اور اگر ہے تو کہاں تک؟ اور اگر غیر متناہی نہیں ہے تو وہ کیونکر فنا ہو گا؟ الغرض اسی قسم کی گفتگو ہوتی رہی۔ پھر مجھ سے کہا کہ میں اس مسئلہ میں حیرت زدہ ہو رہا ہوں میں نے کہا سب کا یہی حال ہے۔ الغرض عبید نیشاپوری اور رئیس زوزن کی باہمی مخالفت کے سبب سے ایک مہینہ تک قائن میں قیام رہا۔ اور امیر گیلکی کی سوار کو میں نے یہاں سے واپس کر دیا۔ اور قائن سے بقصد روانگی سرخس روانہ ہوا۔ اور دوسری جمادی الآخر کو سرخس میں داخل ہوا۔ بصرہ سے سرخس تک تین سو نوے[۳۹۰] فرسنگ کا فاصلہ شمار میں آیا۔

سرخس سرخس سے میں رباط جعفری، رباط عمروی اور رباط لغمتی کے راستے سے روانہ ہوا، کیونکہ یہ تینوں رباط اس منزل میں قریب قریب واقع ہیں۔

مرورود اور بارھویں جمادی الثانی کو میں شہر مرورود میں پہنچا۔ اور دو یوم کے بعد براہ آب گرم یہاں سے روانہ ہو کر انیس تاریخ کو فاریاب میں داخل ہوا جو مرورود سے چھتیس[۳۶] فرسنگ تھا۔ اس وقت خراسان کا فرمانروا چغری بک ابو سلیمان داؤد بن میکائیل بن سلجوق تھا۔ مگر ان دنوں امیر مذکور شبورغان میں تھا۔ اور وہاں سے مرو (شاہ جان) جانے کا قصد تھا جو اس کا دارالحکومت تھا، لیکن راستہ کی بدامنی سے میں سنگلان کو چلا گیا۔ اور یہاں سے براہ سہ درہ بلخ میں داخل ہوا۔

بلخ جب میں رباط سہ درہ میں پہنچا تو سنا کہ میرا بھائی خواجہ ابوالفتح عبدالجلیل وزیر خراسان (ملقب بہ ابو نصر) کے ارکان میں ہے۔ اور مجھے خراسان سے نکلے ہوئے سات برس ہو چکے تھے۔ جب دستگرد[۲۲] میں پہنچا تو میں نے ایک بھیرو بنگاہ دیکھی کہ شبورغان کو جا رہی ہے۔ میرا دوسرا بھائی خواجہ ابوسعید جو ہم سفر تھا، اس نے پوچھا کہ یہ کس کا لشکر ہے؟ جواب ملا کہ وزیر کا! پھر پوچھا کہ تم ابوالفتح عبدالجلیل کو پہچانتے ہو؟ جواب دیا کہ ابوالفتح کا ملازم ہمارے ساتھ ہے، چنانچہ اسی وقت ایک شخص آیا اور پوچھا کہ کہاں سے آ رہے ہو؟ ہم نے کہا کہ حج سے۔ اس نے کہا کہ ہمارے خواجہ کے دو بھائی تھے اور وہ دونوں عرصے سے حج کو گئے ہوئے ہیں اور خواجہ ہمیشہ ان کا مشتاق رہتا ہے، لیکن جس کسی سے پوچھتا ہے کوئی حال نہیں بتاتا ہے۔ میرے بھائی نے کہا کہ میں ناصر کا خط لایا ہوں، جب تمھارا آقا ملے گا تو اس کو دوں گا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ قافلہ سڑک پر ٹھیر گیا اور ہم بھی راستے پر کھڑے رہے۔ اس نوکر نے کہا کہ اب

خواجہ آیا ہی چاہتا ہے۔ تم کو موجود نہ پائے گا تو رنجیدہ ہوگا۔ اگر تم ناصر کا خط مجھ کو دو تو میں خواجہ کو دے دوں، وہ بہت خوش ہوگا۔ میرے بھائی نے کہا کہ تم ناصر کا خط چاہتے ہو یا خود ناصر کو؟ دیکھو یہ **ناصر** ہے! وہ خادم خوشی کے مارے ایسا متوالا ہوگیا کہ اس سے کچھ اُٹھاتے دھرتے نہ بن پڑا۔ میں دیہات کے راستے سے بلخ کو جارہا تھا اور خواجہ ابوالفتح دست گرد سے آرہا تھا اور امیر کی خدمت میں خراسان کو جارہا تھا۔ میرا حال سُن کر دست گُرد سے لوٹا اور جموکیان[۲۵] کے پُل پر ٹھیر گیا، یہاں تک کہ ہم بھی پہنچ گئے۔ یہ شنبہ کا دن تھا اور چھبیسویں[۲۶] تاریخ جمادی الثانی سنہ ۴۴۲ھ دسمبر سنہ ۱۰۵۲ء) کی تھی۔ بھائی سے ملنے کی کوئی امید نہ تھی اور میں خود متعدد مرتبہ ہلاکت میں پڑ چکا تھا اور امیدِ حیات باقی نہ تھی۔ ایسی حالت میں بھائی سے مل کر اور اس کو دیکھ کر ازحد مسرت ہوئی اور خداوند تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور اسی دن ہم سب بلخ پہنچ گئے اور میں نے حسب حال یہ تین شعر لکھے:-

رنج و عنائے جہاں اگرچہ دراز است
با بد و نیک بیگماں بسر آید

چرخ مسافر زبہر ماست شب و روز
ہرچہ یکے رفت براثر دگر آید

ما سفر بر گذشتنی گزرانیم
تا سفر ناگذشتنی بدر آید

ترجمہ اشعار فارسی حسب ذیل ہی :-

رنج و غم ہیں گرچہ دنیا کے طویل | نیک و بد کرتے ہیں سب انساں بسر
واقعہ ہو یہ " ہمارے واسطے | آسماں ہو رات دن گرمِ سفر "
دوسرا ہوتا ہو اُس کا جانشین | ایک جب دنیا سے جاتا ہو گزر
میں بھی ہوں اس راستہ پر گامزن | جس سے ممکن ہی نہیں راہ مفر
ختم ہو یعنی کسی عنوان سے | وادی دشوار و بحر پُرخطر

(از مترجم)

میں بلخ سے مصر گیا تھا اور وہاں سے مکہ معظمہ اور پھر بصرہ ہوکر فارس میں واپس آیا اور بلخ میں داخل ہو گیا۔ علاوہ بریں ان ممالک کے اطراف میں زیارتوں کو بھی گیا تھا، چنانچہ مجموعی مسافت میری سیر و سیاحت کی دو ہزار دو سو بیس (۲۲۲۰) فرسنگ تھی۔

میں نے جو کچھ دیکھا تھا، اس سرگزشت کو سچائی سے لکھ دیا ہو۔ بعض روایتیں جو میں نے سنی ہیں اگر اس میں کچھ خلاف ہو تو ناظرین اس خاکسار کی جانب منسوب نہ کریں اور مواخذہ سے معاف فرمائیں اور بُرے الفاظ سے یاد نہ کریں۔ اگر خدا نے توفیق دی اور سفرِ مشرق کا اتفاق ہوا تو جو کچھ مشاہدہ کروں گا وہ بھی اس سفرنامہ میں شامل کر دیا جائے گا۔ اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَحْدَہٗ الْعَزِیْزُ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ؕ

حواشی سفرنامہ متعلق امصار و دیار
و
مشاہیر حکما و علما وغیرہ

۱ قبادیان — بلخ کا مشہور ناحیہ تھا، اب ویران ہے۔ معجم البلدان یاقوت حموی صفحہ ۲۳ جلد ۷۔

۲ مرو — مطلق مرو سے ہمیشہ مرو شاہ جان مراد ہوتا ہے۔ شیخ شیراز فرماتے ہیں ؎ طبیبے پری چہرہ در مرو بود۔ کہ در باغ دل قامتش سرو بود

ارباب جغرافیہ کا قول ہے کہ "بہ لحاظ عظمت و شان اس شہر کو شاہ جان یعنی نفس السلطان (روح سلطان) کا خطاب دیا گیا تھا۔ اور یہ عربی لہجہ ہے خراسانی مروز اور مرو شاہ جہاں کہتے ہیں لیکن اس میں بھی وہی جلالت و عظمت ہے۔ صوبہ خراسان میں مرو، اُم القریٰ کا درجہ رکھتا ہے۔ ابو اسحاق اصطخری جس نے ۳۴۰ھ ۹۵۱ء میں بلاد العرب سے ہندوستان تک سیاحت کی ہے اپنے جغرافیہ مسالک الممالک میں لکھتا ہے کہ "مرو ہمیشہ مرو شاہجان کے نام سے شناخت کیا جاتا ہے۔ اس کا قلعہ طہورث پیشدادی کا بنا کردہ ہے اور شہر کا بانی ذوالقرنین ہے۔ مرو ایک کھلے ہوئے میدان میں آباد ہے جس کے اطراف میں پہاڑوں کا کہیں نام نہیں ہے۔ البتہ زمین ریتلی ہے اور تمام عمارتیں مٹی کی ہیں۔ تین مسجدیں ہیں ایک میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور ان مساجد میں ایک مسجد بازار اور دار الامارۃ، ابو مسلم خراسانی بانی دولت عباسیہ کی یادگار ہے۔" اصطخری کے زمانۂ سیاحت تک امرائے مرو دار الامارۃ میں اجلاس کرتے تھے۔ یہ عمارت اینٹوں کی تھی اور اس کا قبہ ۵۵ گز دور کا تھا، قلعہ وسعت میں شہر کے برابر تھا لیکن اب ویران و شکستہ ہو چکا ہے۔ باوجود بلندی کے قلعہ کے اوپر ہنوز کاریز (زمین دوز نہر) جاری ہیں جن سے کھیتیاں ہوتی ہیں۔ بازار اعلیٰ درجے

کے صاف ستھرے ہیں عید کی نماز محلہ راس المیدان میں ہوتی ہو اور شہر کے اندر چار نہریں
ہرمز قرہ ، ماجان ، رزیق ، نہر سعدی خراسانی جاری ہیں اور ان سب کا منبع دریائے
مرغاب (ما ، مرو) ہو جو بامیان کی طرف سے بہتا ہوا آتا ہو جس کے گرد عمارات
مساجد اور بازار ہیں اور شہر کے اندر چار دروازے ہیں ۔ باب المدینہ، باب سنجان،
باب بالین ، باب درمشکاں ۔ ابتدا میں مرو شاہ جان ، مامون الرشید عباسی کا
دارالخلافہ تھا اور وہ اس شہر کو بہت پسند کرتا تھا ۔ اور اس کا محل باب درمشکاں میں
تھا ۔ ۱۹۷ھ / ۸۱۲ء میں امین الرشید پر فتح پانے کے بعد بغداد میں منتقل ہوا ۔

عباسیوں کے بعد آلِ سلجوق کا دارالحکومت قرار پایا اور سلطان سنجر بن ملک شاہ
سلجوقی کے عہد میں بڑے عروج پر تھا ۔ ۶۱۷ھ / ۱۲۲۰ء میں تولی خاں نے تباہ کیا ۔ اس وقت
مرو فوجی چھاؤنی تھی اور یہاں ۹۰ ہزار فوج موجود تھی اور تینوں مسجدوں میں نماز ہوتی
تھی ۔ تولی خاں نے قتلِ عام کیا اور تقریباً ۲۰۰ برس تک مرو ویران پڑا رہا اور ۸۱۲ھ / ۱۴۰۹ء
میں شاہرخ مرزا نے از سرِ نو آباد کیا اور دریائے مرغاب سے نہر لایا (آب رفتہ
بجو آمد) اور قدیم بند کو درست کیا ۔ عمق نہر ۲۰ گز سے ۵ گز تھا ۔ دسویں صدی ہجری
میں اُوزبکوں نے اس کو تباہ و برباد کر دیا ۔ اب کھنڈرات باقی ہیں ۔ مرو علمی بستی تھی
جس کے فقیہہ اور ادیب مشہور ہیں ۔ جامع مسجد اور مدارس میں دس عظیم الشان کتب خانے
تھے جس کی تفصیل معجم البلدان میں ہو ۔ حکیم برزویہ اور باربد مغنی کا وطن تھا ۔ آب وہوا
ضرب المثل تھی ۔ نہروں کی وجہ سے پانی کی افراط تھی ۔ ہر گھر میں حمام تھے ۔ روٹی بہ لحاظ
ذائقہ تمام خراسان میں مشہور تھی ۔ تربوز عراق تک جاتا تھا ۔ ریشم کی پیداوار بہت تھی ۔
جُرجان اور طبرستان میں جب ریشم کے کارخانے قایم ہوئے تو کیڑے مرو سے
بھیجے گئے تھے ۔ مرو کے ریشمی کپڑے بھی مشہور ہیں اور میوہ میں مُنقّٰی ، انجیر ، عناب
بافراط ہوتا تھا ۔ مرو کے مشہور قریے اور ناحیے حسب ذیل ہیں :-

خرق، ہرمز قرہ، باشان، سنجان، سوسقان، دندانقان، مروالرود، قصراحنف اور نوکر۔ مرو سے بعض مشہور شہروں کے فاصلے حسب ذیل ہیں:-

نیشاپور - ۷۰ فرسنگ، سرخس - ۳۰ فرسنگ اور بلخ = ۱۲۲ منزل۔ نقشہ میں مرو کا موقع حسب ذیل ہی: طول البلد ۶۲ درجے ۱۰ دقیقہ مشرق، عرض البلد ۳۷ درجہ ۳۰ دقیقہ شمال (انتخاب از اصطخری صفحہ ۲۵۸۔ مقدسی ۲۹۸، ابن حوقل ۳۱۴ ہمدانی ۳۲۰ معجم یاقوت ۵/۱۱۲ وگنج دانش حالات مرو وصور الممالک قلمی)۔

پنج دیہہ جس کا عربی میں "الخمس قُری" ترجمہ ہوا اس کا مختصر نام خمقری ہی۔ خراسان کے ناحیہ مرورود میں ایک نہایت سرسبز اور آباد قصبہ تھا۔ ابتدا میں پانچ گانو کی آبادی ایک دوسرے سے متصل تھی لیکن آخر میں ترقی کر کے یہ پانچ گانو ایک قصبے کی صورت میں آباد ہو گئے اور اس مجموعہ کا نام پنج دیہ قایم رہا۔ سلطان ملک شاہ سلجوقی کے عہد میں پنج دیہ بڑے عروج پر تھا۔ تاتاریوں نے جب خراسان پر حملہ کیا ہو اس وقت آبادی منتشر ہو گئی۔ یہ ایک علمی بستی تھی، ابو عبداللہ محمد شارح مقامات حریری متوفی ۵۸۴ھ/۱۱۸۸ء اس خاک کا ایک نامور عالم تھا۔ اب بھی پنج دیہ روسی ترکستان میں ایک قصبے کی حیثیت سے آباد ہی۔ نقشہ میں کشک (مرغاب) ندی کے کنارے جانب مشرق واقع ہی طول البلد ۶۲ درجے ۴۵ دقیقے مشرق اور عرض البلد ۳۵ درجے ۵۸ دقیقے شمال ہی۔ ضیاء الملت والدین امیر عبدالرحمٰن خاں والی خداداد افغانستان کے عہد میں گورنمنٹ روس کے مقابلے میں جب حد بندی کے لیے کمیشن مقرر ہوا تو مارچ ۱۸۸۵ء/۱۳۰۲ھ میں پنج دیہ حدود افغانستان سے خارج ہو کر روسی ترکستان میں داخل ہو گیا۔ اور اس وقت فوجی چھاونی ہی۔ آبادی ترقی کرتی جاتی ہی۔ تختہ بازار مشہور چوک ہو۔ نہایت سرد مقام ہی، موسم سرما میں پنج دیہ کی پہاڑی برف پوش چوٹیوں کا منظر نہایت دلکش ہوتا ہی۔ کسی شاعر نے

کیا خوب کہا ہی:۔

دامنِ کہسار میں پیک نظر کے سامنے | سلسلہ تھا ایک چٹانوں کا سراسر پیچ و تاب
ان کے اوپر چوٹیاں ابرو پہ بل ڈالے ہوئے | جن کے عارض پر پڑا تھا ابر سیمیں کا نقاب
سب کے اوپر برف کا دریائے ابیض موجزن | جس کو سورج نے کیا تھا غیرت لعل مذاب

(معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۲۹۰ وصفحہ ۵۶۴ وانسائیکلو پیڈیا برٹمنیکا دخیابان فارس)

مروالرود یا مروالنہر

چونکہ یہ شہر نہر کے کنارے آباد تھا لہٰذا مروالرود مشہور رہوا۔ حکیم زجاجی کہتا ہی ؎

بنا کام در مرو رودش بگشت | ازاں پس کہ شد روز گارش درشت

آب مرغاب کا سرچشمہ کوہ بامیان ہی۔ آب مرو، بلخ، ہراۃ، اور سجستان کی ندیاں بھی اسی سے نکلی ہیں۔ یہ مروشاہ جان سے بہت چھوٹا ہی۔ لغت عرب میں مرو اس سفید پتھر کو کہتے ہیں جس سے آگ جلاتے ہیں (چقماق) اور سرخ پتھر سے آگ نہیں جلائی جاتی چونکہ اس علاقے میں سفید پتھریاں اور سفید رنگ کے ریزے بہت ہیں۔ لہٰذا اس مناسبت سے شہر کا نام مرو قرار پایا تھا ۱۸۸۴ء سے گورنمنٹ روس کے قبضے میں ہی اور روسی ترکستان میں شامل ہی۔ ہرات سے ۲۳۰ میل اور خیوا سے ۲۸۰ میل کا فاصلہ ہی۔ ۶۲ درجے ۳ دقیقہ طول البلد مشرق اور ۳۶ درجہ ۲۸ دقیقہ شمال عرض البلد ہی۔ مروشاہجان سے پانچ دن کی مسافت پر واقع ہی۔ مرو کی آبادی نہایت قدیم ہی۔ اس کا یونانی نام مرجیانہ یعنی عروس البلاد ہی۔ عربوں کے عہد میں بھی نہایت آباد رہا۔ مرو کے مشہور مقامات میں سے قصر احنف اور دزہ ہیں۔ قصر مذکور بلخ کے راستے پر ایک منزل کے فاصلے پر تھا۔ اور دزہ انبار کی سڑک پر تھا جس کی مسافت مرو سے ۴ فرسنگ تھی۔ یہاں نہریں جاری تھیں، باغات کی افراط تھی جن میں انگور بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ ایک صدی گزری ہی کہ قدیم مرو کو روس نے تباہ کر دیا ہی جس کے کھنڈرات

باقی ہیں اور مسلمان فاتحین کے مزار ان کی فتوحات کی یاد دلاتے ہیں۔ جدید **مرو** قدیم شہر سے ۱۰ میل کے فاصلے پر آباد کیا گیا ہے اور یقین ہے کہ **مرورود** کو آیندہ بڑی ترقی نصیب ہو گی۔ کیونکہ سیاسی حیثیت سے اس کا موقع نہایت اہم ہے علاوہ ازیں زراعت و تجارت کے کافی وسایل موجود ہیں۔ **عاشق آباد** (ترکستان میں روسیوں کا نیا شہر جس کی آبادی دس ہزار ہے متصل علاقہ تقی ترکمان) سے جو بڑی تجارتی سڑک **مشہد مقدس** کو کوہستان کے محاذ میں جاتی ہے اور مشرق میں **مرو** کی طرف گھوم کر اول ہری رود بعدہٗ دریائے تجند کو عبور کرتی ہے، اس پر ریلوے لاین ہے جو **بخارا** کے علاقے میں ہو کر **سینٹ پیٹرسبرگ** (پیٹروگراڈ یا لینن گراڈ) دارالحکومت روس تک گئی ہے۔ دریائے مرغاب کے باعث مَرو کے علاقے میں نہایت سرسبز و شاداب نخلستان (کھجور کے باغات) ہیں اور اطراف شہر میں باغات ہیں جن میں انگور اعلیٰ قسم کا ہوتا ہے اور خربوزہ بھی، مَرو کا بازار پُر رونق ہے، جہاں اونٹ، گھوڑے، بھیڑیں اور ترکمانی قالینوں کی تجارت ہوتی ہے۔ بردہ فروشی کا بازار اب سرد پڑ گیا ہے۔ ملکی پیداوار میں کپاس خوب ہوتی ہے۔ پہاڑوں سے گندھک، نمک، کوئلہ وغیرہ کافی مقدار میں نکلتا ہے۔ مَرو کی نسبت سے مَرودشت بھی مشہور ہے لیکن وہ صوبۂ فارس کا ایک جنگل ہے جس کو مرورود سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ مَرو کی نسبت مَروَی اور مَروَزی آتی ہے۔ اصطخری ۲۶۹۔ (معجم البلدان جلد ۸ صفحہ ۳۲ و کتاب "ورلڈ آف ٹوڈے" حالات روسی ترکستان جلد دوم) جدید حالات کے لیے مسٹر امینڈ کا سفرنامہ (مرو او سِس) دیکھنا چاہیے جس میں آثار قدیمہ کے بھی نقشے ہیں۔

۵ ابوسلیمان جغری بک ترکستان اور بلاد چین کے مابین جو عظیم الشان درۂ کوہ واقع ہے وہی ترکی اقوام کا مسکن تھا

اوران اقوام کے اسباب حیات بھی اسی جگہ مہیا تھے۔غُزی، خطائی، تاتاری، ترکمانی، سلجوقی سب ایک ہی قبایل ہیں اور پھران میں تاتاری اور سلجوقی خاص کر ممتاز ہیں۔سلجوق بانیٔ خاندان کا نام تھا جس کے دو پوتے طغرل بک محمد اور اور چغری بک داؤد نہایت نامور ہوئے اور انھوں نے اپنے قبایل کی مدد سے ایک عظیم الشان سلطنت قایم کی۔ناصر خسرو جب سفر کو نکلا ہی اس وقت چغری بک اپنے بڑے بھائی طغرل بک کی طرف سے حیحون سے نیشاپور تک جو علاقہ تھا اس کا والی (گورنر) تھا۔بسال ۴۲۱ھ۔ میں جب سلطان محمود غزنوی کا انتقال ہوگیا اور سلطان مسعود تخت نشین ہوا تو طغرل بک اور چغری بک نے ملک میں عام بغاوت کردی اور فریقین میں مقابلے جاری ہوگئے چنانچہ نیشاپور (۴۲۹ھ ۱۰۳۷ء) اور خراسان (۴۳۱ھ ۱۰۳۹ء) کی فتح پران لڑائیوں کا خاتمہ ہوگیا اور سلطنت غزنویہ کے کھنڈرات پر سلجوقی ایوان حکومت کی بنیا دڈالی گئی۔امیر المومنین القایم بامراللہ عباسی کے دربار سے طغرل بک کو ۴۳۱ھ میں رکن الدین کا خطاب ملا اور خلعت کے ساتھ مذہبی حیثیت سے بلاد مفتوحہ کی سند حکومت بھی مرحمت ہوی۔اس کارروائی کے بعد طغرل بک نے اپنا دارالسلطنت "ری" کو قرار دیا اور چغری بک نے بحیثیت والی، مرو شاہجان کو دارالحکومت بنایا جس کے ماتحتی میں اس وقت ناصر خسرو جوزجانان کا افسر مال (حاکم پرگنہ) تھا۔چغری بک نے بہ مقام بلخ بتاریخ ۱۸ ر رجب ۴۵۱ھ یوم دوشنبہ مطابق ۳۰ ر اگست ۱۰۵۹ء انتقال کیا۔الپ ارسلان، جو بعد میں اپنے چچا طغرل کے لاولد فوت ہونے پر وارث سلطنت ہوا، اسی چغری بک کا بیٹا تھا۔

۶ قِران | دو چیزوں سے اتصال کا نام قِران ہی اور اصطلاح نجوم کے مطابق، باستثنائے آفتاب جب دو ستارے کسی برج میں داخل ہوں تو ان کو

قِران کہتے ہیں یہ اتصال ایک درجے پر ہو یا ایک دقیقہ یا ثانیے پر۔ راس و مشتری کا قِران عروج و شرف میں نہایت سعید ہوتا ہی اور دعا قبول ہوتی ہی۔ یہ نجومیوں کا عقیدہ ہی۔

ے۔ **جوزجانان یا جوزجان** (جوز جانات، مابین مرورود' بلخ کا ایک بڑا پرگنہ ہی، جس کا صدر مقام یہودیہ تھا۔ اور اس کے مشہور مواضعات، شبورغاں، انبار، فاریاب، انخذ (اندخود) کندرم، مرسان، برزور ہیں۔ اور یہ کل پہاڑی علاقہ ہی مگر نہروں کی وجہ سے سرسبز ہی۔ شبورغان سے انبار ایک منزل اور فاریاب سے تین منزل ہی۔ آب و ہوا معتدل ہی جوز اور غلہ زیادہ اور میوہ کم پیدا ہوتا ہی۔ دباغت کیا ہوا چمڑہ اس علاقے سے تمام خراسان میں جاتا تھا (معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۱۶۷ و اصطخری جلد اول صفحہ ۲۷۰ مطبوعہ لیڈن ۱۸۷۰ء و ابن حوقل ۳۲۲)

ے۔ **قدیم سنہ فارسی یزدجردی** اقوام عالم میں جو سنین جاری ہیں ان میں سنہ فارسی بہ لحاظ قدامت سب پر فایق ہی۔ ...... یہ سال شمسی اصطلاحی تھا یعنی آفتاب منطقۃ البروج کا سالانہ دورہ ۳۶۵ دن میں کرتا تھا اور نجومیوں نے سالانہ ایام کی تقسیم اس طرح پر کی تھی کہ گیارہ مہینے تیس تیس یوم کے اور بارھواں مہینہ اسفندار ۳۵ یوم کا رکھا تھا۔ لیکن اس پنج روزہ اضافے کا نتیجہ یہ ہوا کہ دور شمسی میں ہر سال تقریباً ایک چوتھائی دن (ربع شبانہ روز) کی کسر پڑنے لگی جو چوتھے برس ایک دن کے برابر ہو جاتی تھی۔ جس کے پورا کرنے کے لیے ایک سو بیس سال کے بعد ایک مہینہ کبیسہ (لوند)۔ کا بڑھا کر اس سال کو تیرہ مہینے کا کر دیتے تھے۔ اور جس مہینہ کے آخر میں کبیسہ ہوتا تھا وہی نام اس مہینے کا بھی رکھ دیتے تھے چنانچہ اس اصول کے مطابق سب سے پہلا کبیسہ ماہ فروردین میں اور دوسرا اُردی بہشت میں

اور تیسرا خرداد میں ہوا کرتا تھا۔ اور اسی ترتیب سے ایک ہزار چار سو چالیس (۱۴۴۰)
(۱۴۴۰ = ۱۲ × ۱۲۰) سال کی مدت میں ماہ اسفندار پر کبیسہ کا دور ختم ہو جاتا تھا۔
چنانچہ اس عظیم الشان جشن کا فخر صرف جمشید کو حاصل ہوا۔ اور جمشید کے بعد رسم
قرار پا گئی کہ ہر یکم فروردین کو عام جشن منایا جائے چنانچہ تاریخ عجم میں یہی جشن
نوروز اکبری کے نام سے مشہور ہے اور آج تک تمام مملکت ایران میں یہ جشن
منایا جاتا ہے اور برج حمل میں آفتاب اسی تاریخ کو داخل ہوتا ہے۔ حکیم عمر خیام
نیشاپوری نے اس سنہ کی اصلاح کی اور اس کا نام سنہ جلالی ملک شاہی
رکھا۔ فرمانروایان اسلام نے ایرانی رسم و رواج کے لحاظ سے سنہ فارسی
یزدجردی کے اجرا میں باوجود سنہ ہجری کے کوئی مداخلت نہیں کی چنانچہ
ناصر خسرو کے زمانے میں سنہ ہجری کے ساتھ سنہ فارسی بھی لکھا جاتا تھا جیسا
کہ فی زمانناً سنہ ہجری و انگریزی لکھا جاتا ہے۔

۹۔ شبورغان شبرغان، اشبورقان، اشفورقان، شبورقان، شبرقان،
شفرقان، اسورفان، استورقان یہ مختلف لہجے ہیں۔

مصنف جام جم کا قول ہے کہ شبرغان پرگنۂ جوزجانان کا صدر مقام تھا اور آٹھویں
صدی تک خوب آباد رہا، بہر حال پرگنے میں یہ سب سے بڑا قصبہ تھا۔ اور بلخ
سے ۲۲ فرسخ (مسافت دو یوم) کا فاصلہ ہے۔ اصطخری وغیرہ نے بھی ناحیۂ جوزجاناں
کا قصبہ لکھا ہے یہ نہایت سرسبز مقام ہے نہر جاری ہے باغات کمتر ہیں مگر زراعت
بہت ہوتی ہے۔ ۶۱۷ھ / ۱۲۲۰ء تک آباد تھا (معجم البلدان جلد ۵ صفحہ ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۷۹
و جام جم صفحہ ۴۵۶ و اصطخری ۲۷۱)

۱۰۔ باریاب (فاریاب) پرگنۂ جوزجانان کا، ایک آباد گانو تھا جو مغربی
جیحون پر تھا اور شبورغان سے تین منزل کا فاصلہ تھا اور طالقان بھی اسی قدر

فاصلے پر فاریاب سے ہے۔ امام محمدؒ بن یوسف شاگرد حضرت سفیان ثوری و امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ظہیر فاریابی، اس کے نامور فرزند ہیں بلخ سے فاریاب ۶ منزل پر ہے اکثر طلبہ فاراب اور فاریاب میں غلطی کرتے ہیں۔ فاراب بلاد فرغانہ (ماوراءالنہر) میں بلاساغون کے متصل ایک پرگنہ ہے اور دنیائے اسلام میں معلم ثانی ابو نصر محمد بن طرخان فارابی متوفی ۳۳۹ھ ۹۵۰ء کے انتساب سے قیامت تک مشہور رہے گا۔ فاریاب، طالقان سے چھوٹا ہے۔ مگر پانی کی افراط ہے، باغات کثرت سے ہیں، مکانات مٹی کے ہیں۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ فاریاب ایک متمدن شہر ہے تمام ضرورت کی اشیاء ملتی ہیں۔ جامع مسجد میں مینارہ نہیں ہے (اصطخری صفحہ ۲۷۰، ابن حوقل ۳۲۱، معجم البلدان جلد ۶ صفحہ ۳۲۲، ۳۲۸)

۱۱ سنکلان یہ عجمی لہجہ ہے۔ عربی جغرافیوں میں یہ نام نہیں ہے تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یہ موضع سنجان ہے جو مرورود کے گویا دروازے پر ہے اور اس کو درسنکان بھی کہتے ہیں (معجم البلدان جلد ۵ صفحہ ۱۴۶)

۱۲ طالقان اس نام کا ایک بڑا شہر صوبۂ طخارستان میں ہے اور مختلف مقامات میں اس نام کے چند قصبات بھی ہیں یہ طالقان، مرورود اور بلخ کے درمیان ہے جن میں صرف تین منزل کا فاصلہ ہے (از معجم البلدان جلد ۶ ابن حوقل صفحہ ۳۲۱)

۱۳ نیشاپور لَیْسَ فِی الْاَرْضِ مِثْلُ نَیْشَاپُوْر بَلَدٌ طَیِّبٌ وَ رَبٌّ غَفُوْرٌ

ابوالعباس روزنی

حبذا خاک نشاپور و خوشا آب دبیر   کہ نہ آب است و نہ خاکست گلاب است و عبیر

سطح سمندر سے ۲۹۲۰ فٹ بلندی پر واقع ہے۔ طول البلد ۳۶ درجہ ۱۲ دقیقہ عرض البلد ۵۸ درجہ ۴۰ دقیقہ ہے اور مشہد مقدس کے مغرب میں ہے۔ صوبۂ خراسان میں نیشاپور کا شمار ام البلاد میں ہے اور قدیم نام ابرشہر ہے۔

۱۴ سَرَخس | جس کو سَرخُس بھی کہتے ہیں، صوبۂ خراسان میں ایک قدیم شہر ہی جو مرو شاہجان اور نیشاپور کے ٹھیک وسط میں واقع ہی اور سرخس سے ہر دو مقامات کا فاصلہ ۶ منزل ہی۔

۱۵ امہات المدارس | چوتھی صدی ہجری سے قبل دنیائے اسلام میں باضابطہ اجرائے مدارس کا پتہ نہیں چلتا ہو۔

علامۂ سیوطی "حسن المحاضرہ فی اخبار المصر والقاہرہ" میں لکھتے ہیں کہ سنہ ۴۰۰ھ (۱۰۰۹ء) میں الحاکم بامراللہ فاطمی نے قاہرہ میں ایک شاندار مدرسہ تعمیر کیا تھا گویا سلطنت کی طرف سے رعایا کے لیے یہ پہلا مدرسہ تھا جو سلاطین اور امرائے دولت کے لیے چراغ ہدایت بنا، بعدازاں نیشاپور میں عام قومی چندے سے ایک مدرسہ[۲] استاد ابوبکر بن فورک متوفی سنہ ۴۰۶ھ (۱۰۱۵ء) کے لیے تعمیر ہوا۔ تیسرا[۳] مدرسہ نیشاپور میں امیر نصر بن سبکتگین (برادر محمود غزنوی) نے سنہ ۴۱۰ھ (۱۰۱۹ء) میں یا اس کے بعد ہی قایم کیا اور سعدیہ نام رکھا۔ امیر نصر ان دنوں نیشاپور کا گورنر تھا، چوتھا[۴] مدرسہ ابوسعد اسمعیل بن علی المثنیٰ استرآبادی، صوفی، واعظ اور شیخ الخطیب نے نیشاپور میں قایم کیا، پانچواں[۵] مدرسہ طغرل بیگ سلجوقی کا تھا جو ناصر خسرو کے دوران سفر میں زیر تعمیر تھا اور جس کی تعمیر بازار سراجان میں جاری تھی لیکن علامۂ سیوطی کی تحریر سے معلوم ہوتا ہی کہ نیشاپور میں جو مدارس قایم ہوئے ان میں سب سے پہلا مدرسہ بیہقیہ تھا، جس کے مدرس اعظم ابوالقاسم اسکاف اسفرائینی تھے اور امام الحرمین ابوالمعالی متوفی سنہ ۴۷۸ھ (۱۰۸۵ء) استاد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اسی مدرسے کے ایک نامور طالب علم تھے۔ اس کے بعد بغداد میں بماہ ذیقعدہ سنہ ۴۵۹ھ (۲۴ اکتوبر سنہ ۱۰۶۵ء) مدرسۂ نظامیہ خواجہ نظام الملک طوسی بن کر تیار ہوا، جو بلحاظ چند خصوصیات کے گویا دنیائے اسلام میں سب سے پہلا مدرسہ تھا اس

سلسلے میں محمود غزنوی کا مدرسہ بھی قابلِ ذکر ہو جو بمقام دار السلطنت غزنین ۴۱۰ھ ۱۰۱۹ء میں قایم ہوا اور جس پر فتوحات ہندوستانی کا ایک قیمتی حصّہ صرف کیا گیا اور مصارف کے لیے دوامی جاگیر وقف کی گئی (تفصیل کے لیے دیکھو نظام الملک طوسی، وحسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۶ مطبوعۂ مصر)

۱۶۔ خواجہ مُوَفّق عہد طغرل بک سلجوقی میں ہیبت اللہ ملقب بہ خواجہ موفق ایک نامور شخص گزرا ہو جو دفتر انشار میں رسایل فارسی کا منشی تھا اور خواجہ موفق کا بیٹا ابوسہل دار الانشار فارسی کا افسر اعلیٰ تھا۔ ابوسہل علمائے شافعیہ نیشاپور کا صدر شمار کیا گیا ہو (آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۲۹ و گنج دانش صفحہ ۵۰۲)

۱۷۔ کُوان قدیم وجدید جغرافیوں میں اس کا نام نہیں ہو۔ غالبًا کوئی کوہستانی موضع تھا، جس کے اندر ہو کر قومس کو سڑک گئی ہو۔

۱۸۔ قومِس (اقلیم الدیلم) کومہ فارسی میں ان جھونپڑوں (منڈوہ) کو کہتے ہیں جو معمولی بانس نرکل اور گھانس وغیرہ سے بنائے جاتے ہیں اور جن کے اندر بیٹھ کر کاشتکار کھیتوں اور پالیزوں کی حفاظت کرتے ہیں اور شِکاری جو کمین گاہ (پارچہ) بناتے ہیں اس کو بھی کومہ کہتے ہیں اور جنگل میں بادشاہ کے شکار کے لیے جو کمین گاہ بنائی جاتی تھی اس کا نام "کومہ شہ" تھا۔ چنانچہ یہی لفظ عربی زبان میں جاکر قومش ہو گیا۔ جس کو عرب عمومًا قُومس کہتے ہیں۔ نقشے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہو کہ پرگنۂ قومس دامن کوہ میں واقع ہو۔ یاقوت لکھتا ہو۔ "قومس وهی کورۃ کبیرۃ واسعۃ تشتمل علے مدن وقری ومزارع وهی فی ذیل جبال طبرستان"۔

۱۹۔ بِسطام "شاہ رو دندی کے کنارے آباد ہو۔ جس کا صدر مقام شاہ رود

ہی ہی، یہ ایک وسیع اور دولت مند ضلع ہی کوہ البرز اس علاقے کو استرآباد سے جُدا کرتا ہی ایرانی گورنر بسطام میں رہتا ہی۔ حضرت شیخ العارفین طیفور ملقب بہ بایزید متوفی ۲۶۱ھ کا مزار زیارت گاہ خلایق ہی اور مزار کے قریب منارۂ لرزاں ہی۔ اور چونکہ وسط خراسان میں ہو لہٰذا تجارتی منڈی ہی۔ سفرنامۂ شمس العلما آزاد دہلوی میں بسطام کا تذکرہ موجود ہی۔ (از جام جم وخیابان فارس وگنج دانش)

۲۰۔ دامغان اس شہر کی آبادی نہایت قدیم ہی۔ یہ خالص آتش پرستوں کی بستی تھی، اس بنا پر اس کا نام دِہ مغان تھا۔ حکیم لامعی گرگانی شدت سرما کے متعلق کہتا ہی ؎

گردد بہر دیار ، دریں فصل روزگار
آتش پرست خلق چو در دامغاں مُغاں

چنانچہ کثرت استعمال سے دامغان ہوگیا ہی۔ پرگنۂ قومس کا دامغان صدر مقام ہی اور بسطام یہاں سے دو منزل ہی۔ قلعہ قدیم ہی جس میں تین پھاٹک ہیں اور قلعے کے اندر بازار ہیں، آبنوشی کے لیے مرو کی طرح مکانات میں حوض بھی ہیں اور ایک دن کی مسافت پر گردکوہ کا وہ مشہور جنگل ہی جہاں اسماعیلیوں کا مشہور مستحکم قلعہ تھا۔ طہران سے ۲۱۶ میل کے فاصلے پر (رَیّ اور نیشاپور کے مابین) اس سڑک پر واقع ہی جو خراسان کو جاتی ہی۔ حکیم منوچہری اسی شہر کا ایک نامور فاضل اور شاعر تھا (معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۲۶ وانسائیکلوپیڈیا برطانیکا صفحہ ۷، ۸، جلد ۷ وانسائیکلوپیڈیا آف اسلام صفحہ ۹۰۱ جلد اوّل ومقدسی ۳۵۵)

۲۱۔ آب خوری وچاشت خواران قدیم کتابوں میں ان مقامات کا ذکر نہیں ہی، معمولی مواضعات معلوم ہوتے ہیں۔

۲۲۔ سمنان رَیّ اور دامغان کے مابین ایک خوشنما شہر ہی۔ تجارت

معقول ہو اور ہندستان کے بنیے بھی تاجرانہ حیثیت سے موجود ہیں تقریباً ۲۵۰ گھر ہوں گے، مردم شماری ۲۰۰۰۰ ہو، کوہ دماوند کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہو طول البلد ۵۳ درجہ ۳۲ دقیقہ اور ۳۵ درجہ ۳۴ دقیقہ عرض البلد ہو۔ سمنان کا انار مشہور ہو۔

(خیابان فارس و معجم البلدان)

۲۳۔ ابو علی نسائی

یہ کوئی تاریخی شخص نہیں ہو بلکہ ملّائے مکتبی معلوم ہوتا ہو۔ ناصر خسرو نے اس کے متعلق جو رائے قایم کی ہو وہ صحیح ہو اس شخص نے بو علی سینا کو دیکھا ہوگا کیونکہ ناصر کے زمانے سے دس برس پہلے بو علی سینا زندہ تھا۔ نَسَا خراسان کا مشہور شہر ہو اب ویران ہو جس میں صرف ایک موضع کی شان باقی ہو۔ نیشاپور سے ۶ یا ۷ دن کی مسافت پر تھا ابو عبد الرحمٰن صاحب کتاب السنن، اس شہر کے باشندے تھے۔

۲۴۔ بو علی سینا

ابو علی الحسین بن عبد اللہ بن الحسن بن علی بن سینا بخاری مشہور بہ شیخ الرئیس فلسفہ، حکمت اور طب کا مشہور امام ہو۔ موضع خرمثین (بخارا ۳۷۳ھ / ۹۸۵ء) میں پیدا ہوا اور ۲۰ برس کی عمر میں تکمیل علوم و فنون سے فارغ ہو گیا اور درس دینا شروع کیا۔ فن طب میں بو علی سینا، عدیم النظیر مانا گیا ہو۔ ۵۳ سال کی عمر میں بمقام ہمدان ۴۲۷ھ مطابق ۲۵ اکتوبر ۱۰۳۶ء میں انتقال کیا۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتا تھا تذکرۂ ابن ابی اُصیعہ میں عربی کلام کا نمونہ موجود ہو۔ فارسی میں فخریہ کہتا ہو۔

از قعرِ گلِ سیاہ تا اوجِ زحل — کردم ہمہ مشکلاتِ عالم را حل
بیروں جستم ز قید ہر مکر و حیل — ہر بند کشودہ شد، مگر بند اجل

تصانیف بو علی سینا:- کتاب المجموع[1] ۲ جلد، الحاصل[2] والمحصول ۲۰ جلد، انصاف[3] ۲۰ جلد، البِرّ[4] والاثم، کتاب[5] الشفا ۱۸ جلد، قانون[6] ۱۴ جلد، الارصاد[7]، کتاب[8] النجات

۳ جلد، الاشارات[۹]، لسان العرب[۱۰] ۱۰ جلد، المبدء والمعاد[۱۱]، المختصر الاوسط[۱۲]۔

۲۵ بلخ یونانی میں بکٹرا (BAKTRA) اور قدیم فارسی میں بخترِیش (BAKTRISH) یا باختر کہلاتا تھا۔ بلحاظ قدامت صوبۂ خراسان میں بلخ کا شمار بھی ام البلاد میں ہی۔ عہد اسلام میں بھی بلخ عروج پر رہا۔ ۱۲۰۰ مسجدوں میں جمعے کی نماز ہوتی تھی اور قبۃ الاسلام خطاب تھا دورِ چنگیزی (۶۱۸ھ / ۱۲۲۱ء) اور تیموری میں بہت تباہ ہوا۔ ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۰ء سے افغانستان کی حکومت میں ہی، جس کا فاصلہ اندخوی سے جانب مشرق ۱۰۰ میل اور جیحون سے جنوب کی طرف ۴۰ میل ہی سطح سمندر سے بلندی ۱۲۰۰ فٹ ہی، موجودہ آبادی ۵۰۰ مکانات کی ہی، جس میں افغانی، یہودی آباد ہیں۔ ۳۶ درجہ ۴۵ دقیقہ طول البلد اور ۶۶ درجہ ۴۸ دقیقہ عرض البلد ہی۔

۲۶ ری عراق عجم میں نہایت قدیم شہر ہی، جس کو عربوں نے بلحاظ دیرینہ سالی شیخ البلاد (شہروں کا قبلہ وکعبہ) کا خطاب دیا تھا۔

۲۷ ساوہ (اقلیم الجبال) یہ ایک خوب صورت شہر ہی، جوری اور ہمدان کے ٹھیک وسط میں ہی اور ہر دو مقامات سے اس کا فاصلہ ۳۰ فرسخ ہی اور طہران سے ۷۲ میل ہی۔ ساوہ سے دو فرسخ پر شہر آوہ (آبہ) ہی۔ یہ دونوں شہر ۶۱۷ھ / ۱۲۲۰ء تک خوب آباد تھے۔ اس کے بعد تاتاریوں نے دونوں کو برباد کیا، ساوہ میں ہر علم وفن کے باکمال گزرے ہیں۔ سلمان ساوجی اسی شہر کا ایک نامور شاعر تھا۔

۲۸ ہمدان ہمدان دامن کوہ الوند (اروند) میں مشہور شہر ہی۔

۲۹ آمل قدیم صوبۂ طبرستان میں جس کو آج کل ماژندران کہتے ہیں، شہر آمل واقع ہی اور صدر مقام ہی۔ بحیرہ خزر سے جانب جنوب ۱۲ میل پر ہی اور اس کے

شمال میں کوہ دماوند کا سلسلہ ہے، قدیم فارسی میں اس کا نام امردہ تھا، اب اَمل کہتے ہیں۔ جس کا ترجمہ امید ہے۔ اور قدیم شہر سے جانب مغرب آباد ہے، طول البلد ۳۶ درجہ ۲۵ دقیقہ اور ۵۲ درجہ عرض البلد ہے۔ ابن حوقل سیاح نے اس کو ۳۶۷ھ ۹۷۸ء میں دیکھا تھا اس وقت یہ شہر قزوین کی طرح نہایت آباد تھا۔ سنہ ۱۸۹۷ء کے مطابق موجودہ مردم شماری دس ہزار ہے۔

۳۰۔ فرسنگ ناصر خسرو نے سفرنامے میں اظہار مسافت کے لیے لفظ فرسخ کا استعمال کیا ہے، زمانۂ حال میں فرسخ طول ملک کے مختلف حصوں میں نوعیت زمین کے لحاظ سے مختلف ہے۔ ایرانی ایک فرسخ کی تعبیر اس فاصلے سے کرتے ہیں جو ایک لدا ہوا خچر ایک گھنٹے میں طے کرے۔ چنانچہ پہاڑی علاقوں میں ایک فرسخ تین میل سے زیادہ نہیں ہے اور میدانی علاقے میں بعض مرتبہ چار میل سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

فرسخ، پارہ سنگ (PARASANG) کا معرّب ہے۔ یہ ایک بابلی پیمانہ تھا جس کی مقدار ۳۲۵، ۲ میل تھی۔ عربوں کا فرسخ یقیناً پارہ سنگ کا معرّب ہے۔ یونانی میں یہ لفظ TTAGUSYYNS ٹنگوسینس ہے اور فارسی میں فرسنگ ہے۔ زند و اوستا میں فرسخ سے وہ فاصلہ مراد تھا، جہاں سے ایک دوربین شخص ایک اونٹ کو دیکھ سکے اور یہ بتائے کہ یہ اونٹ سفید ہے یا سیاہ، لرستان میں فرسخ وہ مقدار ہے جہاں سے نقارے کی صاف آواز سنائی دے۔ فی زمانناً فرسخ کی مقدار ۹۱۵، ۳ میل ہے ارباب جغرافیہ و لغت نے عام طور پر ۳ میل کا ایک فرسخ قرار دیا ہے اور تفصیل میں بال کی کھال نکالی ہے۔ ایک منزل کے لیے اہل عراق لفظ "برید" استعمال کرتے ہیں جس کا فاصلہ ۱۲ میل ہے اور خراسان میں ایک برید ۶ میل کے برابر ہے اور ایک مرحلہ ۶ یا ۷ فرسخ کا ہوتا ہے یعنی ۱۸ یا ۲۱ میل (اصطخری)

۳۱ دماوند شمالی ایران کا سب سے اونچا پہاڑ ہی جس کی بلندی ۱۸۶۰۰ یا ۱۹۴۰۰ فٹ ہی یہ پہاڑ در اصل کوہ البرز کی ایک مشہور چوٹی ہی۔ جس کے اوپر ہمیشہ برف کے تودے نظر آتے ہیں۔ طول البلد ۳۶ درجہ عرض البلد ۵۰ درجہ ہی۔ دماوند قریب زمانے کا لہجہ ہی۔ عرب کے سیاحوں نے اس کو دُنباوند اور دباوند لکھا ہی۔

۳۲ قزوین یہ ایک قدیم شہر ہی جس کا بانی شاپور بن ہرمز ملقب بہ ذوالاکتاف (۳۰۹-۳۷۹ء) تھا۔ فارسی میں قزدین یا کشوین کا ترجمہ "حد محفوظ" ہی۔ اس عہد کے کھنڈرات ہنوز باقی ہیں، قدیم نقشے میں دیکھو طہرآن کے بعد قزوین پھر سلطانیہ اور اس کے بعد قصبۂ زنجان ہی، یہ مسلسل آبادی ہی چنانچہ قزوین سے طہران تک سو میل (برابر ۲۴ فرسخ = مطابق ۹۶ میل = موافق ۶ منزل بحساب ۱۶ میل) کا فاصلہ ہی۔ اصطخری اور ابن حوقل نے مشہور مقامات سے حسب ذیل فاصلہ لکھا ہی:۔

رَی سے قزوین ۲۷ فرسخ = ۴ مرحلہ
قزوین سے اَبْہَرْ ۱۲ 〃 = ۲ 〃
ابہر سے زنجان ۲۰ 〃 = ۲ دن کا راستہ ہی۔

خلافت عثمانیہ میں قزوین پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔ اس شہر میں ہر علم و فن کے اس قدر علما گزرے ہیں کہ جن کی تاریخ کئی جلدوں میں لکھی جا سکتی ہی۔ خلیفۂ ہارون الرشید نے خاص قزوین میں ایک جامع مسجد تعمیر کی تھی جس پر ایک بڑی جایداد وقف تھی، لارڈ کرزن بہادر لکھتے ہیں کہ "یہ مسجد ہنوز موجود ہی۔ پچھلے دور میں شاہ طہماسپ اول نے (۱۵۲۴ء / ۹۳۱ھ) میں اس کو دار السلطنت بنایا اور عباس اول کے عہد میں (۱۶۲۹ء / ۱۰۳۹ھ) تک یہ دار السلطنت رہا، بعد ازاں یہ اعزاز طہران کو حاصل ہوا۔

عہد صفویہ میں قزوین بڑے عروج پر تھا، طہماسپ اوّل نے ایک عالی شان قصر بنوایا تھا، جس کا صرف ایک عالیشان دروازہ ہنوز باقی ہے۔" سنہ ۱۰۷۸ء ۴۷۱ھ میں حسن بن صباح باطنی نے قزوین پر قبضہ کیا تھا اور اس کا خوفناک قلعہ التموّنت (آشیانۂ عقاب) یہاں سے صرف تین میل کے فاصلے پر پیچدار پہاڑوں کے اندر تھا، لیکن باوجود انقلابِ حکومت اور زلزلوں کے آج بھی قزوین ایک شاندار مقام ہے اور عراق عجم میں ضلع کا صدر ہے جو طہران کے شمال و مغرب اور گیلان کے جنوب میں واقع ہے۔ سطح سمندر سے ۴۶۵ ۱ فٹ بلند ہے، ۳۶ درجہ ۱۵ دقیقہ طول البلد اور ۴۹ درجہ ۵۶ دقیقہ عرض البلد ہے۔ موجودہ مردم شماری چالیس ہزار ہے۔

میرے عزیز دوست خواجہ غلامُ الثقلین بی۔ اے پانی پتی مرحوم اپنے سفرنامۂ ایران میں لکھتے ہیں کہ "۱۵ ستمبر سنہ ۱۹۱۱ء کو مغرب سے ایک گھنٹہ قبل طہران سے روانہ ہوا تھا اور ۱۶ ستمبر سنہ ۱۹۱۱ء کو عصر کے وقت (۲۴ گھنٹے میں) قزوین پہنچا۔ قزوین بارونق شہر ہے، میں جامع مسجد میں نماز پڑھنے گیا واقعی نہایت شاندار مسجد ہے اور اس قسم کی تعمیر ہے جیسے مسجد سپہ سالار اور لاہور کی مسجد شاہی کے برابر وسعت ہے چاروں طرف عہد صفویہ کی عمارت بنی ہوئی ہے۔ یہ مسجد زمانۂ فتح علی شاہ قاچار میں درست کی گئی ہے، جس پر نہایت عالی شان کتبہ لگا ہوا ہے۔ صرف ایک گنبد مسجد کا ایسا ہے کہ ہزار آدمی اس کے نیچے آسانی سے نماز پڑھ سکتے ہیں اور دائیں بائیں مسجد کے دوسری عمارات ہیں جن میں ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار نمازی سما سکتے ہیں۔ مسجد سے تھوڑے فاصلے پر ایک عالی شان عمارت بنام ارک دولتی ہے، جس میں کچہریاں اور باغ ہیں، یہاں تربوز خربوزہ کثرت سے ہے۔ اور آبادی کے اندر ایک قدیم قلعہ بھی ہے۔"

سلطانیہ | قزوین کے سلسلے میں سلطانیہ، زنجان اور قوہہ کو بھی مختصر طور پر

سمجھ لینا چاہیے۔ اول قزوین صدر مقام تھا لیکن ارغون خان بن اباقائی خاں بن ہلاکو خاں نے قزوین اور زنجان کے مابین دامن کوہ میں ایک نئے شہر کی بنیاد ڈالی تھی جو نا تمام رہا، جس کو الجایتو سلطان نے تمام کیا اور اپنے نام سے منسوب کر کے سلطانیہ نام رکھا اور بجائے قزوین کے یہ دارالحکومت قرار پایا۔ ساتویں صدی ہجری کے چوتھے عشرہ میں حمد اللہ مستوفی لکھتا ہے کہ "اس شہر میں اس قدر عالی شان عمارات ہیں کہ بجز تبریز کے اور کہیں نظر نہیں آسکتی ہیں" لیکن اب محض ایک قصبہ ہے انیسویں صدی عیسوی کی ابتدا میں فتح علی شاہ قاچار نے سلطانیہ کو موسم گرما کا مستقر بنایا تھا۔ مسجد سلطان محمد خدابندہ کا گنبد یادگار ہے۔

زنجان

یہ قدیم شہر ہے جو گیلان اور آذربائجان کے پہاڑوں کے اندر واقع ہے۔ اردشیر بابکان اس کا بانی ہے، فی زماننا بھی بہت آباد ہے، ۲۰ ہزار کی مردم شماری ہے اور ضلع کا صدر مقام ہے۔

۳۳ قوہہ

ناصر خسرو براہ قوہہ آذربائجان میں داخل ہوا تھا۔ اس عہد میں یہ ایک آباد موضع تھا، یاقوت نے لکھا ہے کہ ۶۱۷ھ تک یہ آباد تھا، اور ری سے ایک منزل کے فاصلے پر تھا۔ عرب جغرافیہ نویس اس کو قوھذ لکھتے ہیں۔

من کی مقدار

من کی مقدار ۲½ پونڈ تھی (پونے دو سیر) اور عرب کا من دو سیر کا تھا۔ من تبریزی ۵½ سیر کا تھا۔ ہندوستان میں علاؤالدین خلجی کے عہد (۱۲۹۵ء) میں سیر ۲۴ تولے کا تھا۔ اس حساب سے من ۱۲ سیر کا ہوا اور من کی مقدار ہر جگہ بدلتی رہتی ہے

۳۴ بیل

ناصر خسرو نے اس کو قزوین کا ایک موضع لکھا ہے۔ اب اس کا نام و نشان باقی نہیں ہے۔ یاقوت حموی لکھتا ہے کہ بیل، ری کا ایک ناحیہ تھا اور مشہور علمی بستی تھی۔ یاقوت نے متعدد علماء کے نام درج کیے ہیں۔

(انتخاب از معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۴۰۸ حالات خراسان)

۳۵۔ قبان ناصر خسرو نے اس کو بھی قزوین کا موضع لکھا ہی لیکن چھٹی صدی ہجری میں، ترقی کر کے یہ شہر کے درجے پر پہنچ گیا تھا۔ یاقوت لکھتا ہی کہ تبریز کے قریب آذربائیجان کا ایک شہر ہی (معجم البلدان یاقوت)

۳۶۔ خرزویل ناصر خسرو کے زمانے میں ایک موضع تھا۔ بجز اس سفرنامے کے اور کسی سیاح نے اس کا تذکرہ نہیں کیا ہی۔

۳۷۔ طارم وطارمین شہر سلطانیہ سے ایک دن کی مسافت پر مضافات قزوین میں ایک گرم سیر علاقہ تھا جو طارین کہلاتا تھا۔

۳۸۔ برزالخیر بھی طارم کا مشہور پرگنہ تھا۔ پانی کی افراط سے زراعت خوب ہوتی تھی۔ اس وجہ سے برزالخیر مشہور رہا یعنی زمین سرسبز۔

۳۹۔ شاہ رود وسپیدرود قزوین سے زنجان تک نقشے میں اور نیز قدیم جغرافیوں میں شاہ رود کسی ندی کا نام درج نہیں ہی۔ لیکن بلاد جبل سے جانب شمال، ایک ندی نقشے میں ہی جو قزل اوزن میں گرتی ہی۔

یہی شاہ رود ہی، کیونکہ اس ندی کی نسبت ناصر خسرو لکھتا ہی کہ آگے چل کر یہ ندی سپیدرود میں گرتی ہی۔ چنانچہ سپیدرود نقشے میں موجود ہی، جو آگے چل کر قزل اوزن میں مل جاتی ہی اور قزل اوزن، کوہ البرز سے گزرتی ہوئی علاقہ گیلان اور آذربائجان تک تقریباً چار سو میل تک بہی ہی اور گیلان کا علاقہ طی کر کے دریائے آبسکون میں گرتی ہی۔ شہر رشت، سفید رود کے کنارے آباد ہی۔

۴۰۔ آبسکون یہ عام لہجہ ہی اور بعض قدیم کتابوں میں آبِ سکون اور ابوسکون بھی آیا ہی، فرہنگ انجمن آرائے ناصری میں لکھا ہی کہ بحیرۂ خزر کا قدیم نام آبسکون

ہے۔ چنانچہ رودکی کہتا ہے ؎

گرفتہ روئے دریا جملہ کشتی ہائے بزتو
زبہر مدح خوانانت زشروان تا بہ آبسکوں

فرخی سیستانی نے محمود غزنوی کی مداح میں لکھا ہے ؎

تو داری از کنار گنگ تا دریائے آبسکوں

وجہ تسمیہ میں لکھا ہے کہ اصل میں "دریائے آسماں گوں" تھا کثرت استعمال سے آب سکون ہوگیا ہے اور بحیرہ کاسپین کے کنارے جنوب مشرق میں اب ایک قصبہ بھی اس نام سے مشہور ہے۔ بحیرۂ خزر کی تفصیل آئندہ لکھی جائے گی۔ (کاسپین قزوین کا معرف ہے)

بحیرۂ طبرستان پر ایک چھوٹا سا شہر ہے یہاں سے جرجان تین یوم کی مسافت پر ہے اور اسی شہر سے بحر آبسکون منسوب ہے۔ بحر الخزر، بحر طبرستان، بحر جرجان اور آبسکون، یہ سب نام ایک ہیں۔ (ابن حوقل صفحہ ۲۷۷، مقدسی ۳۵۸ یاقوت جلد اصفحہ ۵۲ و جلد ۲ صفحہ ۶۶ و گنج دانش، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام)

۱۴۱ مرزبان الدیلم یا دولت الدیلم

دیلم یا دیالمہ ایک قبیلہ کا نام ہے جبال طبرستان، و جرجان و گیلان اور رے کی پہاڑیاں اس قوم کے مسکن تھے۔ اسلام سے پہلے ان میں کوئی بادشاہ نہ تھا۔ البتہ طبرستان شہر تھا جس کا فرمانروا اسپہبد کہلاتا تھا۔ لیکن طبرستان کے سردار قدیم سے **مرزبان** (تعلقہ دار) کہلاتے تھے اور عہد اسلام میں بھی یہ خطاب ان کا قایم رہا چنانچہ ناصر خسرو نے بھی "مرزبان الدیلم" لکھا ہے۔ اس عہد میں باوجود انحطاط دولت عباسیہ کے مسلمان فرمانروا اپنے ناموں کے ساتھ "مولی امیر المومنین" لکھنا فخر سمجھتے تھے (یعنی امیر المؤمنین کا آزاد کردہ غلام) خطبے میں

امیر وہودان کا پورا نام جس طرح پڑھا جاتا تھا وہ ناصر خسرو نے لکھ دیا ہی۔ لیکن اس سفرنامے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہی کہ امیر وہودان کی طرف سے ملک کے ایک حصے پر اس کا بیٹا جستان ابراہیم بھی حکمران تھا اور اس کا خطاب جداگانہ تھا۔ جس کو ناصر خسرو نے بصراحت لکھا ہی۔

۴۲۔ جیلان یا گیلان

دولت ایران کے چھوٹے صوبوں میں گیلان بلحاظ اتصال سرحد ممالک غیر ایک اہم مقام ہی جو بحر خزر کے جنوبی ساحل پر واقع ہی۔ نقشے میں ۴۸، ۵۰ دقیقہ سے ۵۰ درجہ ۳۰ دقیقہ تک طول البلد ہی۔ اس صوبے کا کل رقبہ مع تالش چھ ہزار میل مربع ہی اور مردم شماری تقریباً چار لاکھ اسّی ہزار ہی اور دارالحکومت رشت ہی مشہور بندرگاہ انزلی ہی۔
جیلان سے اس قدر ارباب فضل و کمال پیدا ہوئے ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً علم فقہ کا جیلان مخزن تھا۔ جیل سے ہمیشہ اہل جیلان مراد ہوتے ہیں اور جیلی کہلاتے ہیں اور جیل نواح بغداد میں (تحت مداین) مشہور گانو تھا جو شیخ عبدالقادر جیلانی قطب الاقطاب کے انتساب سے ضرب المثل ہی (انتخاب از انسائیکلوپیڈیا برطانیکا۔ ورلڈ آف ٹوڈے، جام جم، نزہت القلوب، یاقوت)

۴۳۔ دربند

اس کا قدیم عربی نام "باب الابواب" اور موجودہ مختصر نام "الباب" اور مغلی نام "دمُور قاپی" ہی، جس کو ایرانی دربند کہتے ہیں۔ زمانۂ سابق میں یہ ایران کی اخیر سرحد تھی۔ بحیرۂ خزر کے کنارے آباد ہی۔ ۴۸ درجہ ۱۶ دقیقہ طول البلد اور ۴۲ درجہ ۶ دقیقہ عرض البلد ہی۔ روسی داغستان کا مشہور شہر ہی۔ ساتویں صدی ہجری میں ارباب جغرافیہ نے اس کو بلاد شروان شاہ کا مشہور شہر لکھا ہی۔ اس ملک کی حد نہر کر سے دربند تک تھی، جس کا مشہور شہر باکویہ (موجودہ باکو) اور مشہور قصبات شماخی اور کشتاسفی (آباد کردہ گشتاسف بن لہراسپ تھے۔

سنہ ۱۲۲۱ھ میں الگزنڈر اول شاہ روس نے اس علاقہ کو فتح کرکے داخل سلطنت روس کرلیا اور چونکہ ساحل کے کنارے آباد ہی لہٰذا عمارتیں خوشنما ہیں اور شہر میں ایشیا کا رنگ غالب ہی، سرائیں، ہوٹل، بازار، سب خوبصورت ہیں۔ (گنج دانش، ابن حوقل، ہمدانی، اصطخری، مقدسی)

۴۴ سراب گرم رود کے متصل اردبیل اور تبریز کے مابین واقع ہی۔ سراب کا حمام جو اس صدی کی تعمیر ہی ضرب المثل ہی۔

۴۵ سعید آباد سراب اور تبریز کے مابین تھا ناصر خسرو پانچویں دن سعید آباد سے تبریز پہنچا تھا، اب نقشے میں نہیں ہی۔

۴۶ تبریز صوبۂ آذربائیجان کا صدر مقام اور اسلامی شہر ہی جس کو قبۃ الاسلام کا خطاب دیا گیا ہی، دامن کوہ میں آباد ہی۔ سطح سمندر سے ۴۴۰۰ فٹ بلند ہی، ۳۸ درجہ ۴ دقیقہ طول البلد اور ۴۶ درجہ ۱۸ دقیقہ عرض البلد ہی۔ اور مردم شماری تقریباً دو لاکھ ہی۔ گورستان سرخاب میں انوری، خاقانی، ظہیر فاریابی، فلکی شروانی وغیرہ خواب راحت میں ہیں۔ شمس تبریزی کے نام سے تو ایک ایک بچّہ واقف ہی۔

۴۷ قطران شعرائے تبریز میں حکیم قطران کا شمار اساتذۂ فن میں ہی اور ضرب المثل ہی، جس کی تصدیق پوربہائی جامی کے ان اشعار سے ہوتی ہی ؎

یا دشمنی کند چو کنی تربیت ورا ۔۔۔ در شعر با نظامی و قطران و انوری

ہرگز نہ گفتہ اند دریں اصطلاحِ شعر ۔۔۔ فردوسی و دقیقی و پندار و عنصری

(از تذکرۂ دولت شاہ)

البتہ یہ ضرور ہی کہ رعایت لفظی کا ضرورت سے زیادہ دلدادہ ہی اور غالباً یہی وجہ ہی

کہ ناصر خسرو کی رائے قطران کی زبان دانی کی نسبت اچھی نہیں ہے، کیونکہ ناصر ایک فلسفی شاعر تھا اور وہ جو کچھ لکھتا تھا روزمرہ کی سادہ زبان میں لکھتا تھا۔

۴۸۔ منجیک ابوالحسن علی محمد الترمذی المعروف بہ منجیک آل سامان کے دربار کا مشہور شاعر ہے عوفی تذکرے میں لکھتا ہے "منجیک از ساحران شاعراں بود۔"

(از کتاب لباب الالباب جلد ۲ محمد عوفی (شعرائے عہد سامانی) صفحہ ۱۳-۱۴)

۴۹۔ دقیقی دربار فرمانروایان چغانیان (ماوراءالنہر) کا شاعر ہے۔

۵۰۔ مَرَند صوبۂ آذر بائجان کا مشہور ضلع اور کمشنری ہے۔ ۴۵ درجہ ۲۲ دقیقہ طول البلد اور ۳۸ درجہ ۲۷ دقیقہ عرض البلد ہے۔ مرند سے تبریز دو یوم کی مسافت پر ہے۔ اور بلحاظ منزل ۱۱ فرسنگ ہے۔ علمی بستی ہے۔ اس کے اطراف میں باغات ہیں گرد فصیل ہے، جن میں آبادی ہے۔ بازاروں میں جامع مسجد ہیں۔ (معجم البلدان جلد ۸ صفحہ ۲۹، انسائیکلوپیڈیا، مقدسی ۳۷۷)۔

۵۱۔ خُوئی صوبہ آذر بائیجان کا ایک ضلع اور کمشنری ہے۔ جو سرحد کے شمالی و مغربی گوشے میں جھیل اُرمیہ اور نہر ارس کے درمیان واقع ہے

۵۲۔ بَرگری اصطخری و ابن حوقل اور مقدسی کے سفرناموں میں یہ منزل موجود ہے۔ زمانۂ حال کے نقشوں میں نہیں ہے

۵۳۔ آذر بائیجان ناصر خسرو کا سفر صوبۂ آذر بائیجان میں برکری

پر ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد وہ علاقہ شروع ہوتا ہے۔ جو آرمینیا اور ایشیائی ٹرکی کے نام سے موسوم ہے۔ ایران کے شمالی مغربی صوبے کا نام "آذربائیجان" ہے۔ زمانہ قدیم میں یہ "آذر آبادکان" مشہور تھا۔ البرامکہ کے جدید اڈیشن میں اس کی مفصل تاریخ ہے۔

۵۴۔ وان و وسطان وان ایک قلعہ کا نام ہے جو اخلاط اور نواح طفلس میں تھا اور اسی نام سے شہر مشہور ہوا اور وسطان اس کا ایک مشہور قصبہ تھا۔ قدیم کتب جغرافیہ میں "وان و وسطان" دونوں نام ایک ساتھ آتے ہیں حمداللہ مستوفی نے صوبۂ آرمینیا میں اس کا ذکر کیا ہے۔ جھیل وان سے ایک میل کے فاصلے پر جانب مشرق، شہر آباد ہے،

۵۵۔ آرمینیا قدیم نام ارمن یا آرمینیا ہے۔ یہ ایک ایسا سرحدی علاقہ ہے، جو دولت ایران، روس، اور ترکی میں منقسم ہے۔ نقشے میں ½ ۴۱ درجہ طول البلد اور ۳۷ لغایت ۳۹ درجہ عرض البلد پر واقع ہے،

۵۶۔ اخلاط جھیل وان کے کنارے آباد ہے، یہ نیا شہر ہے۔ اور قدیم شہر کی آبادی وان کی محاذی ہے۔ قدیم اور صحیح رسم خط خِلاط ہے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ خلاط کا بحیرہ تمام دنیا میں ضرب المثل ہے۔ ابن الکلبی کا قول ہے کہ "بحیرۂ خِلاط بھی عجایبات عالم سے ہے۔ جس میں دس مہینے تک مینڈک، کیکڑا اور کسی قسم کی مچھلی نہیں پیدا ہوتی ہے۔ لیکن سال کے پچھلے دو مہینے میں مچھلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

۵۷۔ پُول ایشیائے کوچک اور علاقۂ آرمینیا میں ایک درہم مسی کا

چلن تھا، جس کو ناصر خسرو نے پُول لکھا ہے یہ تانبے کے بڑے بڑے ٹکڑے تھے۔ جن پر ایک قسم کا ٹھپہ بھی تھا۔ اس کا وزن ۱۲ گریم تھا اور یہ سکّہ خاص عیسائیوں کے استعمال کے لیے جاری ہوا تھا اور فی زمانہ پول سے ممالک ایران میں روپیہ مراد ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام تحقیقات لفظ درہم)

۵۸ رَطل پیمانے کا نام ہے جو آدھ سیر کا ہوتا ہے تفصیل یہ ہے۔

(الف) رطل = ۱۲ اوقیہ اور ایک اوقیہ = ۴۰ درہم جملہ ۴۸۰ درہم (۳¼ پونڈ)

(ب) رطل = ۸ چھٹانک = ۴۰ تولہ = ۴۸۰ ماشہ = ۳۸۴۰ رتی۔

۵۹ بطلس عربی میں بدلیس ہے۔ اور ارمنی میں (BAΛES) ایشیائک ٹرکی کا مشہور شہر ہے، جو کردستان کا صدر مقام ہے۔ اور بحیرۂ وان سے جانب مغرب ۱۴ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور صوبے کا نام بھی بطلس ہے جس کا رقبہ ۱۰۴۶۰ میل مربع اور مردم شماری ۳۹۹۰۰۰ ہے۔ طول البلد ۴۲ درجہ ۳ دقیقہ اور عرض البلد ۳۸ درجہ ۲۶ دقیقہ ہے۔

۶۰ قِفُ النُظُر اس نام کا کوئی قلعہ دوسرے سفرناموں میں نہیں ہے بلحاظ بلندی عرف عام میں یہ نام کسی قلعہ کا ہوگا۔

۶۱ اویس قرنی رض حضرت اویس بن عامر قرنی سہیل یمنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سادات التابعین اور اکابر زہاد سے ہیں۔ یمن کے قبیلۂ مراد میں پیدا ہوئے اور موضع قرن میں نشوونما پائی ناصر خسرو نے اس مقام کا نام نہیں لکھا ہے۔ لیکن

درصل اس جگہ کا نام بھی اُویس تھا اور یہ ایک مشہور منزل ہے۔جس کا ذکر سفر ناموں میں موجود ہے۔ ایمۂ حدیث میں امام مالک اور بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت اویس کے وجود ہی سے انکار کیا ہے ایسی حالت میں جو حدیثیں ان سے مروی ہیں ان کی نسبت کیا رائے قایم ہو سکتی ہے، لیکن اکثریت اس طرف ہے کہ حضرت اویس، ایمۂ حدیث اور تصوف کے رکن اعظم تھے۔ صحیح مسلم، مصنف بن ابی شیبہ، مستدرک حاکم وغیرہ سے کافی حالات اخذ کیے جا سکتے ہیں، رازلواقح الانوار شعرانی، تذکرہ عطار صفحہ ۱۵۔۲۴ مطبوعہ لیڈن، ریاض الصالحین یافعی معجم البلدان یاقوت جلد ۴ صفحہ ۹۷)

۶۲ قطران سرو کوہی (عرعر) کا تیل ہے، جس کو عرب خارشتی اونٹوں پر لگاتے ہیں اور اس کو حیوۃ الموتی بھی کہتے ہیں۔ اور اُس مادی روغن کو بھی کہتے ہیں، جو سیاہ اور بودار ہو جیسے تارکول ہوتا ہے۔ اور اس کا دوسرا نام روغن چیڑ ہے (بہار عجم)

۶۳ میافارقین دجلہ اور فرات کے درمیان (بالائے جزیرہ) جو علاقہ ہے وہ الجزیرہ اور اقلیم اقور کہلاتا ہے۔ یہ دو حصوں پر تقسیم ہے۔ چنانچہ جنوبی حصے کا نام عراق عرب اور شمالی کا نام الجزیرہ ہے۔ جس کو عربی میں مابین النہرین (دوآبہ) اور انگریزی میں میسوپوٹامیہ (MESOPOTAMIA) کہتے ہیں۔ الجزیرہ کے حدود حسب ذیل ہیں۔

شمال	آرمینیا	مشرق	کردستان
جنوب	عراق عرب	مغرب	ایشائے کوچک اور ملک شام

۶۴ ارزن صوبۂ آرمینیا کا اب ایک مشہور قصبہ ہے جو میا فارقین کے مغرب میں سات فرسنگ کے فاصلے پر سرات کے متصل واقع ہے۔ عرب ارزن الروم اور قالیقلا کہتے تھے اور موجودہ نام ارض روم ہے جو ایشیائی ترکی کی چھاؤنی ہے ۳۰ میل لمبا ۱۲ میل چوڑا ہے (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام)

۶۵ رزار مانوش یہ ایک انگور کا نام ہے جو قیصر روم کے نام سے مشہور تھا۔ انگریزی لہجہ رومنس ہے لیکن عرب اور عجم ارمانوس اور ارمانوش کہتے تھے۔

۶۶ امیر نصر الدولہ ناصر خسرو کے زمانے میں دیار بکر کا حاکم تھا جس نے بڑے عیش و تجمل کے ساتھ حکومت کی۔

۶۷ نصریہ یہ کوئی بڑا شہر نہ تھا جس کا تذکرہ کتب جغرافیہ میں ہو بلکہ یہ اس قسم کی آبادی تھی، جیسے اس زمانے کے فرماں روا صدر مقام سے چند میل کے فاصلے پر محلات بنا کر مع خدم و حشم رہا کرتے ہیں، البتہ نصریہ بغداد کے ایک مشہور محلے کا نام تھا جو جانب مغرب واقع تھا۔

۶۸ آمد ناصر خسرو کے زمانے میں دیار بکر کا صدر مقام آمد تھا۔ جس کے حالات ناصر نے تفصیل سے لکھے ہیں،

اس شہر کا قدیم نام "امیدا" ہے چنانچہ موجودہ دیار بکر وہی آمد ہے، جس کو ترک قرہ آمید کہتے ہیں۔ دجلے کے مغربی کنارے ایک پہاڑ پر آباد ہے اور سطح سمندر سے ۲۰۰۷ فٹ بلند ہے۔ شہر ۳ میل کے رقبے میں آباد ہے اور قدیم قلعہ بھی دجلے کے کنارے موجود ہے۔ اور شہر میں اس وقت بھی چار دروازے موجود ہیں

۶۹؎ حرّان توراۃ مقدس میں اس کا نام حاران ہی۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر حارّان سے منسوب ہی۔ فرات کے کنارے، رُہا سے جانب جنوب ۸ گھنٹہ کی مسافت پر واقع ہی۔ اور حرّان سے رقہ دو یوم کی مسافت پر ہی۔ حرّان قدیم شہر ہی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام رُہا سے ہجرت کر کے حرّان میں تشریف لائے تھے حرّان کا قلعہ النجم بہت مشہور ہی۔ اور عہد صابئین کی ہیاکل کے کھنڈرات ہنوز موجود ہیں۔ ۳۹ درجہ ۲ دقیقہ طول البلد اور ۳۶ درجہ ۵۶ دقیقہ عرض البلد پر واقع ہی۔

۷۰؎ قِردِی قردی بھی عہد قدیم کا ایک مشہور موضع تھا جس کا تذکرہ ابن حوقل نے موصل کے حالات میں کیا ہی۔ قردی سے چلکر ناصر خسرو آمد میں آیا تھا اور یہ مشہور منزلیں ہیں۔

۷۱؎ سَروج حرّان سے ایک دن کی مسافت پر واقع تھا۔ اب ویران ہی۔ مقامات حریری کی بدولت ابو زید سروجی کا نام ہنوز زندہ ہی،

۷۲؎ نہر فرات یہ مشہور و معروف دریا آرمینیا سے نکلا ہی۔ اور عراق عرب سے گزرتا ہوا دجلے سے مل کر خلیج فارس میں آگرا ہی۔

۷۳؎ منبج یا بنبق یونانیوں کا نہایت قدیم شہر ہی، جس کا نام ہیراپولیس (HIERAPOLIS) تھا، زمانۂ قدیم کے آثار ہنوز موجود ہیں۔ فرات سے ۳ فرسخ پر سروج اور حلب کے مابین واقع تھا۔ اب ویران ہی۔

۷۴؎ ناصر خسرو ملک شام میں شام یا سُوریہ۔ زمانۂ قدیم میں ملک

شام دو حصوں پر تقسیم تھا، ایک سوریہ، دوسرا فلسطین۔ لیکن حضرت مسیح علیہ السلام سے کچھ زمانہ پہلے جب یہ ملک رومیوں کی حکومت میں چلا گیا تو دونوں حصوں کا نام سُوریہ قرار پایا۔ جو بحر ابیض کے شرقی کنارے پر ایک صوبہ ہے۔ لیکن عربوں نے اس ملک کو شام کا خطاب دیا وجہ تسمیہ میں کوئی کہتا ہے کہ عبرانی میں سام بن نوح کا نام "شام" ہے۔ اور یہ ملک اُن کا آباد کردہ ہے یا یہ کہ یہ ملک خانۂ کعبہ کے بائیں جانب ہے۔ اس لئے شام کہلاتا ہے۔ یا یہ کہ شوم (بدفالی نقیض یمن) سے مشتق ہے۔

۵۔ حلب ملک شام کا مشہور شہر۔ حسن و خوب صورتی میں دوسرا قسطنطنیہ ہے۔

۶۔ رطل ظاہری جس کا وزن ناصر خسرو نے ۴۸۰ درہم لکھا ہے۔ یہ ایک خاص رطل تھا جو خلیفہ الظاہر لاعزاز دین اللہ فاطمی مصری کے نام سے منسوب تھا، الظاہر کا عہد حکومت ۴۱۱ھ/۱۰۲۰ء سے ۴۲۷ھ/۱۰۳۵ء تک رہا ہے، جو درہم ملک شام میں اس وقت جاری تھا۔ اس کا وزن ½ ۴۷ گرین تھا۔ اس حساب سے رطل کا وزن ۲۲۸۰۰ گرین ہوا جو تقریباً ¼ ۳ پونڈ انگریزی کے برابر ہے۔

۷۔ حمص قدیم نام قدس تھا۔ یہ شہر ایک دینی مرکز تھا چنانچہ قدس اور حمص کے معنی ایک ہیں حمص سورج کا نام ہے اور قدس مدینۃ الشمس ہے۔ سطح زمین پر آباد اور شام کا قدیم مشہور شہر ہے ۳۷ درجہ ۱۰ دقیقہ طول البلد اور ۳۴ درجہ ۳۶ دقیقہ عرض البلد ہے۔

۸۔ دمشق عرب دِمشق (بالکسر) اور عجم دَمشق (بالفتح) کہتے ہیں چنانچہ

شیخ شیراز فرماتے ہیں ؎

چناں قحط سالے شد اندر دمشق — کہ یاران فراموش کردند عشق

یونانی نام اس شہر کا ڈماسیکینی تھا یعنی دما کا خیمہ، دما ایک یونانی بہادر تھا جو دیونیس دیوتا کی کی طرف سے لڑا تھا اور جب لڑتا ہوا یہاں تک پہنچا، تو اس جگہ اپنا خیمہ نصب کیا اور ایک ہیکل بنائی عربوں نے معرب کرکے دماسیکنی کو دمشق بنالیا اور انگریزی میں یہ نام ڈمس کس ہوگیا۔

سریانی میں دمشق کا تلفظ درمسوق ہے۔ دمشق کی آبادی جبل قاسیون کے متصل مخرج نہر بردی کے قریب ہوئی تھی۔ شام کا قدیم مشہور اور مقدس شہر ہے جو ۳۶ درجہ ۱۰ دقیقہ طول البلد اور ۳۳ درجہ ۳۰ دقیقہ عرض البلد پر واقع ہے۔ اور سطح سمندر سے ۲۱۳۰ فٹ بلند ہے۔

۷۹۔ انطاکیہ

سکندر اعظم (متوفی ۱۲ جون ۳۲۳ ق م) کی وفات کے بعد سلیوکس نیکٹر فاتح بابل و شام نے جو سکندر کا سپہ سالار اور اب اس کا جانشین تھا۔ اپنے بیٹے انطیوخوس (انٹیوچس ANTIOCHUS) کے نام سے شمالی ملک شام میں شہر انطوخیہ (ANTIOCH) آباد کیا تھا جو بعد کو عربی سانچے میں ڈھل کر انطاکیہ ہوگیا چنانچہ نقشوں میں عربی اور انگریزی دونوں نام درج ہیں عرب انطاکیہ (یائے مشدد) لکھتے ہیں چنانچہ زہیر۔ اور امراء القیس کے کلام سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

علون بانطاکیہ فوق عقمۃ — کجرمۃ نخلٍ او کجنۃ یثرب

۸۰۔ جند قنسرین

جند قنسرین کوئی موضع نہیں ہے یہ کتابت کی غلطی ہے۔ صحیح کنسرین ہے۔ جس کا قدیم نام (CHALCIS) تھا۔ اور حلب سے ایک منزل پر آج بھی ایک معمولی آبادی اسی نام

سے مشہور ہے۔ قدیم زمانے کی سرائیں خالی پڑی ہیں جن میں مسافر ٹھہرا کرتے ہیں (مراۃ الوضیہ)

۸۱ سرمین

قنسرین اور معرۃ النعمان کے درمیان حلب کے نواح میں ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ اور آج بھی موجود ہے۔ جس میں اسماعیلی آباد ہیں (مراۃ الوضیہ)

۸۲ معرۃ النعمان

شام کے شمالی حصے میں واقع ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر صحابی انصاری سے منسوب ہے۔ جنہوں نے معرہ کو فتح کیا تھا اور اسی شہر میں حضرت نعمان کا ایک صاحب زادہ دفن ہے۔ حلب سے جانب جنوب ۱۹ گھنٹے کی مسافت پر ہے۔

۸۳ ابوالعلا معری

ابوالعلا احمد بن عبداللہ بن سلیمان ...... التنوخی المعری نہایت نامور شاعر، ادیب، نحوی اور لغوی ہے۔ ۲۷ر ربیع الاول سنہ ۳۶۳ھ / ۹۷۳ء یوم جمعہ کو غروب آفتاب کے قریب بمقام معرہ پیدا ہوا۔ اور سنہ ۴۴۹ھ میں وفات پائی۔

۸۴ کومات کویات یا کفرطاب

ابن حوقل، مقدسی، اصطخری اور معجم البلدان، میں کومات کا نام نہیں ہے یہ نام صرف ناصر خسرو نے لکھا ہے۔ پروفیسر شیفر نے جو ترجمہ ناصر خسرو کا کیا ہے۔ اس میں بھی کومات ہے۔ لیکن محققین یورپ لکھتے ہیں کہ کومات کفرطاب کا نام ہے چنانچہ کفرطاب صوبۂ حمص کا مشہور شہر ہے۔ جو معرۃ النعمان اور حماۃ (یا حلب) کے درمیان تھا۔ جس کی تصدیق نقشجات سے ہوتی ہے

۸۵ حماہ یا حماۃ

عبرانی میں حَم کا ترجمہ ہے۔ حرارت الشمس، اور ایک روایت ہے کہ حمت سے مشتق ہے۔ جس کا ترجمہ ہے

المدینة الحصینہ کتاب مقدس کے مطابق ارض میعاد کی یہ شمالی حد ہی۔ شام کا قدیم اور مشہور شہر ہی، ریل کی وجہ سے اب حماۃ سے حلب تقریباً ۵½ گھنٹہ کا راستہ ہی۔ اور ۹۰ میل کی مسافت ہی۔

۷۶ آب عاصی اس کو نہر الارنط بھی کہتے ہیں اس کا یونانی نام اکسیوس ہی، مقدونیہ کے ایک نہر کے نام پر یونانیوں نے رکھا تھا۔ عربی میں یونانی سے یہ نام معرف ہوکر عاصی ہو گیا ہی، یونانیوں نے وطن کی یاد میں پہلا شہر پیلا (PELLA) حماۃ شام میں آباد کیا تو نہر کا نام اکیوس رکھا جو براہ راست تمام اراضی کو سیراب کرتی تھی۔

حماۃ اور حمص کی نہر کا نام آب عاصی ہی۔ ناصر خسرو نے جو وجہ تسمیہ لکھی ہی وہ ایک لطیفہ شاعرانہ ہی۔ اور یہ عرب جغرافیہ نویسوں کی غلطی ہی۔ اس کا دوسرا نام نہر مقلوب بھی ہی، کیونکہ عموماً شمال سے جنوب کو نہریں بہتی ہیں اور یہ نہر اس کے برعکس ہی۔

۷۷ فوارۃ الدیر یہ چشمہ لبنان کے دامن میں تھا اور اس کا نام فوارۃ الدیر تھا۔ یوسی فوس (مشہور یہودی مورخ) نے بھی اپنی تاریخ میں اس چشمے کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہی کہ سینچر کے دن اس چشمے سے پانی نہیں نکلتا تھا (از ترجمۂ انگریزی سیاحت شام)۔

۷۸ عرقہ یہ قدیم شہر ہی، جس کا تذکرہ تورات مقدس میں ہی۔ سکندر اعظم نے اس میں ہیکل زہرہ تعمیر کی تھی جس میں تیطوس (TITUS.) رومی نے بیت المقدس فتح کرنے کے بعد نماز شکرانہ پڑھی تھی، فنیشیا کے زمانے کے بھی آثار اس میں باقی ہیں طرابلس ڈو۔

تین فرسخ پر آباد تھا اور آبادی پہاڑ کے نیچے تھی۔ یہاں پہنچ کر دمشق کا علاقہ ختم ہو جاتا ہی۔ عرقہ سے بحر الروم کا فاصلہ صرف ایک میل ہو گا شروع بارھویں صدی تک بطور قریہ کے موجود تھا اب نقشے میں یہ نام نہیں ہی۔ مشہور علمی بستی تھی۔ (معجم البلدان، مرات غیبب)

۸۹۔ نیشکر ممالک مغربی میں نیشکر کی کاشت (عہد متوسط میں) صوبۂ خوزستان فارس سے داخل ہوئی ہی۔ ابن حوقل نے لکھا ہی۔ کہ خوزستان کا کوئی ایسا شہر نہ تھا جہاں نیشکر کی کاشت نہ ہوتی ہو۔ خصوصاً شہر سوس (شوستر) نیشکر کا مرکز تھا اس شہر میں شکر سازی کے بکثرت کارخانے تھے اور عربوں نے کاشت نیشکر میں بڑی ترقی کی تھی۔ شکر کو وہ بہترین طریقہ سے صاف کرتے تھے اور عربوں ہی کی بدولت ہندستان سے مراکو تک نیشکر کی کاشت پھیل گئی تھی۔ نواح اہواز میں صدہا حوض موجود ہیں جن میں رس بھرا جاتا تھا۔

۹۰۔ شجر النارنج مورخ گلیشو (GALLESIO) لکھتا ہی۔ کہ یورپ اور مغربی ایشیا میں نارنگی ہندُستان سے پہنچی ہی۔ کیونکہ نارنگی کا وجود ہندستان میں نہایت قدیم زمانے سے پایا جاتا ہی۔ اور نویں صدی عیسوی کے خاتمے سے کچھ قبل عربوں کو نارنگی کا عِلم ہو چکا تھا۔ جنوبی و مغربی ایشیا میں نارنگی عربوں کے ذریعے سے پھیلی ہی۔ مورخ مسعودی نے لکھا ہی کہ نارنگی اور ترنج مُدّور کا درخت ۳۰۰ھ ۹۱۲ء میں ہندستان سے گیا پہلے پہل یہ درخت عمّان میں لگایا گیا۔ پھر عمّان سے بصرہ اور عراق و شام میں پہنچا اور شام کے ملک طرسوس میں تو یہ کثرت ہوئی کہ کوئی گھر نارنگی کے درخت سے خالی نہ رہا پھر شام کے

دوسرے سرحدی شہروں میں رواج ہوا۔ خصوصاً انطاکیہ اور تمام ساحلی شہروں میں لگایا گیا۔ پھر فلسطین سے مصر تک اس کی ترقی ہوئی جہاں اس کے پہلے کوئی نارنگی کو جانتا بھی نہ تھا۔ (از سیاحت شام ناصر خسرو ترجمۂ انگریزی)

۹۱ طرابلس الغرب جس کو ٹری پولی کہتے ہیں بحر الروم کے کنارے آباد ہے اور بندرگاہ (المینا) ۲ میل کے فاصلے پر ہے ۳۵ درجہ ۵۰ دقیقہ طول البلد اور ۳۴ درجہ ۲۶ دقیقہ عرض البلد پر واقع ہے۔ اور اسی نام کا دوسرا طرابلس افریقۂ شمالی میں ہے۔

۹۲ روم (روم) سے قدیم شہر روما دار السلطنت اٹلی (ایطالیہ) مراد ہے جس کو رومولوس نے ۷۵۳ء ق م میں آباد کیا تھا۔ لیکن ۳۳۰ء میں قسطنطین اعظم نے یونان کے مشہور شہر بزنطائن کو وسیع کر کے قسطنطنیہ نام رکھا جو سلطنت کے اثر سے بعد میں روم جدید یا مشرقی روم کہلایا۔ قدیم روما کو عرب رومۃ الکبریٰ یا مغربی روم کہتے ہیں۔

۹۳ کاغذ سمرقندی (کاغذ سمرقندی) علوم و فنون کی ترقی کے ساتھ عربوں نے کاغذ بنانے کے کارخانے جاری کر دیے تھے چنانچہ ابن خلدون نے صناعۃ الوراقہ کے عنوان سے عہد ہارون الرشید میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن سمرقند میں عہد عباسی سے قبل ۹۵ھ ۷۱۴ء میں روئی کا کاغذ تیار ہوتا تھا۔ جو یورپ میں تیرھویں صدی عیسوی کے وسط میں مستعمل ہوا۔ کاغذ سمرقندی کشمیر اور کالپی کے کاغذ سے مشابہ ہوتا ہے۔ مگر سب سے قیمتی اور بہترین قسم وہ ہے جس کو پوست تہامہ کہتے ہیں اور یہ بعینہ ہرن کی جھلی معلوم ہوتی ہے۔ جس پر لکھے ہوئے متعدد کلام مجید میری نظر سے گزرے ہیں۔

۹۴ اندلس اسلامی نام ہے جس کو اب اسپین کہتے ہیں یہ جزیرہ نما یورپ کے مغرب و جنوب میں ہے اور دو حصوں پر تقسیم ہے۔ چنانچہ مغربی حصے کا نام پرتگال اور جنوبی کا نام اسپین ہے عہد قدیم میں یہ ملک "آئی بریا" کہلاتا تھا جس کا نام یونانیوں نے "اسپانیا" رکھا۔ عیسائی سلطنتوں نے متحد ہو کر ۷۵۰ سال کی فرمانروائی کے بعد ۸۹۶ھ / ۱۴۹۱ء میں تمام ملک سے مسلمانوں کو خارج کر دیا جن کے حال پر آنسو بہانے والا اب بجز قصر الزہراء اور قصر الحمراء کے کوئی نہیں ہے۔ سید یحییٰ قرطبی نے اپنے مشہور قصیدے میں فتنۂ اندلس کی تباہ کاری کی خوب تصویر کھینچی ہے۔ (انتخاب از جام جم و تاریخ العرب)

۹۵ سسلی یا صقلیہ بحیرۂ روم میں جو جزائر ہیں منجملہ اُن کے جزیرۂ سسلی نہایت مشہور ہے یہ جزیرہ مثلث کی صورت میں اٹلی کے جنوب میں واقع ہے اور اس وقت اس پر اٹلی ہی کا قبضہ ہے۔ جو تقریباً دس ہزار میل مربع رقبے میں آباد ہے۔ لیکن حقیقت میں سسلی کے عروج اور تہذیب و تمدن کا وہ زمانہ تھا جب فاتحین عرب نے جہازوں سے اتر کر اپنا مبارک قدم اس جزیرے میں رکھا اور جو ملک تمام برائیوں کا مرکز بنا ہوا تھا وہ عربوں کی بدولت چند ہی روز میں ایک مہذب و متمدن ملک بن گیا اور بلاد یورپ میں سب سے پہلے جس تاریک کرۂ ارض پر علوم و فنون کی شعاعیں پڑیں وہ یہی سسلی کا علاقہ تھا۔ ۸۲ھ / ۷۰۱ء میں بزمانۂ سلیمان بن عبدالملک یہ جزیرہ مسلمانوں کے قبضے میں آیا جس پر عہد مامون الرشید عباسی میں دوبارہ فوج کشی ہوئی۔ مقدسی اور ابن حوقل نے صقلیہ کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ (از تاریخ صقلیہ)

۹۶ قلمون علاقۂ دمشق کا مشہور موضع ہے اور اسی نام کا قلعہ بھی ہے جس کا ناصر تذکرہ کرتا ہے۔ قلموں ہنوز موجود ہے۔ انگریزی تاریخوں میں اس کا تلفظ کلماس (CALMOS) ہے۔ (معجم البلدان ۷/۱۵۱، مراصد وغیرہ)

۹۷ طرابزن یہ شہر طرابزون یا طرابزند کے علاوہ ہے جو آرمینیا کا ساحلی شہر ہے معجم البلدان و مقدسی وغیرہ میں از نام طرابزن، کوئی شہر نہیں ہے ناصر کی تحریر کے مطابق طرابلس سے یہ شہر ۵ فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ زمانۂ حال کے محققین نے بلحاظ موقع اس کی تحقیقات کی ہے چنانچہ پروفیسر ایم شیفرڈ کا خیال ہے کہ "یہ قدیم شہر تترون ہے جو بگڑ کر طرابزن ہو گیا ہے۔" اور یہ وہ شہر ہے جس کو یونانی تتریس کہتے تھے۔"

۹۸ جُبیل صاحب مراصد الاطلاع لکھتے ہیں کہ جُبیل جبل کی تصغیر ہے۔ اور اس نام کے مختلف مقام اور پہاڑ ہیں لیکن ناصر خسرو نے جس شہر کا ذکر کیا ہے وہ جبیل علاقۂ دمشق کا مشہور شہر ہے۔ لیکن جبیل، جبل کی تصغیر نہیں ہے۔ بلکہ جُبب اور ایل سے مرکب ہے۔ عبرانی میں ال اور ایل خدا کا نام ہے اور جُبب کا ترجمہ ہے قلعہ اور مقام بلند۔ اس سے وہ علاقہ مراد ہے جس میں قبایل آرامیہ متوطن تھے اور یہ مقدس حماۃ کا میدان تھا۔ جو بیروت سے ۸ فرسخ کے فاصلے پر موجود ہے اور نقشے میں (JEBEIL) طرابلس اور بیروت کے مابین درج ہے اس کا یونانی نام بَبل یا ببلوس (BIBLOS) ہے اور عبرانی نام جی بال (GEBAL) ہے جس کا توراۃ مقدس میں دو جگہ ذکر ہے اور جس کی تصدیق آثار قدیمہ سے ہوتی ہے اور جنگ صلیبی کی تاریخ میں اس کا نام جبلٹ (GIBLET) ہے سلطان صلاح الدین نے اس شہر کو عیسائیوں سے ۵۸۳ھ/۱۱۸۷ء میں فتح کر کے اس کو خالص کردوں سے آباد کیا تھا موجودہ مردم

شماری ۶۰۰ کے قریب ہے۔ (از معجم البلدان، مراصد، مراۃ الوضیۃ)

۹۹ بیروت اس کا ترجمہ ہے درخت صنوبر جو جبل لبنان میں بکثرت تھے دوسری روایت ہے کہ ایک دیبی (دیوی) کا نام تھا، جس کے نام سے شہر آباد ہوا۔ نہایت قدیم شہر ہے۔ اور بحر الروم کے کنارے آباد ہے جس کا رقبہ ۱۸۰۶ میل مربع ہے۔ طول البلد ۳۵ درجہ ۳۰ دقیقہ اور عرض البلد ۳۳ درجہ، ۲۷ دقیقہ ہے۔ ساحل شام کا مشہور و معروف بندرگاہ ہے

۱۰۰ صیداء شہر صور کی جانب مشرق اور ۶ فرسخ کے فاصلے سے ساحل پر آباد ہے قدیم فینیشیا کا مشہور شہر ہے۔ انگریزی میں اس کا نام، سیڈا، یا سیڈان (SAIDON.) ہے طول البلد ۳۵ درجہ ۳۰ دقیقہ اور عرض البلد ۳۳ درجہ ۳۵ دقیقہ ہے۔

۱۰۱ صور ملک شام کا ساحلی شہر ہے جس کو انگریزی میں ٹیر (TYER) کہتے ہیں یونانی نام تیروس تھا۔ اسلامی دور حکومت میں یہ ایک فوجی مرکز تھا۔ صور سے عکّہ ۱۲ یوم اور صیدا ایک دن کی مسافت پر ہے دولت و تجارت میں صور ضرب المثل تھا۔ ۵۰۰ ق۔م میں یہ شہر ملکہ بحار (سمندروں کی شہزادی) کہلاتا تھا۔ بخت نصر اور سکندر اعظم نے اس کو تباہ و برباد کیا اب ایک چھوٹا سا شہر ہے روئی اور کوئلہ کی تجارت ہوتی ہے طول البلد ۳۵ درجہ ۱۲ دقیقہ اور عرض البلد ۳۳ درجہ ۱۸ دقیقہ ہے۔

۱۰۲ وادیٔ بطّاف جس پہاڑی درّے کے اندر ہو کر ناصر خسرو گزرا تھا وہ حقیقت میں ایک قدیم راستہ ہے اور عکّہ سے دمشق کو عموماً مسافر اسی راستے سے جاتے تھے جس کا نام وادیٔ بطاف ہے (سیاحت شام ترجمۂ انگریزی)

۱۰۳ عکّہ عکو، عکاد - اس کا قدیم نام اکزیب ہے جس کا ترجمہ سیل ہے اور عک کا ترجمہ الرمل المحرق (جلتی ہوئی ریگ) ہے سب سے اول دنیا میں اسی جگہ کی ریگ سے شیشہ (زجاج) بنایا گیا،

انگریزی میں اس شہر کا نام اکری (ECRE) ہے ساحل شام کا یہ قدیم شہر او ر بندرگاہ اور مرکز تجارت ہے۔ جو صور اور حیفا کے درمیان ہے اور صور سے ۱½ یوم کی مسافت پر ہے طول البلد ۳۵ درجہ ۶ دقیقہ اور عرض البلد ۳۲ درجہ ۵۶ دقیقہ ہے قدیم نام تالمسیس یا بطلومائیس ہے۔

۱۰۴ صالح حضرت صالح بن عبید بن عامر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام مشہور پیغمبر ہیں قوم ثمود کی ہدایت پر مامور تھے مقام حجر میں قیام تھا اور تجارت کرتے تھے مسیح علیہ السلام کی طرح خانہ بدوش رہے آپ کا معجزہ ایک ناقہ تھا جس کی قدار بن سالف نے کوچین کاٹ ڈالی تھیں اس پر خدا کا عذاب آیا اور قوم تباہ ہو گئی۔ (القرآن سورۃ الشعراء)

۱۰۵ مینا جو شہر سمندر کے کنارے آباد ہوتا تھا اور جہاں جہازوں کی آمد و رفت رہتی تھی اس کے کنارے پانی کا ایک حصہ، خشکی کی جانب محصور کر دیا جاتا تھا۔ جہاں جہاز اور کشتیاں لنگر ڈالی تھیں اس کو عربی میں مینا کہتے ہیں اور اس کا مرادف فرضہ ہے جس کو انگریزی میں پورٹ (PORT) ہربور (HARBOUR) اور ہیون (HAVEN) کہتے ہیں فی زمانناجس طرح بڑے دریاؤں پر ریلوے پل بنائے جاتے ہیں اسی طرح سمندر کے کنارے سطح آب سے عمق تک کوٹھیاں گلائی جاتی تھیں اور ریت پہنچ کر ستون قایم کئے جاتے تھے اور یہ ستون امتحاناً ایک سال تک بحال خود چھوڑ دیے جاتے تھے جب بنیاد مستحکم ہو جاتی تھی تو پھر ان ستونوں پر

پُل بنائے جاتے تھے اور ایک بڑا دروازہ بنایا جاتا تھا جس کے اندر سے شب و روز جہازوں کی آمد و رفت ہوتی تھی اور جس طریقے سے جہاز نکلتے تھے اس کی ناصر خسرو نے خود صراحت کی ہے۔ دیکھو (معجم البلدان و مقدسی جام جم حالات عکہ)

۱۰۶ عین البقر — یہ چشمہ عکہ سے جانب مشرق ہے جو مسلمان یہودی اور عیسائیوں کے نزدیک مقدس ہے، چند سیڑھیاں ہنوز قایم ہیں اور قدیم مسجد کی ایک محراب بھی باقی ہے یہ مسجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نام سے منسوب ہے اور اس کی نسبت عجیب و غریب روایات مشہور ہیں اس مسجد کے مشرقی حصے میں صلیبیوں نے ایک گرجا بنا نا تھا، قدیم اور جدید سفر ناموں میں اس چشمے کا عموماً ذکر ہے (معجم البلدان ابن بطوطہ، خان بہادر)

۱۰۷ — یہ وہ مشہور پہاڑی سلسلہ ہے جو لوور گلیلی (LOWER GALILEE) کے نام سے مشہور ہے۔

۱۰۸ بروت — بیروت کے علاوہ بروت ایک جدید شہر تھا جو ساحل کے کنارے تھا۔

۱۰۹ تل بروہ — (BIRWAH.) عکہ سے جانب مشرق تین میل کے فاصلے پر ہے۔ حضرت عیص یا عیصو حضرت اسحٰق بن ابراہیم کے صاحبزادے ہیں عیش کتابت کی غلطی ہے (معارف ابن قتیبہ)۔

۱۱۰ شمعون — حضرت یعقوب علیہ السلام کے دوسرے بیٹے ہیں ان کی والدہ کا نام لیاہ تھا اور حضرت شمعون کے تین بیٹے، شموئیل، یامین، ساؤل ہیں جن کا تذکرہ کتاب مقدس میں ہے۔

۱۱۱ دامون — یہ ایک غار ہے جو تل بردہ کے جنوب میں موجود ہے۔ اور

نقشجات میں درج ہے۔

۱۱۲ ذوالکفل یہ لقب ہے بسر بن ایوب کا جو حضرت ایوب علیہ السلام کے جانشین ہوئے، بنی اسرائیل نے کثرت سے اپنے پیغمبروں کو قتل کیا تھا اور چونکہ آپ نے سو پیغمبروں کی جان بچائی تھی لہذا ذوالکفل (ضامن) خطاب پایا ذوالکفل حضرت الیسعؑ کے بعد مبعوث ہوئے تھے اور الیسع حضرت الیاس نبی کے خلیفہ تھے جو بعد کو پیغمبر ہوئے حضرت ذوالکفل شاہ کنعان اسرایلی کے عہد میں مبعوث ہوئے تھے سورہ ص میں ہے۔ "واذکر اسمٰعیل والیسع وذالکفل وکل من الاخیار" (طبری کبیر، القرآن)

۱۱۳ ابلین (ABILIN) یہ ایک موضع ہے جو داموں کے جنوب میں واقع ہے۔

۱۱۴ ہود علیہ السلام قوم عاد پر مبعوث ہوئے جن کا ملک دبار سے عمان تک اور حضر موت سے یمن تک پھیلا ہوا تھا حجاری اور سنگ تراشی میں اس قوم کو بڑا کمال تھا عذاب الٰہی سے یہ قوم بھی تباہ ہوئی۔ حضرت کا مزار احقاف میں ہے۔ معارف ابن قتیبہ وتاریخ یمن۔)

۱۱۵ عُزیر علیہ السلام بنی اسرائیل کا ایک گروہ آپ کو ابن اللہ کہتا تھا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ "وقالت الیھود عزیر ابن اللہ" توراۃ مقدس کے آپ حافظ تھے، بخت نصر شاہ بابل حضرت دانیال کے ہمراہ آپ کو بھی بیت المقدس سے گرفتار کرکے لے گیا تھا۔ اور توراۃ کے کل نسخے جلا دیے گیے تھے چنانچہ رہائی کے بعد

بیت المقدس میں واپس آکر حضرت عزیرؑ نے اپنے حافظے سے توراۃ کو لکھوا کر دوبارہ مرتب کیا صحیح روایات کے مطابق آپ کا مزار موضع قورنہ (محل اتصال دجلہ و فرات جو بصرہ سے ۹ گھنٹہ کی مسافت پر ہے) میں ہے جہاں صدہا یہودی سالانہ زیارت کو جاتے ہیں (معارف ابن قتیبہ)

۱۱۶ شعیب علیہ السلام

حضرت شعیبؑ بن صیفون نبی مرسل ہیں، توراۃ میں ہے کہ آپ مدین بن ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور حضرت لوط علیہ السلام کے نواسے ہیں۔ یہودی آپ کو یترو یا یترون کہتے ہیں۔ اصحاب الایکہ اور مدین کی ہدایت پر مامور تھے۔

حضرت شعیب کا مزار عکہ کے ایک غار میں ہے جو دامن کوہ میں ہے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ آپ کا مزار موضع حطین میں ہے (طبریہ اور عکہ کے مابین ہے) اور مراصد الاطلاع میں لکھا ہے کہ حضرت شعیب کا مزار موضع خیارہ میں ہے۔ لیکن یہ مقام بھی طبریہ سے ایک فرسخ پر ہے۔ بہر حال ناصر خسرو نے جو موقع لکھا ہے وہ صحیح ہے مواضعات کے ناموں کا ردّوبدل قابل لحاظ نہیں ہے۔

۱۱۷ اربل

اس نام کے مختلف مقامات ہیں لیکن جس موضع کا ناصر خسرو ذکر کرتا ہے بلحاظ موقع اس کا نام اُرْبَد ہے۔ لہٰذا یہ یقینی کتابت کی غلطی ہے موضع اُرْبَد طبریہ کے قریب علاقہ اردن میں ہے۔

۱۱۸ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام یوکبد تھا آپ لاوی بن یعقوب علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں اور عمران بن قاہث

بن لادی بن یعقوب عم سے شادی ہوئی تھی، عرب مورخین نے یوکبد کو یوخابذ لکھا ہے۔ (معارف ابن قتیبہ)

۱۱۹ بحیرۂ طبریہ

یہ بحیرہ شہر طبریہ کے کنارے ہے۔ لہذا اسی نام سے مشہور ہوا اس کا طول ۱۲ فرسخ اور عرض ۳ فرسخ ہے کتب مقدسہ میں اس کا نام بحر الجلیل بحیرۂ جناسر، اور کنرث ہے۔ اس کا پانی شیریں ہے۔ اس بحیرے پر ایک پل قایم ہے، جس کے اوپر سے دمشق کو راستہ جاتا ہے۔ (ابن حوقل، مقدسی)

۱۲۰ طبریہ

صوبۂ اردن کی وادی کنعان میں شہر طبریہ (TIBERIAS) آباد ہے جس کو قیصر طبیاریوس کے نام پر ہیرودوس نے آباد کیا تھا۔ اس شہر میں وہ مشہور و معروف یہودیوں کا مدرسہ تھا جس کا نامور پروفیسر حاخام یہودی تھا جو سنہ ۲۲۰ء تک زندہ تھا اول یہ شہر خلافت فاروقی ۱۵ھ / ۶۳۶ء میں فتح ہوا پھر عیسائیوں کے قبضے میں چلا گیا ۱۰۳۶ء / ۱۲۵۴ء کے زلزلے میں نصف سے زیادہ ویران ہو گیا ہے۔ طول البلد ۳۵ درجہ ۲۱ دقیقہ اور عرض البلد ۳۲ درجہ ۴۶ دقیقہ ہے۔

طبریہ علمی بستی ہے جس میں محدثین، حفاظ، مشایخ بکثرت گزرے ہیں

۱۲۱ یوشع بن نون

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات پر آپ بنی اسرائیل کی ہدایت پر مامور ہوئے تھے حضرت یوسف علیہ السلام کی نسل میں ہیں، بنی اسرائیل کو تیہ سے لیکر نکلے جبابرہ سے لڑے اور بلقا تک آئے۔ (الیعقوبی)

۱۲۲ دریائے لوط

قدیم عربی کتب جغرافیہ میں اس کا نام بحیرۃ المیتہ بحیرۂ منتنہ، بحر الملح، بحیرہ زغر اور المقلوب ہے چونکہ پانی

اس دریا کا نہایت شور و نمکین ہے اور اس میں کوئی جانور زندہ نہیں رہتا ہے اور بودار بھی ہے، لہٰذا اسمائے مذکورۂ بالا سے موسوم ہوا۔ موجودہ اٹلسوں میں اس کا نام (DEAD SEA) ہے جو بحر المیّت کا لفظی ترجمہ ہے یہ بحیرہ شمال سے جنوب کی طرف پھیلا ہوا ہے۔

۱۲۳۔ دینار مغربی

دینار ایک سکّے کا نام ہے جو قیصر روم نے سنہ ۳۱۹ ق۔م میں جاری کیا تھا۔ دینار لاطینی زبان کا لفظ ہے جس کا ماخذ دیناریوس (DENARIUS.) ہے اور اس کا مادہ ڈینی (DENI) ہے۔ جس کا ترجمہ (دس) ہے اور چونکہ ابتدا میں ایک دینار، دس آس (ایک قسم کا رومی درہم) کے برابر ہوتا تھا اس مناسبت سے اس کا نام دینار ہوا اور یہ سکّہ چاندی کا تھا لیکن اخیر سنہ ۲ ق۔م میں یہ سکّہ طلائی ہو گیا جس کا وزن ایک مثقال تھا بعد ازاں سلاطین ایران نے بجنسہٖ اسی شکل و صورت کے سکّے جاری کیے اور وہ بھی درہم و دینار کہلائے چنانچہ ملک شام اور دیگر ممالک عرب میں تجارتی تعلقات سے یہ رومی اور ایرانی سکّے جاری تھے، اور عرب ان کے بہت شائق تھے بعض ارباب لغت لکھتے ہیں کہ دینار کا ماخذ دنّار ہے، جس کا نون حرف یا سے تبدیل ہو کر دینار ہو گیا ہے۔ اور اس بنا پر کہا جاتا ہے، ثوب مدنر اور فرس مدنر (جس کپڑے پر مدور نقش و نگار ہوں یا جس گھوڑے پر خوب صورت گل ہوں وہ مدنّر کہلاتا ہے) لیکن ہماری رائے میں لسان عرب کے یہ معمولی تصرفات ہیں بہر حال تحقیق یہی ہے۔ کہ دینار رومی لفظ ہے چنانچہ ظہور اسلام سے قبل عرب میں مذکورۂ بالا سکّے جاری تھے۔ ممالک مغرب میں جو دینار ناصر خسرو کے زمانے میں جاری تھا۔ وہ موجودہ نرخ سے چھ رُپے کے برابر تھا۔

دینار کے بعد درہم کا درجہ تھا یہ ایک چاندی کا سکّہ تھا۔ جس کا وزن

ایک درم کے برابر تھا اور لفظ درہم کسی رومی یا یونانی لفظ سے ماخوذ ہے عرب میں یہ سکہ بھی ایران سے داخل ہوا جو مختلف الوزن تھا اور عرب میں جو درہم اول مرتبہ جاری ہوا وہ بشکل نوات (چھوہارے کی گٹھلی) تھا اور غیر منقش، خلافت فاروقی میں مدور رہا اور حضرت زبیر نے اس کو منقش کیا جس کی ایک جانب کلمۂ طیبہ تھا۔ عہد رسالت میں ۱۰ درہم کا وزن ۵ مثقال کے برابر تھا اور عہد فاروقی میں ۶ مثقال ہو گیا۔ ایک مثقال وزن میں ۱۰۰ جَو کے برابر تھا۔ عبد الملک کے عہد میں درہم شاہی سکہ قرار پایا۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام)

۱۲۴ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابئ رسول اللہ صلعم ہیں آپ کے نام میں بہت اختلاف ہے جس کا لکھنا بیکار ہے، البتہ کنیت مشہور عام ہے ۵۸ھ میں رحلت کی۔

۱۲۵ کفر کنّا معجم البلدان میں لکھا ہے کہ کفر کنّا فلسطین کا ایک شہر ہے جس میں حضرت یونس اور ان کے والد ماجد کا مزار ہے۔ نقشے میں اب یہ شہر نہیں ہے۔ لیکن حیفا کے بالائی حصے میں کوہ کرمل کے قریب یہ خانقاہ ہوگی جس کا ناصر خسرو ذکر کرتا ہے۔

۱۲۶ حضرت یونس ع حضرت یونس بن متی علیہ السلام حضرت الیاس کے بعد اہل نینوا کی ہدایت پر مامور ہوئے تھے اور نینوا علاقۂ موصل میں وہ مشہور قریہ ہے۔ جہاں حضرت یونس کی سکونت تھی۔ (المعارف و معجم البلدان)

۱۲۷ حیفا حیفار بالمد مدینۂ طیبہ کے ایک موضع کا نام ہے اور حیفا غیر ممدود ساحل شام کا مشہور شہر ہے جو ناصر خسرو کے زمانے

میں ایک معمولی قریہ تھا۔ ادرحیفا۔ دراصل اس قلعہ کا نام تھا جو یافہ کے قریب تھا جس کو ۵۸۳ھ / ۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین نے فتح کر کے مصلحت ملکی سے تباہ کر دیا تھا۔

۱۲۸ جودی جو قومیں ساحل پر آباد ہوتی ہیں، وہ قدرتی طور پر فن کشتی رانی سے واقف ہوتی ہیں۔ خصوصاً عرب اور ایرانی۔ انھوں نے جہاز رانی اور کشتی سازی میں عہد قدیم سے ترقی کی تھی اور کشتیوں کے نام ساخت کے لحاظ سے رکھے تھے اور ہر قسم کی کشتیاں بناتے تھے۔ عربوں کی کشتیاں حسب ذیل تھیں۔

ا۔ بڑی کشتیاں:۔ جُودی۔ فُلک۔ خلیہ۔ مزرآب۔ بوصی (بوزی) تمساح عقاب۔ ذہبیہ (دریائے نیل کی عام کشتیاں)، جاریہ۔

۲۔ اوسط درجے کی کشتیاں:۔ قسطوکہ۔ زَو، فردوس۔ نبوق، سلاریہ جودی اور بوصی۔ یہ دونوں کشتیاں بصرہ اور بحر فارس میں چلتی تھیں، جس پر ناصر خسرو سوار ہوا ہے۔

۱۲۹ الکنیسہ حیفا کے بعد شام میں قیساریہ کے متصل ایک موضع تھا۔ یہاں یہودیوں کا ایک عبادت خانہ "کنیسہ" کے نام سے مشہور تھا۔

جنگ صلیبی کے زمانے میں اس کا نام (CAPERNAUM) تھا یہی کنیسہ گرجا بھی تھا۔ اور اس کو تل کنیسہ بھی کہتے تھے (معجم یاقوت)

۱۳۰ قیساریہ ساحل بحر الروم پر آباد تھا اور اعمال فلسطین میں شامل تھا قیساریہ سے طبریہ ۳ یوم کی راہ پر تھا اور عکہ سے ۶ فرسنگ تھا۔ اور رملہ سے ایک یوم کی مسافت پر تھا۔ ۱۳ھ / ۶۳۵ء میں جب عمرو بن العاص

نے قیساریہ کو محصور کیا ہے تو شہر میں ۲۰۰ بازار تھے۔ کسی زمانے میں یہ بڑا شہر تھا۔ عہد ناصر خسرو میں معمولی قصبہ تھا (معجم یاقوت صفحہ ۱۹۵)

۱۳۱ بحر الروم بحر الروم کو بحر شام، بحر ابیض، اور انگریزی میں میڈیٹرینین سی (MEDITERRANEAN SEA) کہتے ہیں۔ یہ دریا حقیقت میں بحر محیط کی ایک شاخ ہے جو مصر کو طے کرتی ہوئی شام تک گئی ہے، اور بحر محیط مختلف دریاؤں کا منبع و سرچشمہ ہے۔ لیکن بڑی شاخیں دو ہیں۔

مشرقی شاخ میں بحر ہند، چین، فارس، یمن اور حبش تک ہے۔ مغربی شاخ اندلس (اسپین) سے براہ افریقہ، مصر، شام اور قسطنطنیہ تک ہے۔ (معجم یاقوت)

۱۳۲ کفر سابا و کفر سلام ناصر خسرو نے دو مقامات کو ملا کر ایک کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں مواضعات جدا گانہ ہیں۔

۱۔ کفر سابا شام میں کفر سابا، نابلس اور قیساریہ کے مابین واقع ہے۔ اور آج تک فلسطین کے نقشے میں موجود ہے، جو دمشق کی سڑک پر ہے۔ یہاں ایک جامع مسجد بھی تھی۔ (یاقوت صفحہ ۲۶۴)۔

۲۔ کفر سلام مدت ہوئی کہ کفر سلام ختم و فنا ہو چکا ہے۔ اب نقشوں میں یہ نام موجود نہیں ہے۔ مقدسی اور یاقوت نے الگ الگ کفر سابا و کفر سلام کا حال لکھا ہے۔ قیساریہ سے ۴ فرسنگ پر ایک بڑا موضع تھا جس میں رباط بھی تھی۔ اس جگہ مسافروں کی رہنمائی کے لئے ایک مینار تھا۔ جس پر روشنی ہوتی تھی۔ اور ضرورۃً طبل (نقارہ) بھی بجایا جاتا تھا۔

اور رملہ سے ہر دو مواضعات کا فاصلہ ایک یوم کی مسافت ہی۔ کفر کا ترجمہ قریہ ہی۔ شام میں کفر کی ترکیب سے متعدد مقامات ہیں۔ کفر سلام کی جگہ پر اب راس العین ہی (ترجمہ انگریزی سیاحت شام ناصر خسرو معجم یاقوت، ص۳۶۴ و مقدسی)

۱۳۳ رملہ — فلسطین کا ایک خوبصورت قصبہ ہی، جس میں میوہ افراط سے پیدا ہوتا ہی۔

۱۳۴ اُترُون — سفر نامے میں رملہ کے بعد خاتون کا ذکر ہی۔ یہ کتابت کی غلطی ہی، صحیح نام لتّرون ہی۔ یہ ایک موضع ہی۔ (از سیاحت شام انگریزی)

۱۳۵ بیت المقدس — قدیم نام اورشلیم یا یروشلم ہی۔ یہ ایک قدیم شہر ہی جس کو قدس بھی کہتے ہیں۔

عرض البلد ۳۵ درجہ ۳۶ دقیقہ

طول البلد ۳۳ " ۴۱ "

۱۳۶ ساہرہ — مسجد اقصیٰ سے آگے ایک بہت بڑا ہموار میدان اور جنگل ہی جس کا نام ساہرہ ہی۔ مسلمانوں کا عام خیال ہی، کہ یہی میدان قیامت (محشر) ہوگا اور یہی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہی۔ اسی لیے ساہرہ میں خونریزی بھی جایز نہیں ہی (معجم ۲۱/۵)

۱۳۷ عین سلوان — شہر قدس کے باہر ایک محلہ عین سلوان ہی جہاں ایک چشمہ بھی ہی۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے عین سلوان کا پانی مساکین و غربا کے لیے وقف کر دیا تھا (مقدسی)

۱۳۸ مسجد اقصیٰ — ناصر خسرو نے ۴۳۸ھ میں یہ مسجد دیکھی تھی اور مقدسی نے اس سے قبل شام کی سیاحت کی تھی۔ چنانچہ ابواب

مسجد کے بعض نام بدل گیے تھے چھٹی صدی ہجری میں بہت زیادہ تبدیلی ہوگئی تھی۔ ناصر نے مسجد اقصیٰ کے حالات بہت تفصیل سے لکھے ہیں۔

۱۳۹۔ قبہ صخرہ ایک سخت پتھر کی چٹان (ٹول)، ہی جو سنگ صخرہ کہلاتا ہی اس کی ضخامت ۳۳×۲۷ گز ہی جو عہد قدیم کے پیغمبروں کی یادگار ہی۔ یہ ہشت پہل ہی۔ ظہور اسلام سے قبل یہی قبلہ تھا۔ بعد میں کعبہ ہوا۔ یہ بھاری پتھر وسط مسجد اقصیٰ میں ایک بڑے وسیع چبوترے پر رکھا ہوا ہی۔ یہودی اس کی اسی طرح تنظیم کرتے ہیں جس طرح مسلمان حجراسود کی۔ شب میں تین سَو قندیلیں صخرہ کے چاروں طرف روشن ہوتی ہیں۔ قبہ صخرہ کے نیچے ایک غار ہی جس میں جاکر لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ اس غار میں بہ یک وقت ۶۹ اشخاص نماز پڑھ سکتے ہیں۔

۱۴۰۔ گز ملک یہ ایک قدیم گز تھا جس کو گز شاہگان بھی کہتے تھے گز ملک کی مقدار دو ارش کے برابر تھی۔ بیت المقدس کی عمارات میں "اِل" ارش کے برابر مانا گیا ہی۔ (از ڈکشنری انگریزی و ترجمہ سیاحت شام)

۱۴۱۔ درخت حور یہ درخت ممالک روم سے مخصوص ہی۔ اسی لیے ناصر نے ذکر کیا ہی کہ اس کا ملکِ شام میں ہونا تعجب ہی۔ اس کا گوند کاہ ربا ہی جس کو اصطلاح طبی میں کہربا کہتے ہیں۔

۱۴۲۔ بیت اللحم قدس شریف سے ۶ میل کے فاصلے پر ایک معمولی موضع ہی جو حضرت مسیح علیہ السّلام کا مولد ہی۔ قرآن شریف میں حضرت مریم علیہ السلام کے قصّے میں جس کھجور کا ذکر وارد ہوا ہی۔ اس کا ایک حصہ ہنوز عبادت خانے میں تبرکاً محفوظ ہی۔ قرآن مجید کے اعجاز کی کن

کن ذرایع سے تصدیق ہورہی ہے۔ سبحان اللہ! (معجم صفحہ ۳۶۲)

۱۴۳۔ مشہد خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مدفن مشہد خلیل کے نام سے مشہور ہے جس کو حبرون، حبرین، حبری، اور مطلون بھی کہتے ہیں، یہ مقام بیت اللحم کے جنوب میں واقع ہے۔ مطلون منجملہ چار مواضعات کے ایک وقفی موضع تھا۔ جس کا ذکر ناصر خسرو نے بھی کیا ہے۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مزار تھا۔ حضرت سارہ علیہ السلام ان کی زوجہ پہلے فوت ہوچکی تھیں اور وہیں مدفون تھیں لہذا حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اُن کے قریب ہی دفن ہوئے۔ زیر سائبان حضرت اسحاق علیہ السلام اور اُن کے قریب ہی اُن کی بی بی حضرت رقیہ علیہا السلام دفن ہیں۔

اور پچھلے حصے میں حضرت یعقوب علیہ السلام اور اُن کی رفیقۂ حیات حضرت لیباءؑ محو خواب ہیں۔ مشہد خلیلؑ کے قریب ایک احاطہ ہے جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام اور احاطے کی جانب مغرب حضرت یوسف علیہ السلام بھی مدفون ہیں آپ کا تابوت حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے اپنے ہمراہ لائے تھے۔

۱۴۴۔ بیعۃ القمامہ شہر بیت المقدس میں بیعۃ القمامہ یہودیوں کا سب سے بڑا گرجا ہے۔ جو وسط شہر میں نہایت شاندار مستحکم و خوبصورت ہے۔ اور خزانوں سے معمور ہے۔ اس کے اندر ایک مقبرہ ہے جو قمامہ کے نام سے مشہور ہے۔ الحاکم بامر اللہ فاطمی مصری نے اس بیعہ کو منہدم کرا دیا تھا۔ جس کی تفصیل دوسری جگہ درج ہے۔ عیسائیوں کے خیال کے مطابق اسی جگہ حضرت مسیح علیہ السلام مصلوب ہونے کے بعد زندہ ہوئے تھے اور اسی گرجا میں ان کا جشن منایا گیا تھا۔ (معجم ۱۵۸ ترجمہ انگریزی سیاحت شام)

۱۴۵ عسقلان غزہ اعمال فلسطین میں ساحل بحر پر مابین غزہ و بیت جبرین واقع ہی حسن وجمال کے لحاظ سے اس کا خطاب عروس شام ہی اور یہ دوسرا دمشق ہی۔ صحابہ کرام اور تابعین کا برسوں مسکن رہ چکا ہی، جنگ صلیبی (۵۴۳ھ لغایۃ ۵۸۷ھ) میں تباہ ہو گیا تھا۔

۱۴۶ طینہ جزیرۂ تینس اور قرما کے مابین ایک قصبہ تھا (۸۱/۱ معجم العمران)

۱۴۷ جزیرہ تینس یہ جزیرہ قرما اور دمیاط کے مابین ہی۔ دراصل یہ ایک بحیرہ ہی جس کو نیل کی ایک شاخ کہنا چاہیے، جو خشکی سے متصل اور بحر الروم سے قریب ہی۔ سیاحت ناصر کے زمانے میں بہت آباد تھا۔

۱۴۸ قسطنطنیہ یا استنبول۔ دنیائے اسلام کا مشہور شہر جو صدیوں تک ترکوں کا پایۂ تخت رہا۔

۱۴۹ صالحیہ مشرقی مصر کا قدیم شہر ہی۔ زمین ریگستانی ہی۔ صالحیہ سے شام تک آج بھی سڑک جاری ہی۔ اس شہر کا بانی ملک الصالح نجم الدین بن ملک الکامل محمد بن عادل ایوبی تھا اور اس عہد میں یہ فوجی چھاؤنی تھی۔ قدیم جامع مسجد ہنوز موجود ہی اور ۶ ہزار کی آبادی ہی (منجم ذیل معجم جلد ۱ صفحہ ۲۶۹)۔

۱۵۰ نہر جیحون جیحون کا دنیا کی بڑی نہروں میں شمار ہی اور یہ متعدد نہروں کا مجموعہ ہی اور پھر اس سے متعدد نہریں نکلی ہیں حدود بدخشاں سے نکلتی ہی اور دور تک بہ کر بحیرۂ خوارزم میں مل گئی ہی مغربی ایشیا کی سب سے بڑی نہر ہی خیوا اور بخارا سے نکل کر بحیرۂ اورال میں گرتی ہی۔ تقریباً ۱۳۰۰ میل تک اس کا بہاؤ ہی۔ اس کا انگریزی نام ہیراموس ہی۔

نہر سیحون | جیحون کے بعد دوسری مشہور نہر سیحون ہی۔ سرما میں یہ بھی تخ بستہ ہوجاتی ہی۔ اس کا انگریزی نام ساروس (SARUS) ہی

۱۵۱ ترمذ | ترمذ، ماوراالنہر کا قدیم مشہور شہر ہی جو شرقی وادئ جیجوں میں واقع ہی۔

۱۵۲ نوبہ یا نوبیا | نوبہ جنوب مصر میں ایک طویل وعریض علاقہ ہی۔ جو سوڈان کا ایک جز ہی۔ اسوان کے بعد ہی یہ علاقہ شروع ہوجاتا ہی۔ جس کا صدر دُمقلہ ہی (معجم ۳۲۳)

۱۵۳ اصعید الاعلیٰ | صوبۂ مصر نوعیت زمین کے لحاظ سے دو حصوں پر تقسیم ہی جو حصہ بلند ہی وہ مصر صعید (UPPER EGYPT) کہلاتا ہی۔ اس رقبے میں ۹۵۰ مواضعات ہیں اور جو حصہ پست ہی۔ اس کا نام مصر السفلیٰ یا مصر سفل (LOWER EGYPT) ہی۔ اس میں ۱۴۳۹ دیہات ہیں۔ (معجم)

۱۵۴ اسوان یا سوان | صوبۂ مصر کا بڑا شہر ہی اور مصر صعید کے آخر حصے میں ہی اور بلاد نوبہ (نوبیا) کا یہ پہلا شہر ہی، جو نیل کے شرقی کنارے واقع ہی۔

۱۵۵ جبل القمر (نیل کا منبع) | قدیم جغرافیہ نگاروں کی تحقیقات تھی کہ دریائے نیل کا منبع جبل القمر ہی۔ چنانچہ متاخرین بھی اب اسی کے قایل ہیں۔ جنوب خط استوا میں مغرب کی طرف ایک پہاڑی سلسلہ ہی جس کے مجموعے کا نام جبال القمر ہی۔ یہ سلسلہ مغرب سے شروع ہوتا ہی جس کا طول البلد ½ ۶۱ درجہ اور عرض البلد ½ ۱۰ ہی اور مجموعی مسافت ۲۰۰ فرسخ ہی۔ لیکن مزید تحقیقات ہنوز جاری ہی۔ کیونکہ نیل ایسے مقامات سے گزرتا ہی، جہاں انتہائی تاریکی ہی اور کشتی کے ذریعے سے

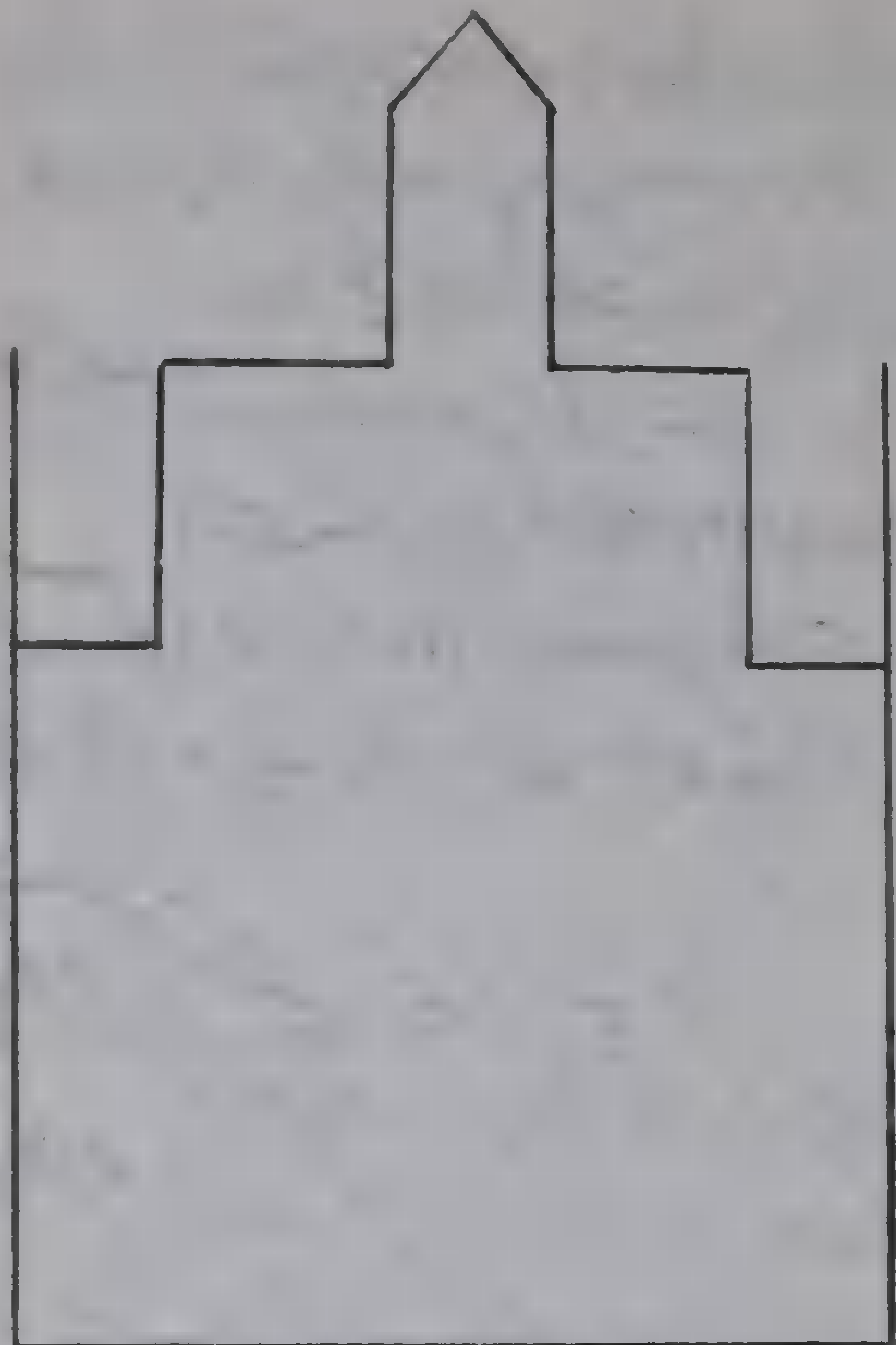
بھی نہیں پہنچ سکتے۔ بعض محققین یورپ جھیل وکٹوریہ نیانیر کو نیل کا منبع قرار دیتے ہیں۔

۱۵۶ اسکندریہ ملک مصر کی مشہور و بارونق بندرگاہ ہے جو بحر روم کے ساحل پر واقع ہے۔ اس کی بنا سکندر اعظم نے ۳۳۲ء ق۔م میں رکھی تھی۔

۱۵۷ مینار اسکندریہ و آئینہ حراقہ اسکندریہ کے عجائبات میں مینار اسکندریہ اور آئینہ حراقہ بھی ہیں، جن کا ناصر خسرو نے بھی تذکرہ کیا ہے۔ یہ مینار مختلف دھاتوں سے تعمیر ہوا ہے۔ بحر روم کی ایک چٹان پر اس کی بنیاد ڈالی گئی تھی، بنیادوں میں کانچ اور شیشے کی بھرتی کی گئی تھی اور کل سنگ خارا کا تھا۔ مینار کا طول ۲۳۰ گز تھا۔ عہد قدیم میں اس مینار سے رصد کا کام لیا جاتا تھا، جس کی چوٹی پر ایک آئینہ نصب تھا۔ اور اس مقام سے آنے والے جہاز بہت دور سے نظر آتے تھے۔ جب دشمن کا جہاز آئینے کے مقابل آتا تھا تو اُس میں آگ لگ جاتی تھی اس لیے عربوں نے اُس کا نام آئینہ حراقہ رکھا ہے۔

یہ مینار قلعہ نما تھا جس کی تصویر یہ ہے۔ (تصویر صفحہ ۲۰۹ پر ملاحظہ ہو)۔

۱۵۸ الحاکم بامر اللہ فاطمی مصری ابو علی المنصور ملقب بہ الحاکم بامر اللہ خلیفہ العزیز باللہ کا بیٹا تھا۔ ۳۸۶ھ / ۹۹۶ء میں اپنے باپ کی وفات پر تخت نشین ہوا۔ اس وقت ۱۱ سال ۶ ماہ کی عمر تھی۔ ۴۱۱ھ / ۱۰۲۱ء میں یکایک گم ہو گیا اور نعش کا بھی پتہ نہ چلا۔ ۲۵ سال حکومت کی الحاکم کی بہن نے اس کے نابالغ بیٹے ابوالحسن علی کو جانشین کیا اور الظاہر لاعزاز دین اللہ خطاب قرار پایا۔ تاریخ نجوم الزاہرہ میں الحاکم کے تفصیلی واقعات ہیں۔



مینارِ اسکندریہ

۱۵۹ و ۱۶۰ قیروان و سلجماسہ

قیروان ارض مغرب میں سب سے بڑا شہر تھا۔ اور زمانۂ دراز تک والیان مغرب کا دار الخلافہ رہا ہی۔ یاقوت کا قول ہی کہ قیروان کاروآن (قافلہ) کی تعریب ہی جنگل کے کنارے آباد ہی۔ امیر معاویہ کے عہد میں بسایا گیا تھا اور دوسرا مشہور تاریخی شہر اس علاقے کا سلجماسہ تھا۔ تاریخ مغرب میں یہ دونوں شہر خاص اہمیت رکھتے تھے (معجم ۱۹۳/۷)

۱۶۱ المہدیہ و خلیفۂ مہدی

عبید اللہ مہدی بانیٔ دولت فاطمیہ نے اپنے نام سے ملک مغرب میں مہدیہ آباد کیا تھا۔

جو مشہور بندرگاہ تھا سنہ ۳۰۳ ہجری میں، مہدی نے قیروان کے بعد اس نئے شہر کو دارالخلافہ بنایا تھا جس کا فاصلہ قیروان سے دو مرحلہ تھا۔

۱۶۲۔ صقلاب یہ علاقہ بلگیریا اور قسطنطنیہ کے مابین واقع تھا جس کے باشندے سرخ رنگ تھے۔

۱۶۳۔ اندلس اسپین کے اخیر جنوبی کنارے کا نام عربوں نے اندلس رکھا تھا اس اسلامی حکومت کا بانی طارق بن زیاد اللیثی ہے جس نے اسے فتح کیا اور ایک شاندار اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی جو آٹھ سو برس تک قایم رہی۔

۱۶۴۔ قدیم جزیرہ صقلیہ دیکھو حاشیہ ۹۵

۱۶۵۔ بحر قلزم قلزم عربی میں اُس دریا کو کہتے ہیں جو وسیع اور عمیق ہو بحر قلزم دراصل بحر ہند کی ایک شاخ ہے جس کو بحر احمر (ریڈ سی) بحر العرب اور خلیج عرب بھی کہتے ہیں۔ باشندگان ریف (کشت زار و چراگاہ) مصر نے اس شاخ کا نام بحر قلزم رکھا کیونکہ یہ دریا قدیم شہر قلزم کے مشرق میں تھا۔ جو مصر و شام کا بندرگاہ ہے۔ عبرانی نام ادوم (سُرخ رنگ) ہے چنانچہ موجودہ نام بحر احمر بھی اسی مناسبت سے ہے قلزم کا عرض شہر قلزم (موجودہ نہر سویز) سے بلاد یمن تک ۴۶۰ فرسنگ ہے۔

۱۶۶۔ شہر قلزم شہر قلزم اب فنا ہو گیا ہے۔ اس جگہ اب وہ آبادی ہے جس کا تعلق نہر سویز سے ہے۔ قاہرہ سے اس کا فاصلہ ۱۳۵ کیلومیٹر تھا۔ ابن حوقل نے اپنی مخصوص انشا میں شہر قلزم کے حالات لکھے ہیں۔

۱۶۷۔ شہر جار شہر جار ساحل بحر قلزم پر آباد تھا۔ یہاں سے مدینۂ طیبہ کا فاصلہ ایک شبانہ روز تھا۔

۱۶۸ قاہرہ ملک مصر کا پائے تخت جو ۳۶۱ھ میں پورا تعمیر ہوا اور اب دنیا کے سب سے بڑے شہروں میں شمار ہوتا ہے۔

۱۶۹ تاسیس خلافت فاطمیہ و خلیفہ المعز لدین اللہ خلفائے فاطمیین مصر میں المعز لدین اللہ پہلا خلیفہ ہے ۳۴۱ھ سے ۳۶۵ھ تک حکومت کی۔

۱۷۰ قصر الکبیر جوہر رومی نے خلیفۃ المعز لدین اللہ کی سکونت کے لیے قاہرہ میں دو محل بنوائے تھے۔ چنانچہ قصر الکبیر جس میں خلیفہ کی سکونت تھی، اُس میں ناصر خسرو کی صراحت کے مطابق دس دروازے تھے۔

سفرنامے میں بجائے باب قصر الشوک کے باب السریہ درج ہے یہ کتابت کی غلطی ہے۔ یہ دس دروازے بیرونی کہلاتے تھے۔ اور سرنگ کے راستے سے جانب شاہی خلیج (جس کا سالانہ جشن ہوتا تھا) جو اندرونی راستے تھے وہ جداگانہ تھے

علی پاشا مبارک نے جو مقریزی کا ذیل (الخطط الجدیدہ) لکھا ہے۔ اس میں جانب قبلہ باب الدیلم، اور "باب تربت زعفران" کا اور اضافہ کیا ہے۔

۱۷۱ جامع ازہر قاہرہ کی یہ پہلی مسجد ہے، جو قاید اعظم ابوالحسن جوہر رومی نے فتح فسطاط کے بعد تعمیر کی تھی۔ اسکو ابتدا میں جامع قاہرہ کہتے تھے۔

اس مسجد کا سنگ بنیاد بہ تاریخ سلخ جمادی الاولی یوم شنبہ ۳۵۹ھ کو رکھا گیا تھا، اور ۹ رمضان المبارک ۳۶۱ھ میں تعمیر مکمل ہوگئی تھی۔ اس میں پہلی نماز یوم جمعہ کو ادا ہوئی۔

۱۷۲ جشن وفاء النیل وفاء النیل کے حالات ناصر خسرو نے تفصیل سے لکھے ہیں۔ لیکن مقدسی لکھتا ہے کہ خلافت فاطمیہ

میں یوم عید الصلیب میں یہ جشن منایا جاتا تھا اور خلیفہ کی سواری عین الشمس تک جاتی تھی۔ ۱۲ گز طغیانی ہونے پر منادی النیل تمام شہر میں گشت لگا کر بہ آواز بلند پکارتا تھا "زاد اللہ الیوم کذا و کذا" یعنی خدا نے آج رود نیل کو انچوں اور گزوں کے حساب سے اس قدر بڑھایا ہے۔

۱۷۳۔ جامع عمرو بن العاص قدیم مصر (فسطاط) میں یہ سب سے پہلی مسجد ہے جو حصن بابل (قصر الشمع) کے قریب نیل کے شرقی کنارے پر تعمیر ہوئی ہے۔ اور فتح اسکندریہ کے بعد حضرت عمرو بن العاص نے ۲۱ھ (۶۴۲ء) میں اس کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔ سمت قبلہ کی تعیین میں اسّی صحابہ رضی اللہ عنہم شریک تھے۔ مسجد کا طول ۵۰ گز اور عرض ۳۰ گز ہے۔ اور ۲۳۰ ستون ہیں جو کھنڈرات منف وغیرہ سے آئے تھے جو آیات قرآنی سنگ رخام پر منقش تھیں۔ قدیم طرز عمارت میں اب بہت فرق آگیا ہے۔ اس مسجد میں اب چھ دروازے ہیں۔ ۱۰۰۰۰ دس ہزار نمازی بیک وقت نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس مسجد کا نقشہ مسجد الحرام مکہ کے مطابق ہے۔

خلیفہ عبد العزیز اموی نے اپنے زمانہ گورنری میں از سر نو توسیع کی تھی جس پر عہد مامون الرشید میں عبد اللہ بن طاہر نے بہت کچھ اضافہ کیا۔ ۵۶۴ھ میں آگ سے جل کر برباد ہو گئی جس کی سلطان صلاح الدین ایوبی نے دوبارہ تعمیر کی۔

۱۷۴۔ جزیرۂ مصر یا روضہ یہ جزیرہ فسطاط کا گویا ایک محلہ ہے، جو مشہور تفریح گاہ ہے۔ یہ وہ تاریخی مقام ہے جس جگہ کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ٹوکرہ یا صندوق فرعون کی بی بی کو ملا تھا۔

۱۷۵ اجنیزہ مصر کا یہ دوسرا جزیرہ ہے، جو روضہ کے بعد مغربی کنارۂ نیل پر فسطاط کے مقابل آباد ہے۔ یہ بھی ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ فاتح مصر عمرو بن العاص رضؓ نے واپسی اسکندریہ پر حفاظت شہر کے لئے اس جزیرے میں فوجی چھاؤنی قایم کی تھی۔

۱۷۶ خلیفہ المستنصر باللہ فاطمی ابو تمیم محمد المستنصر باللہ بن الظاہر لاعزاز دین اللہ ۱۶ جمادی الثانی ۴۲۰ھ میں پیدا ہوا۔ اور ۴۲۷ھ ۱۰۳۵ء میں خلیفہ ہوا۔ ناصر خسرو اسی عہد میں داخل مصر ہوا تھا۔ اور اس کی مدح میں متعدد قصاید لکھے ہیں جو کلیات ناصر خسرو میں موجود ہیں۔ ناصر ۳ سال تک مصر میں مقیم رہا۔ اور داعی الکبیر کی سند لے کر مصر سے رخصت ہوا۔ اور صوبہ خراسان میں تبلیغ شروع کی۔ جس کی وجہ سے علمائے خراسان اس کے دشمن ہو گئے۔ اسی زمانے میں حکومت صقلیہ کلبیہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ مستنصر کا عہد مصر کی ترقی کا آخری دور تھا۔ ۶۰ سال حکومت کرنے کے بعد ۴۸۷ھ ۱۰۹۵ء میں یہ خلیفہ فوت ہو گیا۔

۱۷۷ مدینۂ طیبہ یعنی مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۷۸ اُسیوط صعید مصر میں نیل کے مغربی حصّے میں آباد ہے۔ یہ بڑا شہر ہے۔

۱۷۹ قوص یہ مصر صعید کا ایک آباد شہر تھا، فسطاط سے ۱۲ یوم کی مسافت ہے۔

۱۸۰ اخمیم یہ بھی مصر صعید کا قدیم شہر ہے اور اُسیوط سے ۲ مرحلے پر ہے۔ جو نیل کے شرقی کنارے پر آباد ہے۔

۱۸۱ عیذاب ساحل بحر جدّہ پر ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ جو قدیم زمانے سے بندرگاہ بھی تھا، عدن سے آتے ہوئے تجارتی جہاز اسی جگہ لنگر انداز ہوتے تھے۔

بجہ یا بجایہ | ناصر خسرو نے سفرنامے میں بُجّہ یا بجایہ کو ہاجا ہاں لکھا ہے، جو عجمی لہجہ ہے اور عرب بُجاہ کہتے ہیں۔ یہ صحرائی آبادی حبش اور نوبہ کے درمیان تھی جس کو سوڈان کا ایک حصہ سمجھنا چاہئے۔

۱۸۲ ماہی قرش | قرش بحر قلزم کی ایک مچھلی ہے، اس سے بڑی دوسری مچھلی نہیں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ قریش کا مادۂ اشتقاق قرش ہے۔ یعنی یہ وہ قبیلہ ہے جو اقوام عرب میں سب سے زبردست اور ممتاز ہے۔

بحر عیذاب میں بھی قرش مچھلی پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کا تیل اس زمانے میں بکثرت نکالا جاتا اور بطور دوا استعمال کیا جاتا ہے۔ جدید تحقیقات ہے کہ یہ مچھلی دراصل "ویل" ہے جس کو عرب قرش کہتے تھے۔

۱۸۳ جدہ | عرب کی زمین اور دیار حجاز میں ساحل بحر یمن پر آباد ہے۔ زمانۂ قدیم سے مشہور بندرگاہ ہے۔ جدہ سے مکہ معظمہ ۶۵ میل ۱½ دن کی مسافت پر ہے۔ اب موٹر ین جاری ہیں جو چند گھنٹوں میں حاجیوں کو مکہ معظمہ پہنچا دیتی ہیں۔

۱۸۴ مکہ معظمہ | مکہ معظمہ صوبۂ حجاز کا دار الخلافہ ہے تعریف و تعارف سے مستغنی ہے۔ (زاد اللہ شرفہا)

۱۸۵ کوہ ابوقبیس | مکہ کی پہاڑیوں میں مشہور پہاڑی ہے۔

۱۸۶ کوہِ صفا | مکہ معظمہ کا مشہور پہاڑ ہے، جو حرم کے باب الصفا سے جنوب کی طرف واقع ہے اور اسی قرب و اتصال کے سبب سے جب صفا پر کھڑے ہوں تو حجر اسود سامنے ہوتا ہے اور مشعر الحرام صفا و مروہ کے مابین ہے۔

۱۸۷ کوہ مروہ صفا کے بعد یہ دوسری مشہور پہاڑی مکہ معظمہ کے جانب مغرب ہی اور صفا سے مروہ تک ایک وسیع سڑک جاری ہی جو بازار کے اندر ہو کر گئی ہی حجاج انھیں پہاڑیوں کے اندر سعی (۷ مرتبہ دوڑنا) کرتے ہیں۔

۱۸۸ عرب و یمن مدینہ و مکہ معظمہ کے حالات کے بعد زمین عرب کے عنوان سے ناصر خسرو نے حجاز و یمن کا مختصر جغرافیہ لکھا ہی ان کی موجودہ حدود اب تک قریب قریب وہی ہیں جو اس وقت تھیں۔

۱۸۹ صعدہ مخالیف یمن سے ایک مشہور مخلاف صعدہ بھی ہی جس کا فاصلہ صفا سے ۶۰ فرسنگ ہی۔ تجارتی منڈی ہی۔ خاص کر ادیم (دباغت کیا ہوا چمڑا) بکثرت فروخت ہوتا ہی۔ شہر صفا سے چھوٹا ہی اور پہاڑی کے اندر آباد ہی اس کا بندرگاہ غلافقہ ہی (معجم ۳۵۵/۵ و مقدسی)۔

۱۹۰ زبید خلیفہ مامون الرشید عباسی کے زمانے میں یہ خوب صورت شہر آباد ہوا یمن کے مشہور شہروں میں ہنوز آباد ہی۔ باب المندب کے مقابل میں ہی۔ علمی بستی ہی سلاطین یمن کا مستقر رہ چکا ہی۔

۱۹۱ صنعا و قصر غمدان وسط یمن میں آباد اور قدیم تمدن کی یادگار ہی بحر ہند اور بحر احمر کے ساحل پر عرب کے شمالی و مغربی حصے میں ہی۔ اس کا قدیم نام اوزال ہی جو برسوں یمن کا دارالحکومت رہا ہی۔ اور آج بھی صفا یمن کا صدر ہی۔

۱۹۲ نجد وسط عرب میں یہ سرسبز اور بلند قطعہ ہی اور اسی مناسبت سے اس کو نجد کہتے ہیں۔ تین جانب عظیم الشان صحرا صحرائی شام، حجاز و دہنا، ہیں صرف جنوب میں آباد صوبہ یمامہ ہی اور نجد کے نام

سے اور بھی چھوٹے چھوٹے قطعات آباد ہیں۔

نجران

احقاف اور عسیر کے مابین ایک آبادی تھی جہاں بجیلہ بن نزار اسمٰعیلی کا قبیلہ آباد تھا اور اسلام سے کچھ زمانہ قبل نجران میں عیسائیت پھیل گئی تھی چنانچہ سنہ ۹ھ میں عیسائیوں کا ایک وفد نبی کریم کے حضور میں آیا تھا۔ ناصر خسرو نے مشرقی یمن میں نجران کے بعد عثر اور بیشہ کا بھی نام لیا ہے۔ یہ دونوں ضلعے جداگانہ شیوخ کے ماتحت تھے جو سلطان لکھے جاتے تھے عثر سنعا۔ اور صعدہ کا بندرگاہ تھا پانی دور سے آتا تھا بیشہ وہی بیش ہے۔

١٩٣ مسجد الحرام

مکۂ معظمہ کے وسط میں مسجد الحرام ہے جس کے وسط صحن میں خانۂ کعبہ اور اطراف میں عمارتیں ہیں۔ مسجد کا کل رقبہ مع متعلقات ایک تہائی شہر کے برابر ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت (سنہ ۱۷ھ) میں تعمیر کی جس کی توسیع عہد عثمانی میں ہوئی اور دالان بنائے گئے۔ اور حضرت عبداللہ بن زبیر نے آرایش کی۔ اس کے بعد عبدالملک بن مروان اموی اور خلیفہ مہدی و منصور عباسی نے نہ صرف عمارت کو بڑھایا بلکہ غیر معمولی تکلفات کئے۔

ناصر خسرو نے اپنے زمانے میں جس حالت میں مسجد کو دیکھا تھا۔ اس کی، تفصیل سفرنامے میں موجود ہے۔ حرم کے دروازوں میں ناموں کا بہت فرق ہوگیا ہے جن کی صراحت ترجمۂ سفرنامہ میں کردی گئی ہے۔ طول مسجد ۴۲۴ گز اور عرض ۳۱۵ گز ہے اور رقبہ طواف ۱۰۷ گز ہے۔

١٩٤ خلیفہ العزیز باللہ

المعزلدین اللہ کے بعد اُس کا بیٹا ابومنصور نزار ملقب بہ العزیز باللہ سنہ ۳۶۵ھ / ۹۷۵ء میں خلیفہ ہوا تھا ۱۴ محرم سنہ ۳۴۴ھ / ۹۵۵ء میں اس کی ولادت ہوئی تھی۔ اس کے

عہد میں بھی جو ہر صقلی سپہ سالار تھا۔ اس کے زمانے میں کوئی اہم تاریخی واقعہ نہیں ہوا۔ ۳۸۶ھ (۹۹۶ء) میں بعارضۂ قولنج بلبیس میں فوت ہوگیا۔ ۲۱ سال تک خلافت کی۔ (المصر الحدیث)

۱۹۵۔ جعرانہ

دراصل یہ ایک چشمے کا نام ہے جو طائف اور مکۂ معظمہ کے درمیان عراق کی سڑک پر ہے۔ حنین سے واپسی کے وقت نبی کریم صلعم نے جعرانہ میں قیام فرمایا تھا۔ اور مال غنیمت تقسیم کیا تھا اور اسی مقام سے احرام باندھا تھا اہل مکہ بھی جعرانہ سے عمرہ کی نیت کرتے ہیں۔ (معجم ۱۰۹/۳ و مقدسی۔)

۱۹۶۔ عرفات

مکۂ معظمہ سے پانچ فرسنگ کے فاصلے پر تقریباً دس میل مربع کا ایک وسیع میدان ہے، جو مقام حج ہے جبل الرحمۃ عرفات کی مشہور پہاڑی ہے۔ اس پر عرفے کے دن بعد نماز ظہر خطیب اونٹ پر سوار ہوکر خطبہ پڑھتا ہے۔ دوسری جانب مسجد نمرہ ہے جس میں ۹ ذی الحجہ کو منیٰ سے واپس ہوتے ہی نماز ظہرین (ظہر و عصر) ادا کرتے ہیں۔

۱۹۷۔ مزدلفہ یا مشعر الحرام

۹ ذی الحجہ کو حجاج میدان عرفات سے روانہ ہوکر مغرب کی نماز مزدلفہ میں پڑھتے ہیں۔ اور تمام رات مزدلفہ میں ٹھہر کر عشاء اور فجر کی نماز پڑھ کر علی الصباح منیٰ میں آ جاتے ہیں۔

۱۹۸۔ منیٰ

مکۂ معظمہ سے پانچ میل پر عرفات کے راستے میں ایک میدان ہے۔ جس کا نام منیٰ ہے اس کا طول و عرض ۲ میل ہے۔ کچھ عمارتیں بھی ہیں جو کرایے پر حجاج کو دی جاتی ہیں عہد قدیم کے مختلف سلاطین نے اپنے ملک کے حاجیوں کے لیے بھی مکانات بنائے تھے

منیٰ میں ۸ ذی الحجہ کی شب کو حاجی قیام کر کے ۹ ذی الحجہ کی صبح کو عرفات چلے جاتے ہیں اور یہاں سے مزدلفہ پہنچ کر تمام رات قیام کرنے کے بعد ۱۰ ذی الحجہ کی صبح کو پھر منیٰ میں داخل ہو جاتے ہیں اور تین یوم تک قیام کرتے ہیں۔ اور اسی جگہ قربانی ہوتی ہے۔ جس کی ابتدا دس تاریخ سے ہوتی ہے (المعجم ، ابن حوقل طحاوی باب الحج)

۱۹۹۔ مسجد خیف یہ ایک مشہور وسیع مسجد ہے جو وسط منیٰ میں ہے اور ملک الاشرف قایتبائی کی یادگار ہے۔ بنی کنانہ کا مشہور قبیلہ خیف تھا، جس کے نام سے یہ مسجد موسوم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں بھی قیام فرمایا تھا۔ (معجم ۴۹۹/۳)

۲۰۰۔ طایف مع ملحقات حجاز میں طایف گویا جنت کا ایک ٹکڑا ہے۔ امرائے مکہ معظمہ گرمی کے موسم میں طایف چلے جاتے ہیں۔ یہ اُن کا مسوری و شملہ ہے بے انتہا شاداب مقام ہے۔ جبل غزوان پر برف جم جاتی ہے۔

۲۰۱۔ فلج ناصر نے فلج لکھا ہے۔ صحیح نام فلج ہے۔ مکہ یا طایف سے جب بصرہ روانہ ہوں تو فلج راستے میں پڑتا ہے۔ یہ مہذب عربوں کی آبادی تھی۔ ناصر کے ہیں فلج کی جو حالت تھی وہ اُس نے خود لکھی ہے (المعجم ۳۹۲/۶)

۲۰۲۔ یمامہ صوبہ عروض (مشرقی نجد اور حدود عراق سے سواحل خلیج فارس تک) میں یمامہ، بحرین، اور عمان میں بڑے تعلقات میں یمامہ کا ترجمہ گھریلو فاختہ یا قمری ہے اور یمامہ کا قدیم نام جو تھا۔ بعد میں یمامہ بنت سہم بن طسم کے نام سے یہ آبادی مشہور ہوئی۔ یمامہ سے بحرین تک دس یوم کی مسافت ہے۔

۲۰۳ لحسا یا الاحسا

الاحسا، اُس چشمے کو کہتے ہیں جو ریت کو ہٹا کر نکالا جائے یہ علاقہ بحرین کا ایک حصہ ہے۔ اس کو ابو طاہر الحسن بن ابی سعید جنابی قرمطی نے آباد کیا تھا۔ اور چونکہ فارس سے لحسا قریب تھا۔ لہٰذا قرامطہ نے اس کو صدر بنایا تھا۔ ساحل لحسا سے بحرین کے جزایر ۲۰ میل کے فاصلے پر واقع ہیں، مقدسی کے زمانے میں بھی آل سعید کی حکومت تھی۔

۲۰۴ ابو سعید جنابی قرمطی

ابو سعید بن بہرام ملقب بہ حسن قرامطہ کا ایک داعی تھا۔ یہ ایک معمولی آرد (آٹا) فروش تھا۔ داعی الکبیر نے اس کو پہلے جنابہ میں تعینات کیا تھا۔ بحر فارس کے کنارے جنابہ ایک مشہور قصبہ تھا، یہاں سے سیراف ۵۴ فرسنگ کے فاصلے پر ہے، جنابہ، حسنؒ کا صدر مقام تھا

علاقہ فارس کا داعی الکبیر شیخ حمدان قرمطی تھا، جب اس علاقے میں کامل تبلیغ ہو چکی تو حسنؒ، بحرین میں مقرر کیا گیا، اس نے حکمت عملی سے شہر ہجر پر قبضہ کیا۔ لیکن جب اس کا راز فاش ہو گیا تو یہ الاحسا (لحسا) میں اپنے محل کے اندر مع ایک جماعت قرامطہ کے قتل کر دیا گیا۔ اس نے الاحسا میں ایک قلعہ بھی تیار کرایا تھا۔ اس کا بیٹا ابو طاہر جانشین ہوا۔ اس نے بصرے اور کوفے پر قبضہ کیا۔ اور مسلمانوں پر حج کا راستہ بند کر دیا اور بقدر امکان بنو ہاشم اور آل ابو طالب کو قتل کرنا شروع کیا۔ اور مسلسل حجاج کو قتل کرتا رہا۔ اور عین حج کے موقع پر حجر اسود کو اپنی جگہ سے نکال کر قطیف لے گیا، اور ۲۱ سال تک حجر اسود کو واپس نہیں کیا، بعد میں مسلمانوں سے کثیر تاوان لیکر واپس کیا۔ جو آج تک اپنی قدیم جگہ پر قایم ہے۔ (معجم یاقوت)

۲۰۵ عمان

ایک اسلامی تعلقہ ہے۔ جو ساحل بحرین اور ہند پر واقع ہے اور ہجر

کے مشرق میں ہے جس میں متعدد شہر و قصبات ہیں۔ اور عمان ارضِ بلقار (شام) کا دوسرا شہر ہے (معجم ۲۱۵/۱)

۲۰۶ فارس بحرِ فارس فارس دولت ایران کا قدیم صوبہ ہے۔ صحیح لفظ پارس ہے۔ عربوں نے تعریب کی ہے۔ بہت وسیع صوبہ ہے۔ عراق، کرمان، ساحل بحرِ ہند اور مکران سے محدود ہے

۲۰۷ بصرہ عراق کا یہ اسلامی شہر ہے، عہد فاروقی میں آباد ہوا۔ سرحدی شہروں میں یہ سب سے بڑا ہے۔ دجلے سے ۴ فرسنگ پر ہے اور متمدن شہر ہے، علوم دینیہ کا مرکز رہا ہے۔ اور آج بھی بغداد کے بعد قابل سیر ہے۔

۲۰۷ شط العرب شط کا ترجمہ جانب نہر ہے، عراق کے نشیبی حصے میں بمقام قورنہ (کورنہ) جب فرات اور دجلہ کا سنگم ہوتا ہے تو اس کا نام شط العرب ہوتا ہے۔ یہاں پانی کا بہت زور ہوتا ہے جس میں بڑی کشتیاں (اسٹیمر) چلتی ہیں۔ ۱۲۰ میل بہہ کر شط العرب خلیج فارس میں گرتا ہے،

۲۰۸ نہر معقل ابلہ کے بعد دوسری بڑی نہر معقل ہے۔ یہ بھی بصرے سے نکلتی ہے۔ جس کو عہد فاروقی میں حضرت معقل بن یسار مزنی صحابی رسول اللہ صلعم نے نکالا تھا۔ اس نہر کی یہ صفت ہے کہ حالت جزر میں اس کا پانی شیریں ہوتا ہے۔

۲۰۹ نہر ابلہ یہ بصرے کی مشہور بڑی نہر ہے، جو چار فرسنگ طویل ہے۔

۲۱۰ اہواز اہواز۔ ایرانی دور میں خوزستان کہلاتا تھا، خوز کی جمع اخواز تھی جس کو عربوں نے اہواز بنالیا ہے، اور صوبہ اہواز ساسانی دور سے پہلے ہرمز شہر کے نام سے موسوم تھا۔ اہواز میں ایک بڑا بازار تھا، جس کو عرب سوق اہواز کہتے تھے اور حقیقت میں یہ ایک چھوٹا شہر تھا۔ اہواز کا علاقہ مابین فارس اور

بصرہ آباد ہی۔

۲۱۱ شہر اُبلّہ مضافات بصرہ میں دو چھوٹے شہر ہیں ایک کا نام اُبلّہ ہی۔ اور دوسرے کا شق عثمان اُبلّہ کنارۂ دجلہ اور زاویۂ خلیج بصرہ پر آباد ہی اور جو نہر گھومتی ہوئی یہاں تک آئی ہی۔ اُس کا نام نہر ابلّہ ہی۔

دوسرا شہر، شق عثمان، ابلہ کے مقابل جنوب کی طرف آباد تھا اور ابلہ سے چھوٹا تھا۔

۲۱۲ جزیرہ عبادان عبادان متعلق بصرہ ایک جزیرہ ہی، جو اپنے بانی عبادان کے نام سے مابین دجلہ و خوزستان آباد ہی۔ اور بصرے کے مشہور حصّے میں واقع ہی۔ بصرہ جانے والے عبادان کے رباط میں ٹھہرا کرتے تھے۔ عبادان میں ایک قلعہ بھی تھا۔

۲۱۳ خساب یا فانوس البحر خشّاب کو بعض جغرافیوں میں خشبات اور خشان بھی لکھا ہی۔ ناصر خسرو نے اس کی پوری تفصیل کی ہی۔ عبادان سے خساب کا فاصلہ چھ میل تھا مد کی حالت میں کوئی کشتی خساب سے نہیں نکل سکتی ہی۔ فرات کے بعد خساب آتا تھا۔ عربوں نے روشنی کے لحاظ سے خساب کو فانوس البحر (لائیٹ ہاؤس) کا خطاب دیا تھا (اصطخری)

۲۱۴ مہروبان توہ بصرے کے فانوس البحر (خساب) سے گزرنے کے بعد، ناصر خسرو شہر مہروبان میں داخل ہوا تھا، یہ شہر دریائے فارس کے کنارے، مابین عبادان و سیراف واقع تھا۔ اس زمانے میں بہت بڑا شہر تھا، بعد میں تنزل ہوا اور اب موجود نہیں ہی۔

گازرون ناصر خسرو مہروبان سے چل کر براہ توہ (ایک قصبہ) گازروں شہر ارغان میں داخل ہوا تھا۔ ناصر نے گازروں کے حالات نہیں لکھے ہیں،

جو صوبہ فارس کا مشہور شہر ہے اور رجبرین و شیراز کے مابین خوب آباد ہے

۲۱۵ اراغان

عرب اس شہر کو ارجان کہتے ہیں۔ دریا کے قریب آباد ہے جانب خوزستان فارس کی اخیر سرحد میں ہے۔

۲۱۶ لوروغان لنجان

عرب لوروجان کہتے ہیں، یہ فارس کا پہلا سرحدی شہر تھا جو ناحیہ اہواز میں داخل ہے یہاں سے ناصر خسرو، خان لنجان میں داخل ہوا تھا۔ فارس میں یہ ایک خوبصورت شہر تھا۔ یہاں سے صفہان دو یوم کی مسافت پر ہے اس میں باطنیہ کا ایک قلعہ بھی تھا، جس کو سلطان محمد نے ۵۰۰ھ میں برباد کر دیا۔ اب یہ دونوں مقام موجودہ نقشوں میں نہیں ملتے۔

۲۱۷ صفہان

فارس (عراق عجم) کا مشہور، آباد اور خوبصورت شہر اصفہان ہے۔ جو زندہ رود کے جانب شمال آباد ہے اور یہ ایک مرکب نام ہے (اسپ - ہان) جس کا عربی میں بلد الفرس ترجمہ ہے۔ اس کو صفہان (عربی لہجہ) سپاہان اور اسپاہان بھی کہتے ہیں۔

۲۱۸ نائین

اصفہان سے ۴۵ فرسنگ ہے۔ اور داخل بلاد فارس ہے قدیم شہر تون کے متصل ایک معمولی قصبہ ہے۔

۲۱۹ طبس و خبیص

یہ شہر دو حصوں پر تقسیم تھا، اس لئے بہ صیغہ تثنیہ طبسان و طبسین مشہور ہے۔

خبیص

صوبہ کرمان کا ایک چھوٹا شہر تھا اور جنگل کے کنارے آباد تھا۔

۲۲۰ تون

قدیم شہر ہے جو قائن سے قریب ہے، کسی زمانے میں بہت آباد تھا۔ اس کا دوسرا نام شہر عمید بھی ہے۔

۲۲۱ کاریز کنابد فارس میں یہ سب سے بڑی کاریز ہے جو ۱۲ میل تک چلی گئی ہے کہتے ہیں گودرز اور افراسیاب کی جنگ اسی جگہ ہوئی تھی، جس کا نام تاریخ ایران میں "دوازدہ رخ" ہے۔ تون سے نکل کر کنابد پہلی منزل ہے، کنابد کا دوسرا نام خیاآبد بھی ہے۔

۲۲۲ قاین ایک قدیم اور ممتاز شہر ہے جو خراسان کو کرمان سے علیحدہ کرتا ہے اور دور تک چلا گیا ہے نیشاپور اور صفہان کے مابین واقع ہے

۲۲۳ زُوزَن نیشاپور اور ہرات کے درمیان ایک پرگنہ ہے، علمی حیثیت سے زوزن کو بصرۂ صغریٰ کا خطاب دیا گیا ہے زوزنی شارح سبعۂ معلقہ مشہور ہے۔ اس شہر میں ابو حنیفہ عبداللہ حسن بن احمد ایک بزرگ تھے، جنھوں نے تمام عمر میں ۱۰۰ مصحف لکھے تھے۔ اور ہر مصحف کا ہدیہ ۵۰ دینار (۲۵۰ روپیہ) تھا۔ زوزن نیشاپور کے ماتحت ہے (معجم ۴۱۶ ج ۴)۔

۲۲۴ دست گرد و پل جموکیان دست گرد کے نام سے کئی مقام ہیں علاقۂ بلخ میں جو دست گرد ہے وہ پل جموکیان کے نام سے مشہور ہے (معجم ۵۷۵ ج ۳ دست جرد)۔

عام پسند سلسلہ

اُردو زبان کی اشاعت و ترقی کے لیے بہت دنوں سے یہ ضروری خیال کیا جا رہا تھا کہ سلیس عبارت میں مفید اور دل چسپ کتابیں مختصر حجم اور کم قیمت کی بڑی تعداد میں شایع کی جائیں۔ انجمن ترقی اردو (ہند) نے اسی ضرورت کے تحت عام پسند سلسلہ شروع کیا ہے اور اس سلسلے کی پہلی کتاب **ہماری قومی زبان** ہے جو اُردو کے ایک بڑے محسن اور انجمن ترقی اُردو (ہند) کے صدر جناب ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو کی چند تقریروں اور تحریروں پر مشتمل ہے۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ واقعی عام پسند ثابت ہوگا اور اُردو کی ایک بڑی ضرورت پوری ہو کر رہے گی۔ قیمت ۸ ر

ہمارا رسم الخط

از جناب عبدالقدوس صاحب ہاشمی

رسم الخط پر علمی بحث کی گئی اور تحقیق و دلیل کے ساتھ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ہندستان کی مشترکہ تہذیب کے لیے اُردو رسم الخط مناسب ترین اور ضروری ہے۔ گیارہ پیسے کے ٹکٹ بھیج کر طلب کیجیے۔

منیجر انجمن ترقی اُردو (ہند) ۱۵ دریا گنج۔ دہلی